وارن ہیسٹنگز اور انگریزی راج
مصنفہ
ای۔ پی۔ مون
مترجمہ
سید اولاد علی گیلانی

یہ کتاب انگریزی استبداد کی منہ بولتی تصویر ہے ۔ جس میں آپ انگریز قوم کی عیاری ۔ مکاری ۔ فریب کاری ۔ دجل اور ظلم و ستم کے مہیب اور دردناک واقعات کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر سکتے ہیں ۔

ایک تاجر قوم کس طرح قلیل مدت میں ایک عظیم الشان حکومت کی مالک بن گئی اس کا صحیح واضح اور مکمل نقشہ ایک انگریز مصنف کی مو قلم سے آپکے سامنے ہے ۔ اگر کوئی مظلوم اپنی درد بھری کہانی کہے تو زیادہ قابل توجہ نہیں ہوتی لیکن اگر ظالم خود اپنے منہ سے اپنے کار ھائے نمایاں بیان کرے تو آپ اسے رد نہیں کر سکتے ۔ یہ کتاب تاریخ عالم میں ایک اہم دستاویز ہے ۔ اس کے مطالعہ سے آپ بعض محیرالعقول واقعات سے روشناس ہوں گے ۔

ای ۔ پی مون تجربہ کار اور واقف حال انگریز مصنف ہے ۔ جس نے اپنی قوم کو ننگا کرکے آپ کے سامنے کھڑا کر دیا ہے ۔

Rs. ~~3-8~~/-

سلسلہ مطبوعات نمبر ۸۱

وارن ہیسٹنگز

اور

انگریزی راج

برطانوی ہند کے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے سوانح حیات کے علاوہ تاریخ بنگال، سراج الدولہ، نندکمار، چیت سنگھ والئی بنارس، بیگمات اودھ، جنگ روہیل کھنڈ، جنگ مرہٹہ اور جنگ کرناٹک کے لرزہ خیز واقعات کا مفصل تذکرہ

مصنفہ:-

ای۔ پی۔ موَن۔ او۔ بی۔ ای

مترجمہ

سید محمد اولاد علی گیلانی ایم اے (الہ آباد) بی اے منشی فاضل (پنجاب)

ناشر

کتاب منزل۔ لاہور

بار اوّل سنہ ۱۹۵۱ء

قیمت فی جلد

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے پنجاب پریس میں چھپوا کر کشمیری بازار لاہور
سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرفِ اوّل

برصغیر پاکستان وہند ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء تک متحدہ طور پر انگریز کی عملداری میں رہا۔ انگریز جو ایک تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے اپنی گوناں گوں عیاریوں اور بدعہدیوں کی بدولت تقریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کرتے رہے۔ شروع سے لے کر ۱۵ر اگست ۴۷ء تک اُنہوں نے ہندوستانی اقوام سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً جو افسوسناک سلوک روا رکھا۔ اسکی حقیقی تصویر مشہور منصف مزاج انگریز مؤرخ ای۔پی موَن۔او۔بی۔ ای نے حال ہی میں ایک کتاب (Warin Hastings and British India) "وارن ہسیٹنگز اور انگریزی راج" میں واضح کی ہے۔ ای۔پی۔موَن خود ہندوستان میں بڑے ذمّہ دار عہدوں پر متمکن رہے۔ اور اُن کو انگریزی راج کے اندرونی حالات کا اچھی طرح علم تھا۔ چنانچہ مذکورہ کتاب میں اُنہوں نے انگریزوں کے جبرو استبداد اور غاصبانہ دست برد کے اُن تمام رازہائے سربستہ کا انکشاف کیا ہے۔ جو عہدِ انگریزی میں کسی تاریخی کتاب کے اندر نہیں آسکتے تھے۔ فاضل مصنف نے اتنے دردناک اور عبرت انگیز واقعات کا انکشاف کیا ہے کہ قاری حیران رہ

جاتا ہے۔

سید محمد اولاد علی گیلانی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے مصنف سے اجازت لے کر اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا ۔ تاکہ مسلمان گذشتہ تاریخ کو پڑھ کر عبرت حاصل کریں۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین اس بلند پایہ تاریخی دستاویز کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ناشر

باب اوّل

تمہید

وارن ہسٹنگز ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل تھے۔ موجودہ نسل انگریزوں کے آخری گورنر جنرل کا عہد حکومت بھی دیکھ چکی ہے۔ ہسٹنگز نے اس طویل افسانے کے آغاز کا مشاہدہ کیا۔ جس کا انجام ہم نے دیکھا۔ بعض صورتوں میں غالباً ہم اُن لوگوں کی نسبت ہسٹنگز کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جو اُس کی ذات کے متعلق انگریزی راج کے عروج کے زمانہ میں اپنی پُر اعتماد رائے رکھتے تھے۔

جب وارن ہسٹنگز نے ہندوستان کے ساحل پر پہلے پہل قدم رکھا تو اُس کے اپنے قول کے مطابق انگریزوں کی حیثیت چند ادنےٰ مگر من چلے سوداگروں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اُن کی حیرت انگیز ترقی نے جو انقلابی صورت پیدا کر کے اُنہیں معمولی تاجروں سے ایک عظیم بالشان مملکت کا فرمانروا بنا دیا اُسے وہ خود بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ گورنر جنرل بننے سے پہلے وہ خود متواتر سات سال تک ایک معمولی تاجر رہ چکا تھا۔ اگر ہم صرف اس شخص کی تدریجی ترقی کے

حالات کا مطالعہ کریں تو ہم پر سلطنت انگلشیہ کے قیام کے ابتدائی نشانات بخوبی روشن ہو سکتے ہیں۔

اکثر اوقات یہ دعوے کیا گیا ہے کہ انگریزوں کی حکومت جبر و شہنشاہیت کے اصولوں پر قائم نہیں ہوئی۔ اس قسم کے دعاوی جھوٹ کی آمیزش سے پاک نہیں، اور نہ ہی ہسٹنگز اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ انگریزوں کی غاصبانہ دستبرد اور بدتمیزی پر اظہار افسوس کرتا رہا، اور اُس نے اس خیال کا اظہار کبھی نہیں کیا کہ بکسر اور پلاسی کی فیصلہ کُن لڑائیاں جس کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی سارے بنگال کی مالک بن بیٹھی اپنے بچاؤ کی خاطر لڑی گئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب جذبات و خواہشات کی رو کسی نئی حکومت کی منظم طاقت اور ہدایت کے مطابق چلائی جائے، تو اس سے لازمی طور پر شہنشاہیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی کے نتیجہ کے طور پر ہندوستان میں انگریزوں کی مملکت معرض وجود میں آئی۔ اس مملکت کے قیام کے لئے کوئی مجوزہ لائحہ عمل موجود نہ تھا۔ لیکن جو کچھ بھی کیا گیا وہ بلا مقصد یا بلا ارادہ بھی نہ تھا اس کا آغاز انگریزی دست برد سے ہوا۔ لیکن اس میں زیادہ تر اُن لوگوں کی انفرادی جدّوجہد شامل تھی جو اپنی دولت بڑھانے کے خواہشمند تھے۔ اور اُن کی بدعنوانیوں سے نظامِ حکومت کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کمپنی کے کارکن انگلستان میں تھے۔ اُنہوں نے پلاسی اور بکسر کی لڑائیوں کی نہ تو کوئی تجویز کی اور نہ ان کی یہ خواہش تھی کہ یہ لڑائیاں ہوں۔ باقی رہی حکومتِ انگلشیہ، تو اس معاملہ سے اُس کا دُور کا تعلق بھی نہ تھا۔ یہ ہنگامے محض کمپنی کے اُن ملازمین کی دماغی

کاوش کا نتیجہ تھے جو خود موقع پر موجود تھے۔ اور جو اپنے ذاتی مفاد و نفع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حق ملازمت کمپنی اور قوم کے مفاد کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔

یہ من چلے لٹیرے کسی نیک مقصد یا ایثار کے مدعی نہ تھے۔ ان کا مقصد صرف جلبِ منفعت تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دور دراز مقامات اور ناموافق آب و ہوا والے ملکوں میں جاتے تھے۔ اُن کا مدعا صرف یہ ہوتا تھا کہ اپنے لئے بیش بہا دولت۔ کمپنی کے لئے منافع۔ عظمت کی بجائے دولت اور طاقت کی بجائے لوٹ کا مال حاصل کریں۔ اِن مقاصد کے حصول کے لئے اُنھوں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ جسے آج کل کی مہذب شہنشاہیت پسند حکومتوں نے بھی قابلِ تحقیر نہیں سمجھا۔ کٹھ پتلی حکومتوں کے متعلق ہم کئی افسانے سُن چکے ہیں، لیکن موجودہ دنیا کی سب سے پہلی کٹھ پتلی حکومت کا نمونہ اٹھارویں صدی کا ہندوستان تھا۔ جس کی آڑ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں نے بے پناہ دولت جمع کی۔ کیا بنگال، کیا کرناٹک، کیا اودھ۔ اور ایک نسل گزرنے کے بعد کیا حیدر آباد دکن ہر جگہ یہی حال تھا۔ افراد کی سفّاکانہ چالوں نے کمپنی کے نام کی پناہ لیتے ہوئے کمزور اور نااہل والیانِ ریاست پر خوب ہاتھ صاف کئے۔ ہسٹینگز اِس نظامِ حکومت کو دیکھ کر متنفر ہونے لگا۔ چنانچہ بنگال میں اُس نے اِس طرزِ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اور نواب کی جھوٹی اور بناوٹی حکومت کی جگہ انگریزی طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی جو پہلی طرزِ حکومت سے بہتر تھی۔

اِن حالات سے یہ اندازہ نہ لگا لیا جائے کہ ہسٹینگز انگریزی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ یا اِس قسم کی حکومت کا دِلدادہ تھا یا اُس کی یہ خواہش تھی کہ ہندوستان کے دوسرے حِصّوں میں بھی۔ اسی قسم کی حکومت قائم کی جائے۔ بلکہ اسے اِس طرزِ عمل سے سخت نفرت تھی۔ اور وہ مقامی حکومت کے وقار کو قائم رکھنے کا متمنی تھا۔ چنانچہ کرناٹک اور اودھ میں باوجود اپنی نفرت کے اِسی قسم کے کٹھ پتلی نوابوں کی حکومت کو جاری رہنے دیا۔ بلکہ ایسی حکومتوں کی حوصلہ افزائی کی۔ تقریباً ایک صدی بعد کے انگریزوں کی طرح اُسے فتح و توسیع کا خیال کبھی نہیں آیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کسی غیر قوم پر فتح حاصل کر کے حکومت کرنا سب سے بڑی بدقسمتی کی دلیل ہے۔ یہ ایسی بدقسمتی ہے کہ اُس کی سختی کو تو کسی حد تک کم کیا جاسکتا ہے لیکن اُس کو برکت یا رحمت کے بھیس میں کسی طرح بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ قومی سربراہی یا سرپرستی کا نظریہ، جو محکوم اور کمزور قوموں کے متعلق آج کل استعمال کیا جاتا ہے ابھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اِس لئے وہ اُن تلخ حقائق کے اثر سے اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔ جو متواتر اُس کے مشاہدے میں آتے رہے۔ پلاسی کی لڑائی کے بعد اُس نے یہ دیکھا کہ غریب طینت اطاعت پسند بنگالی کو جابر انگریز خوف زدہ اور مرعوب کر رہا ہے۔ ملک کی تجارت تباہ ہو رہی ہے۔ حکومت کی شیرازہ بندی بکھر چکی ہے۔ اور ملک کی بے شمار دولت نجی خزانوں کے پُر کرنے کے لئے بے تحاشا تقسیم کی جا رہی ہے۔ اُسے یہ کبھی خیال نہیں آیا کہ اس نقصان عظیم کی تلافی

انگریزی حکومت کے فوائد سے ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ حکومت اصل میں کسی خاص فائدے کی حامل ہو۔ اُس کے خیال میں انگریزی حکومت کا دامن بھی کئی بنیادی اور ناقابل علاج نقائص کی وجہ سے داغ دار تھا۔ ایسی حکومت کی پائداری مشتبہ تھی اور خود برطانیہ کے لئے بھی اس قسم کی طرزِ حکومت یقینی طور پر سود مند ثابت نہ ہوئی تھی۔ اس لئے قرینِ مصلحت یہی بات تھی۔ کہ اس ذریعہ سے جو بُرائیاں بھی دُور ہو سکیں اُنہیں دُور کیا جائے اور اُن عارضی فوائد سے بحدِ امکان بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کی جائے جو اس طرزِ حکومت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ تاکہ اُس آنے والے زوال کی آمد میں کچھ تاخیر پیدا ہو سکے۔ جو ایک نہ ایک دن اس حکومت کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔

ہسٹینگز کے نظریہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس ملک میں موجودہ طرزِ حکومت کا جو خاتمہ ہونے والا ہے۔ گو مختلف ہے لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ اس خاتمہ کے التوا میں ہسٹینگز نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو انگریزی راج کی عمارت دورانِ تعمیر ہی میں گر پڑتی۔ اُس نے اس جہاز کو شروع ہی میں ایسے زیادہ خوفناک خطرات سے نکالا۔ جو ۴۲-۱۹۴۱ء تک اُسے دوبارہ پیش نہ آئے۔ فلپ فرانسس جو ہسٹینگز کا ہمعصر اور اُس کا حریف تھا، اِس بات کا شاہد ہے۔ امریکہ کی تباہ کن جنگِ خود مختاری سے بہت پہلے فرانسس لکھتا ہے کہ "مَیں اپنے آپ کو ایک ایسے جہاز پر سوار پاتا تھا۔ جس میں شگاف ہوں۔ اور جو ہَوا کے تھپیڑے کھاتا ہُوا

یقینی تباہی کے لئے جُھک چکا ہو۔ جس کا بچنا اعجاز سے کم نہ ہو" یہ معجزہ واقعی ظہور میں آیا، اور یہ جہاز تباہی سے بچ گیا۔ محض ہسٹینگز کی کدوکاوش اور انتظامی قابلیت کی وجہ سے بنگال کی درہم برہم حکومت میں نظام قائم ہوا، اور اس کے بعد اُس نے انتہائی دلیری سے تمام داخلی اور خارجی دشمنوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ گو ۱۷۸۰ء میں کمپنی کو ہندوستان کی تمام متحدہ طاقتوں سے جن کو فرانسیسی امداد بھی حاصل تھی سابقہ پڑا۔ گو کچھ عرصہ کے لئے انگریزوں کا سمندری وقار بھی ختم ہوگیا تھا۔ دُنیا کے دوسرے حصّوں میں انگریزوں کو ہزیمتیں بھی اُٹھانا پڑیں۔ لیکن اِن سب باتوں کے باوجود ہسٹینگز کے عزم صمیم میں رتّی بھر فرق نہ آیا۔ اور اُس نے صلح کے لئے دستِ سوال دراز نہ کیا۔ شکست ماننے سے اُس کا پیہم انکار اور بدحالی اور بدقسمتی کی حالت میں اُس کی عملی دلیری نے مقامی حکمرانوں اور ہندوستانیوں کے دلوں پر انگریز کی مستقل مزاجی اور پامردی کا ایسا گہرا اثر کیا، جو مشہور و معروف فتوحات کے ذریعہ بھی حاصل نہ ہوسکتا تھا۔

ہندوستان میں ہسٹینگز کے عہدِ حکومت کی داستان چند غیر ضروری اور غیر اہم واقعات کی وجہ سے اختلافات کا مرکز بن کر رہ گئی ہے ان پُرانے واقعات میں سے چند ایک مثلاً جنگ روہیل کھنڈ۔ مقدمہ نندکمار۔ چیت سنگھ والئے بنارس کے ساتھ سلوک اور بیگمات اودھ کی بربادی ایسے ہیں، جن کو خارج از بحث کرنا ناممکن ہے۔ اس قسم کے مباحثوں میں سیاسی معلمان اخلاق کے لئے کوئی دلچسپی ہو تو ہو لیکن تاریخی

نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت بہت کم ہے۔ البتہ یہ واقعات آج کل کے زمانے میں خاص طور پر یوں قیمتی ہیں کہ اِن کے ذریعہ اُس طریق عمل کی وضاحت کی جاسکتی ہے، جس کے باعث ہندوستان میں تدریجی طور پر طاقت حاصل کی گئی۔ گئے گزرے زمانے کے یہ صرف ضمنی قصے ہی نہیں بلکہ ان کی وجہ سے آج بھی ہندوستان کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔ چیت سنگھ کے خلاف ہسٹینگز کے ظالمانہ رویہ کی مثال آج کل بھی تھوڑے بہت پیمانہ پر افسرانِ ضلع دُہراتے ہیں۔ بیگماتِ اودھ کے بخیل خواجہ سراؤں سے جو روپیہ جبراً بٹورا گیا اُس کی موجودہ مثال گذشتہ دو جنگوں کے زمانہ میں اُن چندوں سے دی جاسکتی ہے جو لوگوں سے وصول کیا گیا۔ اِسی طرح نند کمار کا واقعہ جس کو ہسٹینگز پر الزام لگانے کی پاداش میں روز بد دیکھنا پڑا۔ اپنی مثال موجودہ زمانے میں بھی پیش کرسکتا ہے، آج بھی ہندوستان میں ایسے با اختیار حکام موجود ہیں جو اپنے مخالفین اور دشمنوں کا سر کچلنے کے لئے ایسے حربے استعمال کرتے ہیں جو بظاہر قضا و قدر کا نتیجہ خیال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی کارروائیاں اُن کے دوستوں کی زمین دوز سازشوں کا نتیجہ ہوتی ہیں +

باب دوم

پیدائش اور تعلیم

کسی بڑے آدمی کے قریبی بزرگوں کے حالات معلوم کرنے سے
عام طور پر یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اُس کے خاندان میں وہ فطری ذہانت
کہاں تک موجود تھی۔ جس کی وجہ سے وہ عام لوگوں میں ممتاز و سرفراز ہوا۔
لیکن ہسٹینگز کے متعلق یہ نظریہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ اُس کے ماں باپ
اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے حالات کی جانچ سے کہیں بھی یہ پتہ نہیں
چلتا کہ اُس کو دل و دماغ کی یہ حیرت انگیز خوبیاں کہاں سے حاصل ہوئیں۔
ہسٹینگز ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کے افراد کسی زمانے
میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ لیکن ملکی جنگوں میں بادشاہ وقت
کی وفاداری کے باعث سب کچھ برباد ہو گیا۔ ۱۷۱۵ء میں ڈیلز فورڈ والا خاندانی
مکان بھی بک گیا اور ہسٹینگز کا دادا جو پادری بن گیا تھا اپنے کنبہ سمیت
پاس کے گاؤں چرچل نامی میں آ کر ایک چھوٹے سے گھر میں آباد ہو گیا۔

یہاں ۱۷۳۲ء میں ہسٹینگز پیدا ہوا۔ اُس کی پیدائش کے چند روز بعد اُس کی والدہ جس کا نام ہسٹر وارن تھا اور جو گلوسٹر شایر کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی فوت ہو گئی۔ ہسٹینگز اپنی ماں کا دوسرا بچہ تھا۔ پہلی ایک لڑکی تھی۔ جس کا نام اپنی ماں کے نام کے مطابق وارن ہی تھا۔ اُس کے باپ پینسٹن ہسٹینگز نے جو اپنے باپ کی طرح پادری ہی بنا، اپنی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لی اور جزائر باربوڈا اس میں چلا گیا۔ جہاں وہ کوائسٹ چرچ کا بڑا پادری بن گیا اور کوئی دس سال بعد فوت ہو گیا۔

اب وارن ہسٹینگز بالکل یتیم رہ گیا۔ چرچل گاؤں ہی میں اُس کے دادا نے اُس کی تعلیم و تربیت کی فکر کی۔ وہ اپنے دادا سے اپنے خاندان کی گذشتہ عظمت و ثروت کی کہانیاں سُنا کرتا تھا۔ ان باتوں کا اُس کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ وہ خود اپنے بچپن کے خواب یاد کیا کرتا تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ ڈیلز فورڈ کے خاندانی مکان کو واپس حاصل کر کے اُس میں آباد ہو گا وہ خود لکھتا ہے کہ "ایک روز گرمیوں کے موسم میں دھوپ خوب کھِل رہی تھی۔ اور میں ایک چشمے کے نزدیک بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس وقت میری عمر سات سال سے بھی کم ہو گی۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے سب سے پہلے ڈیلز فورڈ کے عالیشان مکان کے خرید لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حالانکہ اُس وقت میرے سرپرستوں کی حالت اتنی پتلی تھی کہ بسر اوقات بھی مشکل سے ہوتی تھی۔ بہر حال یہ ایک بچپن کا خواب تھا اور کوئی غیر معقول خواہش بھی نہ تھی۔ اس لئے بعد میں بھی یہ خیال میرے دل میں تازہ رہا۔"

ہسٹینگز کے دادا نے اُسے گاؤں کے مدرسہ میں بھیج دیا۔ لیکن جب وہ آٹھ برس کا ہُوا تو اُس کے ایک چچا ہاورڈ ہسٹینگز نے جو محکمہ محصولات میں ملازم تھا اور کچھ خوش حال بھی تھا اُس کی آئندہ تعلیم و تربیّت کا ذمّہ اُٹھایا۔ شاید اُسے یہ احساس ہُوا ہو کہ وارن ایک ذہین اور ہوشیار لڑکا ہے اور اچھی تعلیم دلانے سے اُسے فائدہ ہو گا۔ چنانچہ وہ اسے لندن لے آیا۔ اور اُسے نیوئنگٹن کے ایک مدرسے میں بھیج دیا۔ اِس مدرسے میں تعلیم تو بہت اچھی تھی لیکن خوراک بے حد خراب ملتی تھی۔ بعض وقت وہ اپنی جسمانی کمزوری اور پست قد ہونے کے متعلق غالباً اپنی غلط فہمی کی بنا پر یہی کہا کرتا تھا کہ ایّام طفولیت میں کافی غذا نہ ملنے کے باعث وہ جسمانی لحاظ سے کمزور رہا۔ خیر دو سال کی صبر آزما زندگی بسر کر چکنے کے بعد اُسے ویسٹ منسٹر کے بڑے مدرسے میں بھیج دیا گیا جو اُس زمانے میں مشہور مدرسہ ایٹن کی طرح ایک بہت بڑا مدرسہ مانا جاتا تھا۔

اٹھارھویں صدی کی تعلیم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یونانی و لاطینی ادبیات میں پوری مہارت حاصل کی جائے۔ دوسرے مضامین شاذ و نادر ہی پڑھائے جاتے تھے۔ علم ادب کی تعلیم کے ذریعہ یہ توقع کی جاتی تھی کہ لڑکا اعلیٰ اخلاق اور کشادہ دلی کا حامل ہو اور بُرائی کے مقابلہ میں نیکی قبول کرنے کی اہلیت پیدا کرے۔ ایک دفعہ لارڈ چیتھم نے کہا تھا کہ ہومر اور ورجل صرف دو جلیل القدر شاعر ہی نہیں بلکہ اُن کے کلام میں ایسے مفید اسباق موجود ہیں۔ جن سے اس عمر میں تمہارے دلوں میں پاسِ عزّت۔ شجاعت۔

بے غرضی۔ صداقت شعاری۔ حلم و بردباری۔ شریفانہ برتاؤ۔ انسانیت یا ایک جامع لفظ میں خالص نیکی کے جذبات پیدا ہوں۔ اس قسم کی تعلیم سے جو ہسٹینگز نے ویسٹ منسٹر میں حاصل کی۔ واقعی اُس کے دل پر گہرا اثر ہُوا اُس کے لیئے اس قسم کی تعلیم حاصل کرنا اور اُسے پسند کرنا ہی کافی وقعت رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک غریب یتیم بچہ جو ایک مفلوک الحال پادری کی توجہ سے پلا، اور سترہ برس کی عمر ہی میں کمپنی کے دفتر میں بیلور کلرک ہو کر ہندوستان کو بھیج دیا گیا۔ اپنے ساتھ ایک شائستہ اور روشن دل و دماغ بھی لیتا گیا۔ اور جب اس کمپنی کو دُور دراز ملک میں حکومت قائم کرنے کا موقع ملا تو اُسے اپنے ہی عملہ میں سے ایک ایسا شخص مل گیا۔ جو ذی علم ہونے کے علاوہ ماہر سیاست بھی تھا۔ محض سوداگر یا من چلا قسمت آزمانہ تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے بنیاد حکومت کو عزم صمیم اور بلند ہمتی کے جذبات سے استوار کیا۔ اور قدیم ترین علم ادب کی بخشی ہوئی دانائی سے اُسے زیادہ مستحکم کیا۔

ہسٹینگز ایک اچھا طالب علم اور ڈاکٹر نکلز ہیڈ ماسٹر کا محبوب شاگرد تھا۔ جب وہ صرف چودہ برس کا تھا وہ امتحان میں اوّل آیا۔ اور اُسے شاہی وظیفہ ملا۔ اُس کی عمر بھر کا دوست علیجاہ امپے اس امتحان میں چوتھے درجے پر آیا۔

ویسٹ منسٹر کے مدرسہ میں اُس کا ایک ہمعصر مشہور و معروف شاعر کوپر تھا جس نے اُس کے "کیرکٹر" کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا ہے یعنی چالیس سال بعد جس وقت ہسٹینگز پر مقدمہ چلایا گیا۔ کوپر نے کہا کہ مدرسہ میں وہ

ایسا نیک فطرت انسان تھا کہ اُس کے متعلق گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے اس قسم کے مظالم توڑے ہوں۔ جن کا اُس پر الزام لگایا گیا ہے۔ گو اُس کی نیکی کی عادت اُس کی سیاسی زندگی کی اُلجھنوں میں پھنس کر رہ گئی۔ لیکن اصل میں یہی نیکی تھی جس کی وجہ سے اُسے گورنر جنرل کی حیثیت میں شہرت حاصل ہوئی۔ اُس کی خوش خلقی اور ہردلعزیزی کی صفات کلیورنگ اور اسی قسم کے دوسرے انگریزوں کے مخصوص متکبرانہ انداز کے مقابلہ میں ایسی نمایاں تھیں کہ اُسے باشندگان بنگال بے حد پسند کرتے تھے۔

جب ہسٹینگز پندرہ برس کا ہوا۔ ویسٹ منسٹر کے مدرسہ میں اُس کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اچانک ختم ہو گیا۔ ہسٹینگز کا چچا فوت ہو گیا۔ اور مرتے وقت اُسے اپنے ایک دوست مسٹر کریسوک کے سپرد کر گیا۔ مسٹر کریسوک کا ایسٹ انڈیا کمپنی میں اچھا خاصہ رسوخ تھا اور بعد میں وہ اس کمپنی کے ڈائرکٹر بھی بنے۔ اُنہوں نے ہسٹینگز کو کمپنی کی سرکار میں محرر کے طور پر بھرتی کرا دیا۔ ہسٹینگز کے انگلستان میں کوئی خاص تعلقات نہ تھے اور نہ ہی بسر اوقات کی کوئی صورت تھی۔ کمپنی کی ملازمت سے اُس کا یہ فکر دُور ہو گیا اور اُسے آئندہ زندگی میں ترقی کرنے کا موقع بھی حاصل تھا۔ اس لئے مسٹر کریسوک نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ ویسٹ منسٹر کو خیرباد کہہ کر اس موقع سے فائدہ اُٹھائے۔ ڈاکٹر نکلز نے اپنے بہترین شاگرد کو چھوڑنے پر بہتیرا واویلا کیا۔ بلکہ اُس کی تکمیل تعلیم تک کا خرچ بھی اپنے ذمہ لینے کی آمادگی ظاہر کی، لیکن بے سُود۔ اگر ہیڈ ماسٹر صاحب کی یہ پیش کش قبول کر لی جاتی تو ہسٹینگز کرائسٹ کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر

بہت بڑا عالم اور لاٹ پادری بنتا۔ لیکن یہ سب باتیں ممکنات سے تھیں۔
مسٹر کریسوک نے صحیح فیصلہ کیا۔ اور اُسے ویسٹ منسٹر سے نکال کر محرّر
بھرتی کرادیا۔ چند ماہ تو ہسٹینگز نے ایک مقامی درس گاہ میں گزرے جہاں
اُس نے حساب کتاب اور بہی کھاتہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد
جنوری سنہ ۱۷۵۰ء میں جب وہ صرف سترہ برس کی عمر کا تھا کلکتہ کو روانہ ہوا۔

باب سوم

ایسٹ انڈیا کمپنی کی محرّری

جس زمانے میں ہسٹینگز ہندوستان میں پہنچا سلطنت مغلیہ کی عظیم الشان سلطنت جس کی شان و شوکت کو دیکھ کر اُس سے پہلے آنے والے یورپین باشندوں کی آنکھیں چُندھیا جاتی تھیں معرض زوال میں آچکی تھی۔ اورنگ زیب اس خاندان کا آخری باہیبت بادشاہ تھا۔ اُس نے گو اپنی سلطنت کی حدود ملک کے آخری کونوں تک وسیع کر لی تھیں لیکن ملک کی مجموعی طاقت اور ترقی متزلزل ہو چکی تھی۔ بالخصوص اُس کی آخری عمر میں جو لڑائی مرہٹوں کے خلاف ہوئی۔ اُس میں گو سلطنت کے تمام وسائل برباد ہو گئے۔ لیکن مرہٹے پورے طور پر مغلوب نہ ہو سکے۔ اورنگ زیب ۱۷۰۷ء میں ۸۹ برس کی عمر پا کر شبہ اور فکر کی حالت میں انتقال کر گیا۔ وہ اپنے ایک الوداعی رقعہ میں اپنے بیٹے کو لکھتا ہے کہ میری طرح تمام سپاہی معذور، حیران اور متفکّر ہیں۔ میں اپنے ساتھ کچھ لے کر نہیں آیا تھا۔ لیکن اب گناہوں کا بوجھ لئے جاتا ہوں۔ خدا معلوم مجھے کیا سزا ملے گی۔ گو مجھے خدا کے فضل و کرم پر

کافی بھروسہ ہے لیکن اپنے اعمال کے متعلق فکر ضرور ہے": اُسے اپنی عاقبت کا خوف ضرور تھا۔ کیونکہ پچاس برس پہلے اُس نے اپنے باپ کو قید کر کے اپنے دو بھائیوں کو قتل کرادیا تھا۔ اس جرم کا خمیازہ خواہ عقبیٰ میں نہ ہی بھگتنا پڑے۔ مگر اس دُنیا میں تو یہ ایک نہایت ہی قبیح مثال ہے اُس کے مرتے ہی اُس کے بیٹوں کے درمیان خوفناک قسم کی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور اس کے چند سال بعد اُس کے پوتوں میں بھی اسی قسم کے فساد شروع ہوگئے۔ ان کی آپس کی خانہ جنگیوں اور کُشت وخون کے باعث خاندان بھر میں کوئی ایسا قابل فرد نہ نکلا۔ جو اپنی قابلیت سے ممالک محروسہ کی شیرازہ بندی کو بخوبی سنبھال سکتا۔ نام نہاد بادشاہ یکے بعد دیگر شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دُور دراز صوبوں کے حاکم دہلی کی حکومت کے احکام کی بہت کم پروا کرتے، اور رفتہ رفتہ خود مختار بن بیٹھے۔ مرہٹوں کو وسط ہندوستان میں کُھلی چھُٹی مل گئی۔ اور وہ گجرات۔ مالوہ۔ بہار وغیرہ کا علاقہ دبا بیٹھے۔ اس کے بعد ۱۷۳۹ء میں تو شاہ دہلی کی بے بسی اور کمزوری بالکل عریاں ہوکر رہ گئی۔ جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ دہلی میں قتل و غارت کا بازار گرم ہُوا، اور وہ یہاں کے شاہی خزانے لوٹ کر لے گیا۔

اگرچہ سلطنت کی بنیادیں پورے طور پر کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ لیکن اُس کی ظاہری شان وشوکت بدستور قائم تھی۔ بدنظمی عام نہ تھی۔ اس وقت بھی بعض بڑے بڑے صوبے ایسے تھے جو یورپ کے بعض ملکوں سے زیادہ وسیع۔ آباد اور خوش حال تھے۔ ان صوبوں میں مسلمان حاکم مغلیہ طرز پر حکومت کا کام بڑی

قابلیت سے چلاتے رہے، اور عام طور پر وہاں امن اور خوش حالی قائم رہی۔ یہی حالت بنگال کی تھی۔ ایک حاکم اعلیٰ یا صوبہ دار جسے نواب بنگال کہتے تھے اس صوبہ کا حاکم تھا۔ محض رسمی طور پر وہ شہنشاہِ ہند کا ملازم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مرکزی حکومت کا کوئی خاص ضبط اُس پر نہ رہا تھا۔ اُس کے ماتحت بہار و اوڑیسہ میں دو نائب حاکم حکومت کیا کرتے تھے جس زمانے میں ہسٹینگز کلکتہ میں وارد ہوا، اُس وقت نواب علی وردی خاں بنگال کا نواب تھا۔ اور وہ دس سال سے یہاں حکومت کر رہا تھا۔ اس وقت مرہٹہ فوجیں کئی بار مغربی علاقوں میں فساد برپا کر چکی تھیں۔ اور ایک دفعہ تو خود کلکتہ بھی خطرے میں پڑ گیا۔ مگر نواب بنگال نے کچھ تو فوجی دباؤ سے اور کچھ دے دلا کر صوبہ بنگال کو اُن کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ یہاں امن و خوشحالی کا دَور دَورہ رہا۔

کمپنی کے ملازمین نواب کے اختیارات و ہیبت سے مرعوب ہو کر ہمیشہ ادب اور عجز و نیاز سے پیش آتے۔ کیونکہ اُس کی طاقت کے مقابلہ میں ان کی ہستی پرِ کاہ سے زیادہ نہ تھی۔ خط و کتابت میں وہ ہمیشہ آداب و قواعد کو ملحوظ رکھتے۔ کیونکہ اُنہیں خوب معلوم تھا کہ اُن کی تجارتی کامیابی محض نواب صاحب کی خوشنودی پر منحصر ہے۔ انگریزوں کے طرزِ عمل کے متعلق ہسٹینگز خود لکھتا ہے کہ "اُن کا رویہ نہایت غلامانہ اور ذلیل تھا۔ اور وہ حکومتِ وقت سے خائف رہتے تھے۔ اُنہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شہنشاہ دہلی کا نائب السلطنت اور ایک وسیع صوبہ کا فرمانروا ایک بے حقیقت شخصیت ہے

اور اسکی مفروضہ طاقت و عظمت کو پاش پاش کر دینا معمولی سی بات ہے۔
جنوبی ہندوستان میں بھی صورتِ حالات کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ یہاں بھی نواب کرناٹک کی حکومت قائم تھی جو بظاہر شہنشاہِ دہلی کی جانب سے حکومت کرتا تھا۔ یہاں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی دو بستیوں یعنی قلعہ سینٹ جارج مدراس اور قلعہ سینٹ ڈیوڈ کی بدولت نواب کرناٹک کو خراج عقیدت پیش کیا کرتی تھی۔ بہر حال یہ نواب بنگال کے نواب کے مقابلہ میں کم اہمیت رکھتا تھا۔ اُس کا علاقۂ حکومت بھی بہت کم تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ صوبیدار دکن کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ جس کا اقتدار دریائے نربدا کے جنوبی علاقہ تک حاوی تھا۔ ۱۷۲۴ء سے ۱۷۴۸ء تک اس علاقہ کا صوبہ دار نواب آصف جاہ رہا جو مغلیہ حکومت کا قابل ترین افسر تھا۔ اس صوبہ دار کا خطاب نظام الملک تھا۔ اور اسی شخص کی اولاد اب تک اس صوبہ میں حکومت کرتی ہے۔ نظام الملک نہ تو کوئی خراج ادا کرتا تھا اور نہ ہی مرکزی حکومت کے اختیارات کی اُسے پروا تھی۔ اُس کی حکومت کا اصلی مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنے علاقہ کو مرہٹوں سے پاک و صاف رکھے۔ اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے وہ اس بات میں بھی تامل نہ کرتا تھا کہ مرہٹوں کو صوبہ مالوہ اور گجرات کے شاہی علاقوں کی طرف ہی متوجہ رکھے۔ اس طریقہ سے وہ اپنی مملکت اور علاقہ زیرِ اقتدار میں امن قائم رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور کسی قسم کی بدنظمی نہ ہونے پائی۔ جب تک وہ زندہ رہا اس علاقہ میں ارباب اختیار کو کسی قسم کی دقت پیش نہ آئی۔ سلطنت کے استحکام میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔

آصف جاہ اور علی ویردی خاں جیسے حاکموں نے سلطنتِ مغلیہ کی سطوت و عظمت کو اپنی قابلیت سے برقرار رکھا اور اُس کی اندرونی کمزوریوں اور نازک حالت کو بخوبی چھپائے رکھا۔ جب ہسٹینگز نے اس سرزمین پر قدم رکھا، اُس وقت سلطنتِ مغلیہ کے اندرونی زوال کا راز اُس کے ہمعصروں کو بھی معلوم نہ تھا۔ عام ملازمین کمپنی کا تو کیا ذکر یہ لوگ علی ویردی خاں کے سایہ میں امن اور خوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس عظیم الشان سلطنت کی ساری تعمیر گڑگڑا کر گرنے والی ہے۔ اور اس پر ایسی تباہی آنے والی ہے جو ہر حصّہ ملک میں ناقابلِ تلافی ہو۔ یہ بات تو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ اس کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی حکمران ہو جائے گی۔

انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی اس وقت تک دوسری یورپین کاروباری کمپنیوں سے ہندوستان کی تجارت کے متعلق گو نہ سبقت حاصل کر چکی تھی اور ولندیزی تاجروں کے مقابلہ میں جو انگریزوں سے بہت پہلے یہاں آئے تھے تو اس کمپنی کا کاروبار کہیں زیادہ ترقّی پا چکا تھا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے اپنی توجہ زیادہ تر جزائر ملایا کی طرف منتقل کر دی۔ اب انگریزوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک قوم صرف فرانسیسی ہی تھی جو بلاشُبہ بعد میں آئے۔ لیکن اُنہوں نے بھی چندرنگر۔ پانڈی چری اور ماہے میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کر لیں۔ انگریزوں کے عام کاروباری مرکز بمبئی۔ کلکتہ اور مدراس ہی میں تھے۔ ہر ایک مرکز میں علیحدہ علیحدہ ایک گورنر مقرر تھا جو خود مختارانہ

حیثیت رکھتا تھا۔ اور براہ راست کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے ذمہ دار تھا۔ مدراس کمپنی کے سب سے پرانے مقبوضات میں سے تھا، جو ایک ہندو راجہ سے کمپنی نے ۱۶۳۹ء میں حاصل کیا تھا۔ اس راجہ نے کمپنی کو یہاں قلعہ بنانے کی اجازت دے دی تھی۔ اور اس علاقہ کا ایک مخصوص کرایہ مقرر ہوگیا تھا۔ اس انتظام کی توثیق بعد میں مغلیہ حکومت نے بھی کردی تھی۔ بمبئی کا علاقہ انگریزی تاج کے قبضہ میں یوں آیا کہ یہ شہر ملکہ کیتھرائن کے جہیز میں ملا تھا۔ اور کسی ہندوستانی راجہ یا بادشاہ کا اس جائداد سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ ہی اس علاقہ میں اُن کا کوئی دخل یا اختیار تھا ۱۶۶۸ء سے تاج کی جانب سے کمپنی اس کا انتظام و انصرام کرتی تھی۔ اور اس کے بدلے صرف دس پونڈ سالانہ کرایہ انگریزی حکومت کو ادا کیا کرتی تھی۔ سترھویں صدی کے وسط میں کمپنی نے کچھ تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ لیکن اس واقعہ کے کوئی پچاس سال بعد کمپنی اس قابل ہوئی کہ اس نے نواب بنگال سے کچھ گاؤں خریدے۔ جہاں فورٹ ولیم اور کلکتہ کا شہر آباد ہوا۔ زمیندار کی حیثیت سے کمپنی مروجہ حکومت کے دستور کے مطابق عدل و انصاف اور عام انتظام کے فرائض کی ادائیگی کی بھی ذمہ دار تھی۔ اس کے علاوہ شاہِ انگلستان کے فرمان کے مطابق جو وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے۔ انگریزوں کے رویہ پر کمپنی کو پورا ضبط و اختیار حاصل تھا۔ ان احکام کے ماتحت کمپنی کو اپنا سکّہ جاری کرنے۔ مسلح فوج اور جنگی جہاز رکھنے کا اختیار بھی حاصل تھا۔

اس طرح کمپنی کے تمام علاقوں میں گورنر اور کونسل کو کمپنی کے تجارتی کاروبار کے اِنتظام و انصرام کے علاوہ عام نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے بھی بے شمار فرائض ادا کرنا پڑتے تھے۔ اور یہ کام روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ کیونکہ ہندوستانی تاجر بڑھتی ہوئی تعداد میں اُن علاقوں میں آباد ہونا شروع ہو گئے۔ جن کی حفاظت و صیانت کمپنی کے ذمّہ تھی۔ اب بڑے بڑے عہدوں کو پُر کرنے کے لئے عام تجارتی واقفیت اور تجربہ کے علاوہ زیادہ قابلیت والے آدمیوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ڈائرکٹروں کی رائے میں اب یہ ضروری تھا کہ کمپنی کا کاروبار سنبھالنے کے لئے کوئی ایسا آدمی ہو جو تجارتی اہلیت رکھنے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہر فن مولا شخص ہو۔ یعنی ایک ایسا مدبّر ہو جو ایک قابل تاجر ہونے کے علاوہ ماہرِ سیاست بھی ہو۔ اس رائے کی صحت بہت جلد ہی ایسے طریق سے ثابت ہونے والی تھی۔ جس کا وہم و گمان بھی کمپنی کو نہ ہو سکتا تھا۔ بدقسمتی سے کمپنی کے ملازمین میں سے ایسی ہمہ گیر صفات والا شخص آسانی سے دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔

اوّل اوّل ہسٹینگز کو نظامِ حکومت کے کاموں سے کوئی سروکار نہ تھا اس کے فرائض یہی تھے کہ وہ حساب کتاب باقاعدہ رکھے اور جو مال دوکانوں سے بیروں جات کو جانے والا ہو، اُس کی نگرانی کرے۔ یہ تجارتی مال مختلف قسم کا ہوتا تھا۔ قاسم بازار کے ریشمیں کپڑے۔ ڈھاکہ کی ململیں اور باریک کپڑے۔ پٹنہ کا قلمی شورہ وغیرہ۔ ان چیزوں کے لئے کمپنی نے ہر جگہ کارخانے

قائم کر رکھے تھے۔ اس مال کے بدلے انگلستان سے اُونی کپڑے۔ لٹھا۔ لوہا دھاتیں اور بندوقیں وغیرہ آتی تھیں۔ بنگال کی تجارت روز افزوں ترقی کرتی چلی جاتی تھی۔ لیکن یہ ساری تجارت حکومت مغلیہ کے ایک اشارہ پر قطعاً بند ہوسکتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ کمپنی کے کارخانے کسی ساحلی مقام پر واقع نہ تھے بلکہ ملک کے دُور دراز حصوں میں تھے۔ اور تمام مال کو ساحل تک پہنچنے کے لئے بڑے بڑے شہروں کی مقرر کردہ چونگیوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان چونگیوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اور چونگی کی کسی چوکی پر یہ مال بآسانی روکا جاسکتا تھا۔ کمپنی نے بارہاسر توڑ کوشش کی کہ کسی طرح اس چونگی کے محصول سے عام معافی ہوجائے۔ اُنہوں نے کئی بار حکومت وقت میں تحریک بھی کی کہ کسی مقررہ رقم کے عوض عام معافی دے دی جائے۔ اس قسم کا سب سے پہلا فرمان ۱۷۱۵ء میں شہنشاہ فرخ سیر سے جان سرمن نامی سفیر نے دربار مغلیہ میں متواتر دو سال تک ایڑیاں رگڑنے کے بعد حاصل کیا۔ اس فرمان کی شرائط کچھ مبہم سی تھیں اور حاکم بنگال پر شاہ دہلی کا اقتدار و اختیار بھی کچھ غیر یقینی سا ہی تھا۔ نوابان بنگال پہلے ہی سے کمپنی اور اُس کے عمال کے نجی تجارتی مال کی نقل و حرکت کی اجازت بلا ادائیگی محصول دے دیا کرتے تھے۔ اور نواب علی وردی خاں کے زمانے میں کسی قسم کی کوئی دقت یا رکاوٹ پیش نہ آتی تھی۔

اِس زمانے میں ہمیں ہسٹینگز کا کوئی حال معلوم نہیں کہ کلکتہ میں اُس کی زندگی کیسے گزرتی تھی۔ مختصر یہ کہ گو اُس کے منصبی فرائض کچھ ایسے دلچسپ

نہ تھے، لیکن وہ فرائض تکلیف دہ نہ تھے۔ اور وہ دوسرے ملازمین کی طرح اپنا وقت زیادہ تر اپنی نجی تجارت کو فروغ دینے میں صرف کیا کرتا تھا۔ پہلے پہل تو اس قسم کی تجارت کو ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسکی عام اجازت ہوگئی اور کمپنی نے ملازمین کے اس حق کو جائز تسلیم کرلیا۔ کیونکہ اس طریق سے یہ لوگ اپنی مالی حالت کو بہتر بنا سکتے تھے۔ اُن کی اپنی تنخواہیں نہایت قلیل اور مضحکہ خیز ہوتی تھیں۔ ہسٹینگز کو محرری کے زمانے میں صرف پانچ پونڈ سالانہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اور گورنر صاحب فورٹ ولیم بھی صرف دو سو پونڈ سالانہ کے نوکر تھے۔ گو دیگر الاؤنس اور مواجبات وغیرہ مل ملاکر ایک معقول رقم بن جاتی تھی۔ لیکن برسوں کی جلاوطنی اور خراب آب وہوا میں زندگی گزارنے کے مقابلہ میں یہ رقم کوئی عمدہ معاوضہ نہ سمجھی جاتی تھی۔ تاوقتیکہ تجارت کی بالائی آمدنی سے اس میں اضافہ نہ ہو۔ کفایت شعاری کے گذارے سے ایک آدمی کے لئے اگر وہ بحری سفر اور آب وہوا کی سختی برداشت کرنے کے بعد زندہ رہے یہ ممکن تھا۔ کہ وہ پندرہ برس کے بعد اچھی خاصی دولت پیدا کرکے وطن واپس جا سکے۔ یورپ سے براہ راست تجارت کرنا منع تھا۔ کیونکہ اس سے کمپنی کی واحد اجارہ داری پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ لیکن کمپنی کے ملازم ایک بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ تک کھلی تجارت کیا کرتے تھے۔ مثلاً کلکتہ سے مدراس تک۔ اس کے علاوہ، وہ اپنا مال مشرق بعید کے ملکوں میں بھی بھیجا کرتے تھے۔

کلکتہ میں تین سال ملازمت کرنے کے بعد ہسٹیگنز کو قاسم بازار کے کارخانے میں بھیج دیا گیا۔ جہاں ایک نہایت ہی قابل شخص واٹس نامی مہتمم تھا۔ قاسم بازار ایک بارونق تجارتی مرکز تھا جو مرشد آباد نواب کی جائے رہائش سے صرف دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ مرشد آباد بنگال کا دارالخلافہ تھا۔ یہاں بالکل تنہائی کا عالم تھا اور بسر اوقات کے لئے اُسے عام طور پر مقامی لوگوں سے میل جول پیدا کرنا پڑا۔ وہ خود ایک جگہ لکھتا ہے کہ" ایک نہایت ہی گھٹیا مقام پر ہندوستانیوں کے ساتھ رہنا پڑا"۔ غالباً یہی جگہ تھی جہاں اُس کو عام لوگوں سے ملنے اور اُن کی عادت اور رسم و رواج کے مطالعہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے اُسے اُن کا ادب و احترام کرنے کی عادت ہوئی۔ وہ اپنے ہمعصروں میں زیادہ معزز اور ممتاز ہو گیا۔ جیسا کہ ویسٹ منسٹر کے طالب علم سے توقع کی جا سکتی تھی۔ اُس نے ملک کی زبان سیکھنا شروع کی۔ وہ بنگالی بالکل آسانی کے ساتھ بولنے لگا۔ اُردو میں بھی خاصی مہارت پیدا کر لی۔ اور اسلامی حکومت کی عدالتی زبان فارسی میں بھی اچھا خاصہ درک پیدا کر لیا۔ وہ خود کہتا ہے کہ" فارسی زبان کا گہرا مطالعہ مَیں نے نہیں کیا"۔

جب ہسٹینگز اپنے بے لطف فرائض کی ادائیگی میں بنگال کے ایک کونے میں مصروف تھا۔ اُسی زمانے میں کرناٹک میں کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے سارے ہندوستان میں ایک سیاسی انقلاب رونما ہونے والا تھا۔ ۱۷۴۶ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں کے

درمیان یورپ میں جنگ ہو رہی تھی۔ اُس وقت مدراس اور پانڈی چری کے انگریز اور فرانسیسی آباد کاروں کے درمیان بھی لڑائی چھڑ گئی۔ انور الدین نواب کرناٹک نے ان علاقوں میں جنگ روکنے کے لئے دخل دیا۔ اُس نے فرانسیسیوں کو حکم دیا کہ وہ مدراس پر حملہ نہ کریں۔ لیکن جب اُنھوں نے اصرار کرکے مدراس پر قبضہ کرلیا تو اس نے اپنا لشکر اُن کے وہاں سے نکال دینے کے لئے بھیجا۔ فرانسیسیوں کی فوج نے نواب کی فوج کو ایسی آسانی سے تتر بتر کردیا کہ وہ زیادہ محتاط ہوگیا۔ فرانسیسیوں نے اُسے تحائف وغیرہ بھیجے اور یہ اجازت مانگی کہ وہ پانڈی چری کے قلعہ پر ایک ہفتہ کے لئے نواب کا جھنڈا لہرائیں۔ نواب یہی غنیمت جان کر کہ اُس کی عزّت اور وقار قائم رہا لڑائی سے الگ ہوگیا۔ اس کے بعد فرانس میں معاہدۂ ایکس لا شپیل کی بنا پر لڑائی ختم ہوگئی اور مدراس انگریزوں کو واپس دے دیا گیا۔

لڑائی کا یہ نتیجہ پانڈی چری کے گورنر ڈوپلے کو پسند نہ آیا۔ کیونکہ وہ انگریزوں کو کرناٹک کے علاقہ سے بالکل نکال دینے پر مُصر تھا۔ اب اُس نے انگریزوں کی ایذا رسانی کی نئی ترکیبیں نکالیں۔ حال کے واقعات گو اپنی اہمیت میں نہایت ہی معمولی تھے۔ لیکن ان سے انور الدین کے ڈھول کا پول کھل گیا۔ ۱۷۴۸ء میں صوبہ دار دکن آصف جاہ جو انور الدین کا معاون اور اس کا سردار تھا انتقال کرگیا۔ اُس کی جانشینی کے متعلق جھگڑے پیدا ہوگئے۔ ڈوپلے کو منہ مانگی مراد ہاتھ لگی۔ اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا

کہ انورالدین کو اپنے مٹھی بھر فرانسیسیوں کی مدد سے الگ کر دے اور اُسکی جگہ ایک ایسے نواب کو گدی پر بٹھائے جو ہر لحاظ سے صرف فرانسیسیوں ہی کا ممد و معاون ہو۔

پہلا نواب جو مرہٹوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا اُس کا ایک رشتہ دار چندا صاحب نامی موجود تھا۔ اور وہ اس کام کے لئے موزوں تھا۔ چنانچہ ڈوپلے کی یہ تجویز نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ مٹھی بھر فرانسیسیوں کی مدد کے ساتھ چندا صاحب نے انورالدین کو شکست دیکر مار ڈالا اور خود نواب بن بیٹھا۔ ڈوپلے اور اُس کے فرانسیسی افسروں کو اُس نے انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور فرانسیسی کمپنی کو کافی زمین بھی عطا کی۔

ڈوپلے کی کامیابی یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ دکن کی صوبہ داری کے نہایت ہی اہم عہدہ کے لئے بھی اُس نے اپنا آدمی نامزد کرا لیا۔ ڈوپلے نے آصف جاہ کے پوتے کی حمایت کی اور فرانسیسی فوج کی مدد اور ایک منظم سازش کے ماتحت اُس نے اُس کے حریف کو مروا ڈالا اور اُس کے لشکر کو منتشر کرا دیا۔ آصف جاہ کے پوتے نے بھی بدستور سابق ڈوپلے کو قیمتی تحائف دیئے اور اُس نے بوسے نامی ایک فوجی افسر کے ہمراہ ایک فوج دے کر شہزادہ کو حیدرآباد بھیج دیا، تاکہ وہاں کا انتظام وغیرہ سنبھالے۔

اب ڈوپلے کا ستارہ عروج پر تھا۔ ہندوستان کے دو با اختیار حاکم اُسکی کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ اُسے ایک نیا طریق کار سمجھ میں آ گیا

جس کی مدد سے یورپ کے مٹھی بھر تاجر بیش بہا فائدے کے ساتھ ہندوستان کے بڑے بڑے صوبوں کے حاکموں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ اِسی طریقِ کار کی تقلید دوسری جگہ بھی ہونے والی تھی۔ اور یہی راز آئندہ کے واقعات کی اہمیت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسی واقعہ کی وجہ سے انگریزی کمپنی نے بالواسطہ پیش بینی حاصل کرتے ہوئے بنگال میں پورا اقتدار حاصل کر لیا۔

ڈوپلے کی کامیابی کسی فوری معلومات پر مبنی نہ تھی کہ یورپ کے مٹھی بھر جوان ہندوستان بھر کے لشکر کو شکست دے سکتے ہیں۔ یورپ کے فنونِ جنگ کی فوقیت عرصہ سے معلوم تھی۔ انورالدین کی ہزیمت محض یاد دہانی ثابت ہوئی۔ لیکن اب تک یورپین تاجر جو اپنے وطن سے بہت دور تھے اور جنہیں بروقت کمک پہنچنے کا بہت کم یقین ہوتا تھا۔ مقامی حاکموں اور صوبہ داروں کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھے۔ کیونکہ اُنہیں خوب معلوم تھا کہ اُن کی پشت پر حکومت مغلیہ کی تمام طاقت موجود ہے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جب تک اِس زبردست مملکت میں تھوڑی سی بھی پیوستگی باقی ہے۔ اُن کا کسی مقامی نواب یا حاکم کی سرتابی کرنا لازمی طور پر کسی ایسے زبردست سردار کے آجانے کا باعث ہوگی جو محض اپنی کثرت تعداد کے زور سے اُن سب کو کمک آنے سے پہلے ہی سمندر میں دھکیل کر رکھ دے۔ ڈوپلے کا یہ خیال تھا کہ مغلیہ طاقت کے مرکز میں خلل پیدا ہونے کے باعث پُرانے حالات قائم نہیں رہے۔ اور مقامی

نوابوں کا دارومدار کسی باقاعدہ نظام کی موجودگی میں اپنے مقامی وسائل اور طاقت پر ہی موقوف ہے۔ اور وہ ہر وقت غدّاری اور سازش کے خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اُس کا خیال تھا کہ یورپین فوجی تفوق اور ہندوستانیوں کی اندرونی ریشہ دوانیوں سے اِس وقت بہترین فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ نوابوں کا بنانا یا بگاڑنا۔ اُن سے روپیہ بٹورنا۔ مراعات کا حاصل کرنا اور اُن کے اندرونی نظم و نسق میں متواتر دخل اندازی کرنا اب بالکل آسان اور ممکن ہے۔

جب ڈوپلے نے پہلے پہل چندا صاحب کی مدد کی اُس وقت غالباً اُس کا یہی خیال تھا کہ وہ اپنی ذات کے لئے پورا فائدہ حاصل کرے۔ اور فرانسیسیوں کے لئے انگریزوں کی نسبت زیادہ فائدہ اور وقار پیدا کرے۔ لیکن جب اُس کی تدبیریں کامیاب ثابت ہوئیں اور جب کرنل بوسے نے نظام کے دربار میں بے پناہ اقتدار حاصل کر لیا تو اُس کے خیالات میں اور بھی کشادگی پیدا ہوئی۔ اُس کو اب یہ بات ممکن نظر آنے لگی کہ ہندوستانی والیانِ ملک پر زیادہ قابو پانے کے بعد اُن کے علاقوں پر خود بادشاہی کرنا آسان ہوگا۔

اِس بات کی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ ڈوپلے کی ساری چالیں کیوں کر ملیا میٹ ہوئیں۔ انگریزوں کو اس مایوس کن ماحول کا مقابلہ کرنا پڑ گیا۔ اور کلائیو کی دلیرانہ رہنمائی کے ماتحت اُنہوں نے وہ تمام وسائل جمع کئے جو چندا صاحب اور فرانسیسیوں کے خلاف کامیابی کے ساتھ استعمال ہوسکتے

تھے۔ اس وقت کرنل بوسے اور اُس کی فوج حیدر آباد میں تھی۔ اس لئے ڈوپلے اپنے آپ کو بہت بُری طرح کمزور پاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چندا صاحب شکست کھا کر مارا گیا اور محمد علی جو انورالدین کا بیٹا تھا۔ اور جس کی حمایت انگریز کر رہے تھے کرناٹک کا نواب بن گیا۔ کلائو فتح حاصل کر کے انگلستان واپس آیا۔ اور ڈوپلے کو بڑی بے عزتی کے ساتھ فرانس میں واپس بلا لیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۷۵۴ء کا ہے۔ ڈوپلے کے شاندار منصوبے اُس کے اپنے مالکوں کے کام تو نہ آئے لیکن انگریزوں کے لئے وہ بہترین نمونے ثابت ہوئے۔

یہ معلوم نہیں کہ آیا ہسٹینگز اور کمپنی کے دیگر ملازمین کو ان واقعات کا صحیح احساس ہُوا یا نہ ، یا اُنھوں نے محض اپنی حریف فرنچ کمپنی کو زک دینے کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ تاہم جہاں تک علی ویردی خاں کا تعلق تھا۔ انہیں اس کی اہمیت کا احساس ضرور تھا۔ کیا انگریز اور کیا فرانسیسی دونوں نے یکے بعد دیگرے تھوڑے ہی عرصہ میں جنوبی ہندوستان کے تین نوابوں کو مار ڈالا۔ اِن دونوں کی نو آبادیاں بنگال میں بھی موجود تھیں۔ اور اُن کو بجا طور پر یہ لالچ ہو سکتا تھا کہ وہ اسی قسم کی شرارتیں یہاں بھی پیدا کریں۔ نواب علی ویردی کو اُس کے چند معتمدین نے یہ صلاح دی کہ وہ سب اہلِ فرنگ کو ملک میں سے نکال دے۔ لیکن نواب بوڑھا ہو چکا تھا۔ اُس نے یہی غنیمت جانا کہ سوتے کُتّے سوتے ہی رہیں۔ سوائے اس کے کہ اُس نے فرانسیسیوں کو ضبطیٔ املاک کی دھمکی دی۔ اُس نے اور کچھ کرنا مناسب نہ جانا۔ ۱۷۵۶ء میں علی ویردی خاں کا انتقال ہو گیا۔

علی ویردی کی وفات کے بعد اُس کا پوتا سراج الدولہ جسے نواب مرحوم نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا تخت نشین ہوا۔ جیسا کہ بعض اوقات بیان کیا جاتا ہے۔ وہ محض ناانصافی اور ظلم کا بھوت نہ تھا۔ لیکن وہ دغاباز اور کمینہ خصلت نوجوان تھا۔ اور اُس میں مستقل مزاجی اور معاملہ فہمی تو نام کو نہ تھی۔ لیکن کرناٹک کے واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ بجا طور پر خائف تھا۔ بالخصوص ایسے حالات میں جب اُس کو اپنی تخت نشینی بھی بالکل محفوظ نظر نہ آتی تھی۔ مسلمان نامہ نگاروں کی اطلاعات یہ تھیں کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے مل کر ملک میں تفریق پیدا کر دی ہے۔ اور وہاں کے نواب محض کٹھ پتلیاں بن کر رہ گئے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف اُسے کچھ خاص شکایات بھی تھیں۔ ایک متموّل ہندو جسے وہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ کلکتہ میں جاکر پناہ گزین ہوا۔ اور باوجود نواب کے مطالبہ کے اُسکے حوالے نہ کیا گیا۔ اس بات کی شکایت بھی تھی کہ جو مراعات انگریزوں کو دی گئی ہیں وہ اُن کا غلط استعمال کرتے ہیں یعنی وہ پروانہ دستک (معافی محصول) ہندوستانی تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسی معافی صرف کمپنی کے مال کے واسطے دی گئی تھی۔ اس لئے جب انگریزوں نے یہ افواہیں سُنیں کہ فرانس اور انگلستان کے درمیان عنقریب جنگ چھڑنے والی ہے اور کلکتہ کے قلعہ کو زیادہ مستحکم کرنا شروع کیا تو سراج الدولہ نے ناطق احکام بھیجے کہ وہ مزید تعمیر فوراً بند کر دیں۔ اور نئی تعمیر کو گروا دیں۔ تعمیل حکم کی بجائے کمپنی کے حکام نے یہ جواب لکھ بھیجا کہ ہم تو محض مورچوں کی مرمت کر رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ

فرانسیسی اچانک حملہ کر دیں۔ جیسا کہ اُنہوں نے اس سے پہلے مدراس پر کیا تھا۔ نواب یہ جواب پا کر آگ بگولا ہو گیا۔ کہ انگریزوں کی یہ دیدہ دلیری کہ پہلے کئی باتوں پر گستاخی کر کے ناراض کر چکے ہیں۔ اور اب نہایت بے پروائی سے یہ اشارہ بھی کرتے ہیں کہ بنگال کا حال بھی کرناٹک کا سا ہو گا۔ یہی تو وہ بات تھی۔ جس کے لئے وہ خوفزدہ ہو رہا تھا۔ یہ جواب تو ایسا تھا جیسے کوئی بھینسے کو لال جھنڈی دکھائے۔ اُس نے اپنے غیظ و غضب میں فوراً لکھا کہ میں کلکتہ پر حملہ کر رہا ہوں۔ اور تم سب کو ایک ایک کر کے نکال دوں گا۔

سب سے پہلا کام تو اُس نے یہ کیا کہ قاسم بازار کے کارخانہ پر قبضہ کر لیا اور وارن ہسٹینگز اور کمپنی کے دوسرے ملازموں کو قید کر کے مرشد آباد لے گیا۔ ہسٹینگز کا ذاتی رسوخ مقامی حکام میں کافی تھا۔ اس لئے اُس کو مسٹر وائی نٹ کی ضمانت پر جو قریب ہی ایک ولندیزی کارخانہ کا مہتمم تھا عام رہائی دے دی گئی۔ لیکن اسی قسم کی ضمانت دوسرے قیدیوں کے لئے قبول نہ کی گئی۔

اِس دوران میں سراج الدولہ برابر کلکتہ کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ اور ۱۶ر جون ۱۷۵۶ء کو بے شمار لشکر کے ساتھ وہ کلکتہ کے سامنے آموجود ہوا۔ انگریزوں نے فورٹ ولیم میں پناہ لی۔ لیکن اُن کی فوج بہت کم تھی۔ یہ بھی جلد ہی ثابت ہو گیا کہ مقابلہ بے سُود ہو گا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ قلعہ خالی کر دیا جائے۔ اور سخت خوف و ہراس کی حالت میں انگریزی فوج جہازوں

کی طرف لپکی۔ ان بھگوڑوں میں قلعہ کا گورنر مسٹر ڈریک بھی تھا۔ جو اس بے ترتیبی کا ذمہ دار تھا۔ وہ دریا سے نشیب کی طرف فُلٹہ تک گئے جو ولندیزیوں کا ایک گاؤں تھا۔ اور جہاں اُن کا ایک کارخانہ بھی تھا۔ جو تھوڑی بہت فوج قلعہ میں باقی رہ گئی تھی۔ اس نے دوسرے روز ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ سب کے سب سوائے چند افراد کے اُسی رات ہی واقعہ "بلیک ہول" میں دم گھٹنے سے مر گئے۔ "بلیک ہول" سے مراد وہ چھوٹی سی پہرہ والی کوٹھری تھی۔ جس میں ان سب قیدیوں کو بند کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ ہائلہ کی وجہ سے سراج الدولہ کا نام بدنام ہے۔ لیکن یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ اُس نے ایسا ارادہ کیا ہو یا اس کا ذمہ دار ہو۔[ف۱]

خیر جو لوگ بچے اُن کو مرشد آباد پہنچا دیا گیا۔ جہاں وہ سب کے سب ہسٹینگز کی خوش اخلاقی اور نیک دلی کے تہ دل سے ممنون ہوئے کیونکہ وہ اکثر اوقات اُن کے پاس آتا جاتا رہا۔

کلکتہ فتح کرنے کے بعد سراج الدولہ اپنے ایک رشتہ دار[ف۲] کی سرکوبی

ف۱ اس واقعہ کے متعلق مؤرخین نے مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ان قیدیوں کی جملہ تعداد تقریباً ایک سو چھیالیس افراد پر مشتمل تھی۔ جس تنگ و تاریک کمرے میں اُن کا ٹھونسا جانا بتایا جاتا ہے۔ اُس کے مبیّنہ طول و عرض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ اتنے آدمی اُس میں سما سکیں۔ بعض کے نزدیک یہ واقعہ ہی محض ڈھونگ ہے۔ بہرحال اتنے آدمی تو ضرور مرے۔ اُن کی وجہ موت خواہ کچھ ہی ہو۔ مصنف کی یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سراج الدولہ کا ہاتھ نہ تھا۔ بلکہ اسکی ذمہ داری مانک چند پر عاید ہوتی ہے جو اُس رات قلعہ کا حاکم تھا (مترجم)

ف۲ یہ رشتہ دار "شوکت جنگ" نامی تھا جو سراج الدولہ کا عم زاد بھائی اور علاقہ پورنیہ کا حاکم تھا۔ سراج الدولہ نے اُس پر فوج کشی کی۔ بڑی خونریز جنگ کے بعد شوکت جنگ مارا گیا۔ (مترجم)

میں مصروف ہو گیا جو باغیانہ خیال رکھتا تھا۔ اُسے غالباً انگریزوں کی صحیح طاقت کا علم نہ تھا۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ وہ فُلٹہ کے پناہ گزینوں کا قلع قمع فرصت کے وقت کر لے گا۔ اور اُن سے اپنی من مانی شرائط منظور کرا لے گا۔ عام حالات میں اُس کا یہ اندازہ غالباً غلط ثابت نہ ہوتا، لیکن سوءِ اتفاق سے اُس نے انگریزوں پر نہایت ہی ناموزوں وقت پر حملہ کیا۔ ہوا یہ کہ فرانسیسیوں کی حالیہ نقل و حرکت اور کرناٹک میں نمایاں تیاری کے پیشِ نظر انگریزوں نے مدراس کے قریب اتنا لاؤ لشکر جمع کر رکھا تھا جو اس سے پہلے ہندوستان میں اُنہوں نے کبھی جمع نہ کیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس فوج کی مدد سے نظام حیدر آباد کو کرنل بُوسے اور فرانسیسی اثر سے رہائی دلائی جائے۔ لیکن بنگال کے واقعۂ ہائلہ کی خبر موصول ہونے پر سارا منصوبہ ہی بدلنا پڑا۔ اور کلکتہ کی بازیابی کے لئے ایک بہت بڑی برّی و بحری فوج امیر البحر واٹسن اور کلائو کے ماتحت یہاں بھیج دی گئی۔

یہ مہم مدراس سے اکتوبر ۱۷۵۶ء میں روانہ ہوئی۔ لیکن سمندر کی بادِ مخالف کی وجہ سے اس کے پہنچنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ اواخرِ سال تک بمشکل تمام اس مہم کا پہلا جہاز فُلٹہ پہنچا۔ اس عرصہ میں پناہ گزینوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ خوراک ملتی نہ تھی۔ اور گورنر ڈریک نے نواب سے کچھ امداد حاصل کرنے کی اُمید سے ہسٹینگز سے خط و کتابت شروع کی۔ اس خط و کتابت کے سلسلہ میں ہسٹینگز نے پہلے پہل اپنی قابلیت سے اپنی اہمیت کا ثبوت دیا۔ ڈریک کا خیال تھا کہ نواب سراج الدولہ کے ذریعہ رسد وغیرہ کے بہم پہنچانے کے

متعلق کچھ انتظام کیا جائے۔ ہسٹینگز اس بات کا مخالف تھا کہ سراج الدولہ سے اس بارہ میں کوئی گفتگو کی جائے اور پناہ گزینوں کی بدحالی اُس پر ظاہر کی جائے۔ تاہم ڈریک کے دباؤ ڈالنے پر ہسٹینگز نے سراج الدولہ کے ایک وزیر کے ذریعہ فلٹہ میں رسد پہنچانے کا انتظام کر دیا۔

اس کے علاوہ اس سے زیادہ قابلِ اعتراض اور اہم خط و کتابت کے لئے جو فلٹہ اور مرشد آباد کے چند بارسوخ ہندو ساہوکاروں کے درمیان ہوئی ہسٹینگز ہی آلۂ کار بنا۔ یہ متموّل ہندو ساہوکار سراج الدولہ کے ظلم ستم کی وجہ سے پہلے ہی سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ اور اُس کی معزولی کی سازشی تجاویز پر سوچ بچار کر رہے تھے۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا ہسٹینگز بھی اس سازباز کو پسند کرتا تھا لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ البتہ اُسے ایک بات کا احساس ہو گیا کہ اب اُس کا زیادہ عرصہ تک مرشد آباد میں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ چنانچہ وہ ایک رات نہایت عجلت میں مرشد آباد سے فلٹہ کو روانہ ہو گیا۔

یہاں سارے پناہ گزین ہر روز مدراس کی کُمک کی آمد کی اُمید میں فوجی مشقوں اور پریڈ میں مصروف تھے۔ ہسٹینگز بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا۔ قواعد وغیرہ سے فراغت کے وقتوں میں چند خاتونوں کی موجودگی کی وجہ سے اس کی دلبستگی کا سامان بھی مہیّا ہو گیا۔ اور وہ بہت جلد ہی ایک نوجوان خوبصورت بیوہ کے تیرِ نظر کا شکار ہو گیا۔ یہ خاتون کیپٹن بکانن کی بیوہ تھی جو حادثۂ بلیک ہول میں مارا گیا تھا۔ اس خاتون کے تفصیلی حالات معلوم

نہیں ہو سکے۔ فلٹہ میں ہسٹینگز کے ساتھ اُس کی منگنی ہوئی۔ کلکتہ میں اُس کے دوبارہ فتح ہونے پر شادی ہوئی اور ۱۷۵۹ء میں وہ قاسم بازار میں فوت ہوگئی۔ اس شادی سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکی تو تھوڑے عرصہ بعد مرگئی البتہ لڑکا کئی سال تک زندہ رہا۔ اور تعلیم کے لئے انگلستان بھی بھیجا گیا۔ لیکن جب ہسٹینگز ۱۷۶۵ء میں انگلستان واپس پہنچا تو اس سے کچھ پہلے وہ بھی مرچکا تھا۔ اس شادی سے خوشی کی بجائے زیادہ غمی پیدا ہوئی ہوگی۔

جو فوج کلائو اور واٹسن کے ماتحت ماہ دسمبر میں فلٹہ پہنچی، نہایت سرعت کے ساتھ کلکتہ کی جانب بڑھی۔ ہسٹینگز بھی بطور رضاکار اس فوج کے ساتھ شامل ہوگیا۔ نواب کے لشکر کے ساتھ ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ اب نواب اپنے خاص لشکر کے ساتھ مقابلہ میں آیا کہ پھر ایک طوفانی حملہ کرے۔ لیکن انگریزوں نے رات کے وقت اُس کی قیام گاہ پر ایک ایسا شبخون مارا کہ وہ سٹی بٹی بھول گیا۔ اِس بات کا احساس کر کے کہ اُسے اپنی توقع سے کہیں زیادہ زبردست دشمن کا مقابلہ درپیش ہے اُس نے صلح کرلی اور اقرار کیا کہ وہ کمپنی کی گزشتہ مراعات کی قدر کرے گا۔ اور کمپنی کے نقصانات کا معاوضہ بھی ادا کرے گا۔

کمپنی اپنا اقتدار دوبارہ قائم کر چکی تھی۔ اور اُسے اسی پر قناعت کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن جب کلائو بنگال پہنچا تو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرانس سے دوبارہ لڑائی چھڑ گئی ہے۔ یہ تذکرہ بھی عام تھا کہ نواب کے دربار میں بددلی اور

نفاق کے آثار موجود ہیں۔ گورنر ڈریک خود بھی نواب کی معزولی کی ایک ناکام سازش میں خفیہ طور پر شریک تھا۔ کلائو کرناٹک میں ڈوپلے کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ اب بنگال کی صورتِ حالات دیکھ کر اُسے اُن کو آزمانے کا ایک زرّیں موقع ملا۔ اس نے اِس میں تاخیر نہ کی۔ ماہ فروری میں نواب سے صلح ہوئی اور ماہ اپریل میں نواب کی معزولی کی سازش میں کلائو شریک ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس سازباز کی ابتدا انہی ہندو ساہوکاروں اور سیٹھوں کے ذریعہ ہوئی۔ جنہوں نے ڈریک سے خفیہ گفت و شُنید کی تھی۔ کلائو کی عملی چشم پوشی سے سازش یہ کی گئی۔ کہ سراج الدولہ کو معزول کر کے اُس کے ایک امیر میر جعفر کو نواب مقرر کیا جائے۔ فوج انگریز دیں اور میر جعفر غدّاری کرے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ میر جعفر نواب بن گیا اور انگریز سارے بنگال کے مالک۔

اِس قسم کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوسکی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ اس سازش میں ہسٹینگز کا بھی کوئی ہاتھ تھا۔ نیز وہ اُس وقت تک ایک جونیئر افسر تھا۔ اُسے اِس کاروبار کے منافعہ میں سے کوئی حصہ نہ مل سکتا تھا۔ کلائو اب ڈوپلے کی تقلید میں میر جعفر سے انگریزوں کی خدمات کا معاوضہ طلب کرنے میں پیچھے نہ رہا۔ کمپنی کو کلکتہ کے قرب و جوار میں تقریباً نوسو مربع میل کے زمیندارہ حقوق عطا ہوئے۔ اور کمپنی کے ملازمین کو علیحدہ علیحدہ نقد عطیات دیئے گئے۔ کلائو کا اپنا ذاتی انعام دو لاکھ پونڈ یعنی

تیس لاکھ روپیہ سے زیادہ تھا۔ ہسٹینگز کے پرانے افسر واٹس کو ایک لاکھ پونڈ ملا، اور دوسرے افسروں کو پانچ ہزار پونڈ سے لے کر ساٹھ ہزار پونڈ تک کی رقوم حاصل ہوئیں۔ غرضیکہ اس محلاتی ڈرامہ کا کھیل خوب کھیلا گیا۔ اور اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا گیا۔

نواب تو بنا دیا گیا۔ اب انگریزوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُس کی حمایت و ہدایت بھی کریں۔ میر جعفر نے انگریزی فوج کے اخراجات ادا کرنے کا اقرار کیا۔ کلائیو نے بنگال پہنچتے ہی اس فوج میں کافی اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ دربار مرشد آباد میں انگریزوں کے ایک نمائندہ کی موجودگی بھی ضروری قرار پائی۔ اوّل اوّل مسٹر سیکرلیفٹن کو اس عہدۂ جلیلہ پر مقرر کیا گیا۔ لیکن ماہ اگست میں ہسٹینگز کو جو ۱۷۵۷ء کے اواخر میں قاسم بازار کے کارخانہ میں واپس چلا گیا تھا۔ یہ جگہ دی گئی۔ اِس تقرری میں جس کے متعلق ہسٹینگز خود لکھتا ہے کہ گو زیادہ فائدہ مند تو نہ تھی، لیکن کمپنی کی ملازمت میں بہترین جگہ تھی۔ غالباً واٹس کا ہاتھ بھی تھا گو اصل حکم کلائیو ہی نے صادر کیا ہوگا۔ جو اس وقت واقعی گورنر تھا۔ اور بعد میں باقاعدہ طور پر اُسے کمپنی نے گورنر مقرر بھی کر دیا۔ ہسٹینگز اپنی ایک چٹھی میں کلائیو کو لکھتا ہے کہ "میں خاص طور پر آپ کا ممنون احسان ہوں کہ آپ نے مجھے اس عہدے پر ترقی دی۔"

اس وقت ہسٹینگز کی عمر پچیس برس کی تھی۔ یہ جوانی کی عمر تھی۔ اور اس عمر میں ایک بوڑھے ہندوستانی نواب کی باگ ڈور سنبھالنے کی ذمہ داری

کوئی کم عجیب بات نہ تھی۔ کلائیو نے اُسے ہدایات دیں کہ معاملات کو ہمیشہ اس طریق سے سُلجھایا جائے کہ کوئی بات انتہائی نفرت تک نہ پہنچے۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی حوصلے اور عزم کا معیار اس قدر بلند ہو کہ اہل دربار کو یقین ہو جائے کہ ہم اپنا وقار و اقتدار قائم رکھنے کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں۔ اس کام کے لئے زبردست قوت فیصلہ کی ضرورت تھی۔ میر جعفر ایک بوڑھا، سُست اور ناقابل امیر تھا۔ وہ انگریزوں کے دخل در معقولات کو ناپسند کرتا۔ اپنی معذوری اور محکومی پر بگڑتا، اور دل سے چاہتا تھا کہ کہیں ان سے نجات ملے۔ بلکہ ایک موقع پر تو اُس نے ولندیزیوں سے مل کر کچھ سازباز بھی کی۔ اُس کا بیٹا میراں جو فوج کا سپہ سالار تھا بالکل بے ہمت۔ بے رحم اور بے حد ناقابلِ اعتبار شخص تھا۔ ایک دفعہ کلائیو نے ہسٹینگز کو لکھا کہ "مجھے اکثر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج نہیں تو کل یہ نوجوان کُتا اپنے باپ کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے گا۔ مَیں کئی بار اس بوڑھے "احمق" کو سمجھا چکا ہوں کہ اپنے رشتہ داروں کے ہاتھ میں زیادہ اختیار و طاقت نہ دے"۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بوڑھے "احمق" (میر جعفر) کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ بالکل نہ تھا۔ وہ کمپنی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی توفیق نہ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی جنگی مہمات بھی درپیش تھیں تاکہ علاقہ بہار میں بھی اُس کا وقار و اقتدار قائم ہو۔ جہاں مغل بادشاہ کا بڑا بیٹا اچانک نیزہ برداروں کی فوج لے کر نمودار ہوا۔ اور جب تک کلائیو خود وہاں نہ پہنچا وہ وہاں سے نہ ٹلا۔ اس کے علاوہ نواب کی اپنی فضول خرچیاں اور بے وقوفیاں کچھ

کرنی تھیں۔ جن کے خلاف کلائو اور ہیسٹنگز دونوں کو متواتر جدّو جہد کرنی پڑتی تھی لیکن کامیابی نہ ہوتی تھی۔ میر جعفر کے نزدیک تو ان مشکلات کا واحد حل صرف یہی تھا کہ وہ ہندو سیٹھوں کو لوٹے۔ لیکن ان سیٹھوں نے سراج الدولہ کے خلاف سازش میں حصّہ لیا تھا۔ اِس لئے وہ سب کے سب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ نواب کو اپنے تفکّرات سے اس جاہلانہ طریق عمل سے نجات نہ مل سکتی تھی۔

اِن ابتدائی ایام میں ایک معمولی سا واقعہ جو مرشد آباد میں پیش آیا اس جگہ قابل ذکر ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ہسٹینگز کی ایک ایسے شخص سے ٹکر ہوئی جو اُس کی بعد کی زندگی میں نمایاں طور پر مدِمقابل ہی رہا۔ ہماری مُراد نند کمار برہمن سے ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ میر جعفر نے پلاسی کی لڑائی کے بعد انگریزوں کا قرضہ ادا کرنے کی غرض سے اضلاع بردوان، ندیا اور ہگلی کا مالیانہ اُن کے سپُرد کر دیا تھا۔ کلائو اور مجلس عاملہ نے یہ خیال کر کے کہ مالیانہ جلد جلد وصول نہ ہو سکے گا، نند کمار کو اس کے جمع کرنے کے کام پر مقرّر کیا۔ لیکن وہ ہسٹینگز کو اس کی اطلاع دینا بھول گئے۔ اُس کو یہی خیال رہا کہ میر جعفر کے دربار کا ریذیڈنٹ ہونے کی حیثیت سے اس کام کی نگرانی بھی اُسی کے ذمّہ ہے اِس لئے نند کمار کے دخل در معقولات پر اُسے تعجب ہُوا۔ اوّل اوّل تو اُس نے نند کمار کے اختیارات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب کلائو نے اُسے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ خاموش ہو گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں بے عزتی محسوس کرنے کے علاوہ نند کمار کی نسبت اُس کی رائے خراب ہوگئی۔ غالب گمان یہ ہے کہ انگریزوں کی حمایت کے بل بوتے پر نند کمار سختی کر کے جلد جلد یہ رقوم وصول کر لیا کرتا تھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُسے خود بھی بے انداز فائدہ پہنچتا تھا۔ اس کے کئی سال بعد ہسٹینگز نے اس شخص کے متعلق لکھا کہ ۱۷۵۹ء سے لے کر ۱۷۶۴ء تک جب میں نے بنگال کو خیرباد کہا۔ میں متواتر اس شخص کے مفاد اور چالوں کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتا رہا۔ کیونکہ میرے خیال کے مطابق یہ شخص میرے مالکوں کے مفاد اور فلاح و بہبود کے خلاف ہے۔ کچھ عرصہ بعد کلائو نے بھی یہی رائے قائم کی۔

ہسٹینگز کو مرشد آباد میں رہتے ہوئے جب ایک سال ہوگیا تو اُسے معلوم ہوا کہ کلائو ولایت جا رہا ہے۔ ہسٹینگز کو میر جعفر کی حکومت کی انتہائی کمزوری کا احساس تھا اور اُسے یقین تھا کہ اس کے قیام کا دارومدار محض کلائو کی حکیمانہ ذات پر ہی موقوف ہے۔ اُس نے کلائو کو لکھا کہ وہ کچھ عرصہ اور ہندوستان میں رہے لیکن بے سُود۔ کلائو فروری ۱۷۶۰ء میں انگلستان چلا گیا۔ اُس کی روانگی کے بعد ہی تاریخ ہندوستان کا نہایت ہی شرمناک زمانہ شروع ہوتا ہے۔

چوتھا باب

وینی سٹارٹ کی کونسل کی ممبری

کلائو کے بعد وینی سٹارٹ کلکتہ کی کونسل کا صدر مقرر ہُوا۔ جو مدراس میں کمپنی کا ملازم تھا۔ کلائو اُس کی فطرت اور لیاقت سے ایسا متاثر ہُوا۔ کہ اُس نے اُس کی سفارش اس عہدے کے لئے کی۔ وینی سٹارٹ کے کلکتہ پہنچنے تک ہالول جو حادثہ بلیک ہول میں بچ گیا تھا اس جگہ پر قائم مقام رہا۔ اس وقت ملک کی عام صورت حالات تشویش انگیز تھی۔ مغل شہزادہ ایک بار پھر حملہ آور ہو چکا تھا۔ جو فوج اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی اُسے طرح دے کر وہ بنگال میں گھس آیا۔ اور مرشد آباد خطرے میں پڑ گیا۔ کرنیل کیلاڈ نے اُس کا تعاقب کر کے اُسے پٹنہ تک بھگا دیا۔ لیکن اس فوجی نقل و حرکت میں میر جعفر کا لڑکا میراں کسی مقام پر بجلی گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اُس کی موت کے بعد ہی صورت حالات بے حد نازک ہو گئی۔ نواب کے سپاہیوں نے اپنی تنخواہ کے لئے واویلا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن میر جعفر کا خزانہ خالی

تھا۔ اور اس کے علاوہ جو مواجبات کمپنی کی فوج کے اخراجات کی مد میں واجب الادا تھے وہ بھی بقایا ہیں تھے۔ خود کمپنی کو بھی روپے کی سخت ضرورت تھی۔ گو اُس کے ملازم اپنی نجی دولت خوب بڑھا رہے تھے۔ ولایت کے ڈائرکٹروں نے کلائو کی غلط فہمی پیدا کرنے والی اطلاعات کی بنا پر وہاں سے مال بھیجنا بند کر رکھا تھا۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کا تمام خرچ جس میں یورپ میں بھیجنے کے واسطے ہندوستانی مال کی خرید۔ اور فرانسیسیوں سے کرناٹک میں لڑائیوں کا خرچ بھی شامل ہے۔ سب کچھ بنگال کے خزانوں اور دولت ہی سے پورا ہوا کرے گا۔ ہسٹینگز پر ہالول نے دباؤ ڈالا کہ وہ نواب سے روپیہ جبراً وصول کرے۔ لیکن وہ خود نواب کی بے پناہ فضول خرچی اور بدانتظامی سے حیران تھا۔ اُس نے اِس صورتِ حالات کی تصویر نہایت ہی مایوس کن الفاظ میں کھینچی ہے۔ لکھتا ہے کہ "ملک کی نقد آمد عیش و عشرت کے فضول منصوبوں اور بے جا فخر کی نمائش میں برباد کی جا رہی ہے۔ بے فائدہ معاہدوں اور رشتوں پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ لیکن جنگی ضروریات پر ایسی کنجوسی اور ناانصافی سے روپیہ خرچ ہوتا ہے کہ بچارے سپاہی بھوکوں مر رہے ہیں اور اس نوکری سے بیزار ہیں۔ ملک ہر حملہ آور کا آماجگاہ بن کے رہ گیا ہے۔ متواتر نقصانات اور پیہم مایوسیوں کے بعد وہ صوبہ بہار جو سب سے زیادہ طاقتور تھا اب معلوم نہیں کہ اُس کا کونسا حصّہ نواب کے قبضہ میں باقی ہے۔ بنگال میں راجہ بیر بھوم نے علانیہ بغاوت

اختیار کر رکھی ہے۔ شہر میں جگہ جگہ خفیہ سازشیں ہوتی ہیں۔ اور مختصر یہ کہ ہم آئندہ مہم میں سارے ملک میں جنگ ہی جنگ دیکھنے والے ہیں۔ اس وقت فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آنے والے خطرات کو روکنے کے لئے زبردست وسائل اور ذرائع اختیار کریں۔"

سب سے اہم اور فوری ضرورت یہ تھی کہ مرحوم میراں کا جانشین مقرر کیا جائے۔ اس کے لئے دو اُمیدوار تھے۔ میر قاسم جو میر جعفر کا داماد تھا، اور راج بلبھ جو میراں کا وزیر مال تھا۔ ہسٹینگز کا اب یہ کام تھا کہ وہ دونوں کی قابلیت وغیرہ کے متعلق مشورہ دے۔ اُس نے بلا تامّل میر قاسم کو ترجیح دی۔ اور ہالول نے بھی اتفاق کرتے ہوئے میر قاسم کی اُمیدواری کی حمایت کی بلکہ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میر جعفر کی حکمرانی اب زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کی جاسکتی اس لئے اب اُس کو وظیفہ دے کر علیحدہ کیا جائے۔ اور نظم و نسق میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ یعنی میر جعفر نواب کا خطاب رکھتے ہوئے علیحدہ ہو جائے۔ اور میر قاسم کو بطور نائب نواب مقرر کرکے تمام اختیارات اُس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اسی زمانے میں ایک نہایت وحشیانہ ظلم بھی ہوا۔ جس کی وجہ سے ایسا طریق عمل اختیار کرنے کے لئے اور بھی مضبوط وجوہات پیدا ہو گئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کئی معزز خواتین جن میں نواب علی وردی خاں کی دو لڑکیاں بھی شامل تھیں میر جعفر کے حکم سے قتل کر دی گئیں۔ اس وجہ سے ہسٹینگز بھی جو

عام طور پر میر جعفر[1] کی طرفداری کیا کرتا تھا۔ اُس کا مخالف ہو گیا۔

اب وینی سٹارٹ بنگال میں آ گیا تھا۔ صوبہ میں بالکل نیا آدمی ہونے کی وجہ سے وہ اُس وقت کی عام گڑبڑ اور ملک کی بدحالی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے بھی ہالول کی تجویز کی تائید کی۔ میر قاسم سے ایک معاہدہ ہُوا جس نے نظم و نسق کا کامل اختیار پانے اور کمپنی کی افواج کی امداد کی صورت میں یہ عہد کیا کہ وہ نہ صرف کمپنی کے کل بقایا مواجبات ادا کر دے گا۔ بلکہ اضلاع بردوان، مدناپور اور چٹا گانگ بھی کمپنی کے حوالہ کر دیگا۔

وینی سٹارٹ اس سلسلہ میں خود مرشد آباد چل کر گیا تاکہ میر جعفر کو اس فیصلہ کی اطلاع دے۔ ضعیف نواب نے اپنی کمزوریوں کے متعلق ایسی عاجزی اور عذر خواہی کی کہ وینی سٹارٹ کو بھی افسوس ہُوا۔ اور اُس نے میر قاسم کا ذکر صرف اس طریق سے کیا کہ یہ شخص غالباً اصلاحات وغیرہ جاری کرنے میں مفید ثابت ہو گا۔ لیکن میر جعفر تو اس کے نام سے بیزار تھا۔ آخر جب ہسٹینگز نے اُسے سمجھایا تو وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ میں میر قاسم کو اپنا نائب بنانے کی بجائے بالکل معزول ہونے کو تیار ہوں۔ اس لئے میر جعفر کلکتہ چلا گیا۔ اور ماہ اکتوبر ۱۷۶۰ء میں میر قاسم اُس کی جگہ نواب ہو گیا۔ ان خدمات کے عوض وینی سٹارٹ کو پچاس ہزار پونڈ۔ ہالول کو ستائیس ہزار پونڈ اور کونسل کے دوسرے

---

[1] اصل میں یہ سازش میر جعفر کے لڑکے میراں نے کی تھی اور غالباً میر جعفر کو بھی اس کا علم تھا۔ (مترجم)

ارکان کو دس ہزار پونڈ سے پچیس ہزار پونڈ کی رقوم لبطور انعام ملیں۔ یہ ذکر کر دینا بعید از انصاف نہ ہو گا کہ وینی سٹارٹ یہ عطیات نہ لینا چاہتا تھا۔ لیکن اراکین کونسل نے اُس کو طلب کرنے پر مجبور کیا۔

ہسٹینگز نہ تو اس انقلاب کا موجد تھا نہ اُس نے نقد انعامات میں سے کوئی حصّہ لیا۔ مگر اس امر کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس نے اس انتظام کو پسند کیا۔ وہ میر جعفر سے تنگ آ چکا تھا۔ اور میر قاسم کے متعلق اُس کی رائے بہت اچھی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ تبدیلی کمپنی اور اہالیان بنگال کے لئے مفید رہے گی۔ غالباً ایسا ہی ہوتا اگر میر قاسم کی تخت نشینی کے بعد انگریز اُس سے انصاف اور مہذب سلوک روا رکھتے۔

نتیجہ کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اُن پیچیدگیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے جن کی وجہ سے میر قاسم جیسے قابل آدمی کو نوابی کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ میر جعفر کے مقابلہ میں یہ شخص اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی اہلیت رکھتا تھا۔ وہ قابل محبِ وطن تھا اور کسی صورت میں کٹھ پتلی بن کر کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دیانت داری کے ساتھ کمپنی کی تمام ذمّہ داریوں سے عہدہ برا ہونا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ہر جائز و ناجائز مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اور نہ وہ کوئی ایسی خواہش پوری کر سکتا تھا جو خود اُس کے اپنے لئے یا اُس کی رعایا کے لئے ضرر رساں ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا کمپنی اس صورتِ حال کو قبول کرنے کے لئے تیار

تھی ؟ کیا وہ اس بات پر آمادہ تھی کہ جو شہنشاہیت اُنہیں قدرتی طور پر پلاسی کی فتح کے بعد حاصل ہوئی اپنے ہاتھ سے کھو دے ؟ کیا وہ پُرانے زمانے کی مراعات اور دستور پر قناعت کرنے کے لئے راضی تھی۔ جو علی وردی خاں کے زمانے میں رائج تھا ! میر جعفر ایسے ناقابل اور بے اثر نواب کی جگہ میر قاسم نواب ہوا جو ایک قابل شخص تھا۔ اور اس تبدیلی سے مذکورہ بالا تنقیحات کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر تھا۔

ان تنقیحات کی تائید یا تردید کے لئے ڈائرکٹروں کو موقع حاصل نہ تھا۔ اس کا فیصلہ تو کمپنی کے عمال ہی موقع پر کر سکتے تھے۔ ہسٹینگز میر قاسم کو صرف اس لئے پسند کرتا تھا کہ وہ قابل تھا۔ اُس کا یہ بھی خیال تھا کہ میر قاسم کی یہ آرزو کہ وہ نام نہاد نواب کہلانے کی بجائے حقیقی معنوں میں نواب ہو۔ نہ غیر معقول تھی اور نہ کمپنی کے ضروری مفاد کے خلاف۔ وہ کبھی یقین نہ کرتا تھا کہ میر قاسم انگریزوں کے خلاف کوئی خفیہ ارادے رکھتا ہے۔ بلکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ اگر کمپنی اُس کے ساتھ انصاف کرے گی تو وہ بھی کمپنی کے ساتھ سچائی برتنے لگا۔ کمپنی نے جو معاہدہ اُس کے ساتھ کیا تھا اُس کی رُو سے کمپنی کو زمین، روپیہ اور اپنی حریف کمپنیوں کے مفاد میں اچھی خاصی وجاہت مل چکی تھی۔ اس سے زیادہ مراعات کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ملک کی کھلی یا بھیس بدلی ہوئی بادشاہی کمپنی کے مفاد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے غیر ضروری تھی۔ کئی موقعوں پر ہسٹینگز نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ میر قاسم حکمران بادشاہ ہے۔ اور اُسے اپنے پورے پورے

اختیارات استعمال ہونے کی اجازت ہونی چاہیئے اور کمپنی کو باوجود طاقت و اقتدار رکھنے کے اُس کے اختیارات غصب نہ کرنے چاہئیں۔ لیکن ہسٹینگز کے بہت سے ہم عصروں کا نقطۂ نظر اس کے بالکل مختلف تھا۔ پلاسی کی فتح کے باعث وہ حکومت وقت کی غلامی کے درجہ سے اقتدار کی مسند پر چھا چکے تھے۔ اس وجہ سے وہ بنگال کے باشندوں بلکہ خود نواب کے افسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُن کا منہ چڑاتے اور تجارتی مراعات کے غلط استعمال کی وجہ سے بے اندازہ فائدہ اُٹھاتے تھے۔ وہ کسی حالت میں بھی اس قسم کے بے شمار فوائد کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کے برعکس جب کبھی نواب اپنے احکام کی تعمیل کرانے میں خفیف سی کوشش بھی کرتا یا اپنی رعایا کے مفاد کی خاطر وہ اُن کی جبر ستانی کو روکنے کا انتظام کرتا تو فوراً ایک شور و غوغا برپا ہو جاتا، کہ لیجیئے صاحب غضب ہو گیا۔ کمپنی کے حقوق و مراعات کو غصب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور نواب کے خلاف فوراً باغیانہ منصوبوں کا الزام لگا دیا جاتا۔

جب کمپنی کے سارے عملے کی گرم مزاجی کی یہ حالت تھی تو میر قاسم جیسے نواب کی گنجائش ہی کہاں ہو سکتی تھی۔ اُن کا عزم صمیم یہ تھا کہ وہ اپنا رعب اور غلبہ برقرار رکھیں۔ اُدھر نواب بھی حقیقی معنوں میں نواب رہنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر لڑائی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا چنانچہ ہسٹینگز کے اپنے الفاظ ہیں کہ "اس کی روزانہ ایسی بے عزتی کی جاتی

تھی کہ نہ کیڑا بھی جو پاؤں کے نیچے مسلا جا سکتا ہو ایسی ہتک قبول نہ کرے"۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسی سختی کے ساتھ لڑائی کرنے پر اتر آیا جو شدید دیوانگی کے قریب قریب تھی۔

وینی سٹارٹ کلکتہ کونسل کا نیا صدر گو ہندوستان میں اپنے ہمعصروں میں سے زیادہ اچھا آدمی تھا۔ لیکن مستقل مزاج شخصیت کا مالک نہ تھا۔ بنگال کے ملازموں میں اس کی تقرری پسندیدگی کی نظروں سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ کیونکہ بہتوں کا خیال تھا کہ اسے اُن کے سروں پر ناحق لاکر بٹھا دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی کہ اُس نے آتے ہی میر جعفر کے سلسلہ میں پچاس ہزار پونڈ کی رقم خطیر سیدھی کر لی، اُس کے خلاف جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جب ۱۷۶۱ء میں کمپنی کے ڈائرکٹروں کا یہ حکم پہنچا کہ وہ اپنی کونسل کو از سرِ نو مرتب کرے۔ اُس کو اپنی وجاہت قائم رکھنا اور بھی مشکل ہو گیا۔ ہالول وطن جا چکا تھا۔ باقی تین اور ارکان جنہوں نے حال ہی کی انقلابی لوٹ میں حصہ لیا تھا حکماً واپس بلا لئے گئے۔ اُن کی جگہ کمپنی نے ہسٹینگز، کارٹر، ہے، اور جانسٹن کو مقرر کیا۔ آخر الذکر تین صاحبان ازلی بھوکے تھے اور وینی سٹارٹ اور میر قاسم کی حکومت کے سرتوڑ مخالف تھے۔

وینی سٹارٹ کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ جس کی رو سے وہ کثرتِ رائے کے خلاف کچھ کر سکے۔ وہ اپنے برابر کے مصاحبوں میں صرف صدر کی حیثیت رکھتا تھا جسے ووٹ برابر ہونے کی صورت میں صرف

ایک ووٹ زیادہ دینے کا حق تھا۔ اُس کو نہ تو کلا ئو جیسا وقار حاصل تھا۔ اور نہ اُس کو اُس سے کچھ مناسبت تھی جو محض اپنی زبردست شخصیت کی وجہ سے کونسل پر چھاجایا کرتا تھا۔

آئندہ کے تین سالوں میں ہسٹینگز متواتر یہ دیکھتا رہا کہ وہ مخالف کثرت رائے کے خلاف بمابر مجبور ہو کر لڑتا جھگڑتا ہی رہا۔ یہی سلوک ہسٹینگز کے ساتھ بھی بارہ سال بعد ہوا۔ تاہم اس تمام عرصہ میں ہسٹینگز برابر وینی اسٹارٹ کی مدد ایمانداری۔ وفاشعاری اور سلامت روی کے ساتھ کرتا رہا، اور اس کا یہ طریق عمل ہر لحاظ سے قابل تعریف و ستائش ہے۔

ہسٹینگز مرشد آباد سے کونسل کی رکنیت کا عہدہ سنبھالنے کے لئے ابھی کلکتہ پہنچا بھی نہ تھا کہ نئے ممبروں نے اُسکی مخالفت میں نفرت کا اظہار کیا واقعہ یہ ہے کہ پٹنہ کے کارخانہ کے مہتمم اعلیٰ کی جگہ خالی ہوئی۔ ارکان کونسل یہ چاہتے تھے کہ اس جگہ مسٹر ایلس کو مقرر کیا جائے۔ جو ایک نہایت ہی بدمزاج اور مغرور انسان اور وینی سٹارٹ کا سخت مخالف تھا۔ وہ خواہ مخواہ یہ ظاہر کر کے پٹنہ جا پہنچا کہ کمپنی کے مفاد کی حمایت اور انگریزوں کے وقار کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ وہ اپنے گھمنڈ میں یہ سمجھتا تھا کہ کمپنی کے ملازموں اور نواب کی رعایا کے درمیان ہر قسم کے جھگڑوں کا طے کرنا اُسی کے اختیار میں ہے۔ اُس نے نواب کے اپنے ملازموں کو پابزنجیر کر دیا اور کمپنی کے سپاہی بھیج کر نواب کے قلعہ کی تلاشی اس غرض سے کرائی کہ وہاں مبینہ بھگوڑوں کو تلاش کیا جائے۔ اسی طرح کی دراز دستی اور احمقانہ لغزشیں اُس سے

اور بھی سرزد ہوئیں۔ غرضیکہ پٹنہ میں مسٹر ایلس کی موجودگی تکلیف اور کوفت کا باعث بنی رہی۔

ان حالات کے باوجود نواب میر قاسم کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ نواب نے اپنی لیاقت سے شاندار نتائج پیدا کئے۔ اگر ایک طرف کمپنی کی فوجوں نے بہار میں مغل شہزادہ کے قبضہ کو رفع کیا تو اس نے بنگال کے بڑے بڑے زمینداروں کی جو ہر وقت آمادۂ فساد رہتے تھے قرار واقعی سرکوبی کی۔ اس کے علاوہ اس نے ایسی کامیابی کے ساتھ اپنے اخراجات کو گھٹایا۔ کہ اٹھارہ ماہ کے قلیل عرصے میں کمپنی کے سارے بقایا واجبات ادا کر دیئے۔ پھر اس نے اپنی فوج کی نئے سرے سے تنظیم شروع کی جو میر جعفر کے زمانے میں ایک بے ترتیب مجمع سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ دو سال کے عرصہ میں اس نے ایک پوری تربیت یافتہ توپ خانہ کی پلٹن اور پچیس ہزار پیادہ فوج تیار کر لی جو کمپنی کی فوج کے ہم پلہ قرار دی جا سکتی تھی۔

نواب کی فوجی اصلاحات گو ہر لحاظ سے نہایت ضروری تھیں۔ لیکن انگریزوں کو اپنے قرض کی باقاعدہ ادائیگی کے مقابلہ میں پسند نہ آئیں۔ اس کے علاوہ نواب نے اپنے عزم صمیم کا مظاہرہ دوسرے "ناپسندیدہ" طریقوں سے بھی کیا۔ بہار کا نائب السلطنت ایک امیر کبیر مکار ہندو رام نرائن نامی تھا۔ میر جعفر کے نزدیک اس کی وفاداری مشتبہ تھی۔ اور اس کو اس کے مال و دولت کا بھی لالچ تھا۔ لیکن کلائیو ہمیشہ مخل ہوتا رہا کہ اسے جب تک وہ مالیہ ادا کرتا

رہے۔ اور کسی غیر ملکی طاقت سے ساز باز نہ کرے دق نہ کیا جائے۔ میر قاسم نے اُس کو علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بے شمار دولت مند ہونے کے علاوہ وہ انگریزوں کا پٹھو بھی تھا، اور شاید اسی وجہ سے نواب اُس کا مخالف بھی ہوا ہو۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ نواب کی بد اعتمادی کے لئے معقول وجوہات موجود تھیں۔ مغل شہزادے کے حملوں کے دوران میں اس شخص کا رویہ مشتبہ رہا۔ اس کے علاوہ اُس نے دولت بھی ناجائز طریقے استعمال کر کے جمع کی تھی۔ نواب نے اُس کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کا مطالبہ کیا۔ وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔ اور یہ عذر کیا کہ جب وہ سرکاری مطالبات باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا رہا ہے تو نواب کو حساب کتاب دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن میر قاسم نے بھی ٹھان رکھی تھی کہ وہ حساب کتاب ضرور دیکھ کر رہے گا۔ آخر انگریزوں کے احتجاج کے باوجود اُس نے رام نرائن کو موقوف کر کے قید کر دیا۔ میر قاسم کی کامیابی کا ڈنکہ بج گیا۔ اور اس واقعہ سے انگریزوں کو کچھ خفت ہوئی۔ یہ تقریباً ناممکن تھا کہ کلائو اس قسم کی اجازت دیتا۔ وینی سٹارٹ کی مجلس عاملہ میں بڑی ہل چل مچی اور اس معاملہ پر گرما گرم مباحثہ ہوا۔ لیکن وینی سٹارٹ غیر جانبداری کی پالیسی پر اڑا رہا۔ ہیسٹنگز نے بھی اس کی تائید کی۔ کیونکہ اُس کی رائے میں رام نرائن نواب کا مسلمہ ملازم تھا۔ اور نواب کی خود مختارانہ حیثیت کے ہوتے ہوئے یہ درست نہ تھا کہ اُس کے ملازم کی حمایت کی جائے۔

اب میر قاسم نے زیادہ نازک معاملات میں دخل دینا شروع کیا۔ یعنی کمپنی کی

تجارتی مراعات کے متعلق شہنشاہ فرخ سیر کے فرمان میں عام اصول بیان کیئے گئے تھے۔ نواب صحیح طور پر اس کا مطلب یہ سمجھتا تھا کہ اس فرمان کی رو سے مال سے صرف وہ مال مراد ہے جس کی درآمد یا برآمد کمپنی یا اُس کے مستند ملازموں کی جانب سے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ اس اجازت کی آڑ میں کمپنی کے جملہ ملازم کیا یورپین اور کیا ہندوستانی ملک کی اندرونی تجارت میں بھی بلا ادائیگی محصول حصہ لیں۔ مثلاً غلہ۔ تمباکو۔ پان وغیرہ کی تجارت۔ اور اس کے علاوہ یہ حقیقت تھی کہ یورپین سوداگر تو اس قسم کی تجارت کرنے کے مجاز ہی نہ تھے۔ پلاسی کی لڑائی سے بہت پہلے بھی یہ عام شکایت تھی کہ کمپنی اپنی مراعات کا غلط استعمال کرتی ہے اور اپنے اجازت نامے مقامی سوداگروں کے ہاتھ بیچ کر ناجائز فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور یہی ایک وجہ تھی جس کے باعث سراج الدولہ انگریزوں سے ناراض ہوا۔ اُس کے بعد جب کمپنی کا اختیار و اقتدار بڑھا تو اس قسم کی بدعنوانیاں اور بھی زیادہ آزادی کے ساتھ ہونے لگیں۔ کمپنی کے ملازموں نے دیکھا کہ اس صوبے کی اندرونی تجارت سے اُن کی بڑھتی ہوئی دولت میں نہ صرف معتدبہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ کمپنی کے اجازت ناموں کے استعمال سے انہیں کسی قسم کا محصول بھی نہیں دینا پڑتا۔ حالانکہ دوسرے تاجر یہ محصول دیا کرتے تھے۔

میر جعفر نے جو جابر انگریزوں کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اُن کی ترغیب سے ایک حکمنامہ جاری کر دیا تھا کہ جو مال کمپنی کے کارخانوں میں کمپنی کے دلال باہر لائیں یا اندر لے جائیں اُس پر کسی قسم کا محصول نہ لیا

جایا کرے۔ کمپنی کے ملازم اس حکم کا یہ مطلب سمجھتے تھے کہ کسی قسم کا مال جس کے وہ مدعی ہوں وہ ہر قسم کے محصول سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ میر جعفر نے انگریزوں کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ نواب کے ماتحتوں میں سے اگر کوئی شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو اُسے وہ سزا بھی دے سکیں گے۔ اس طرح کمپنی کے ملازم نہ صرف اِس قابل ہو گئے کہ وہ ملک میں اندرونی تجارت بھی آزادی کے ساتھ کرنے لگ جائیں بلکہ اُنہیں کوئی محصول بھی ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ حالانکہ دوسرے تاجروں کے لئے اس کی ادائیگی لازمی تھی نیز وہ ایسے افسر کو سزا بھی دے سکتے تھے۔ جو اُن کے کام میں دخل دینے کی جسارت کرے۔ اِن وجوہات کی بنا پر اُنہیں دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں ناجائز رعایت حاصل تھی۔ اِس کا یہ مطلب تھا کہ انگریز ملک کی ساری تجارت کے واحد اجارہ دار بن بیٹھے اور مقامی لوگ جن کی روزی کا انحصار اسی تجارت پر تھا تباہ اور برباد ہونے لگے۔ اس کے علاوہ اِس طریق عمل سے عام رشوت ستانی کا دروازہ بھی کھل گیا۔ اب کمپنی کے اجازت نامے اور جھنڈے بیرونی آدمیوں کے ہاتھ خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا یورپین کھُلے بندوں بکنے لگے۔ نواب کی آمدنی پر قدرتی طور پر اس کا تباہ کن اثر ہُوا۔

جب تک کلائو خود بنگال میں رہا اس قسم کی بدعنوانیوں پر کچھ نہ کچھ قابو ضرور رہا۔ لیکن اُس کے جاتے ہی کمپنی کے ملازم اور ہر طبقے کے یورپین اس خوانِ یغما پر ٹوٹ پڑے۔ اور سب کے سب ان تینوں صوبوں کا اندرونی تجارتی کاروبار کرنے لگے۔ کمپنی کی دستکیں ایسے لوگ استعمال کرنے لگے جنہیں ان

اجازت ناموں سے دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اور اگر کبھی نواب کا کوئی ملازم اس قسم کی بے قاعدگیوں کو روکنے کی غرض سے مخل بھی ہوتا تو نزدیک کے کارخانے سے سپاہیوں کا ایک دستہ بُلوا لیا جاتا۔ جو اُس کو گرفتار کر کے لے جاتا۔

میر قاسم معاملہ فہم حکمران تھا۔ وہ اس قسم کی بد تمیزی کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ جو خود اُس کے لئے اور اُس کی رعایا کے لئے بھی بربادی کا باعث ہو۔ اُس نے وینی سٹارٹ سے اس کے متعلق تبادلہ خیالات کیا اور اُس نے ان شکایات کو رفع کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن وینی سٹارٹ کی مجلس عاملہ نے کثرت رائے سے اس تجویز پر غصہ اور نفرت کا اظہار کیا۔ اور اُنہوں نے کمپنی کی مراعات پر کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کی سخت مخالفت کی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے ناجائز اور غیر قانونی نفع کے حصول سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ ہسٹینگز نے بہت کچھ مغز مارا، لیکن سب بے سُود۔ اُس نے کہا کہ " وہ مراعات جن کی کمپنی مدعی ہے اور جن کی سرکار نے اجازت دی ہے۔ اس غرض سے حاصل کی گئی تھیں کہ جو مال باہر سے یہاں لایا جائے یا یہاں سے باہر لے جانے کے لئے خریدا جائے صرف ایسے مال پر یہ محصول معاف ہو اور ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم پہلے مطالبہ سے سر مو تجاوز کریں "۔ لیکن مجلس عاملہ کے ارکان نے ایک نہ سُنی۔ کیونکہ اُن کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچتا تھا۔

اِس ناگوار جھگڑے اور مسٹر ایلس کی متواتر گستاخیوں کے باعث مجلس عاملہ سے میر قاسم کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ ۱۷۶۱ء کے آخر میں

مجلسِ عاملہ نے بھی محسوس کیا کہ کھُلی مخالفت کو روکنے کے لئے کوئی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ میر قاسم نے مُرشد آباد چھوڑ کر مونگیر میں اپنا صدر مقام بنالیا۔ یہ مقام صوبہ بہار کی سرحد پر واقع ہے۔ اس دور دراز صدر مقام پر جو کلکتہ سے بہت دُور واقع تھا۔ اُس نے اپنی فوج کی از سرِ نو ترتیب و تنظیم شروع کی اور اس کے لئے غیر ملکی من چلوں کی امداد بھی حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے قلعوں کی مرمت اور استحکامات کو بھی مضبوط کرنے لگ گیا۔ یہ یقین کیا جاتا تھا۔ کہ اُس نے اپنے پڑوسی حکمرانِ نواب اودھ سے اتحاد اور دوستی کا کوئی معاہدہ بھی کیا ہے اور یہ افواہ بھی تھی کہ نواب اودھ بنگال پر حملہ کرنے کی تیاریاں بھی کر رہا ہے۔ ان حالات میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہسٹینگز کو معاملات زیرِ بحث کا تصفیہ کرانے کی غرض سے مونگیر بھیجا جائے۔ کیونکہ مجلس عاملہ کے سارے ارکان میں سے ہسٹینگز ہی ایک ایسا شخص تھا جس کو میر قاسم کے دربار کے بڑے بڑے امیروں اور درباریوں تک رسائی حاصل تھی اور وہ ان کی شخصیتوں اور سیاسی چالوں سے بخوبی واقف تھا۔ نیز اُس کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ میر قاسم کی چالوں اور ارادوں کے متعلق رپورٹ کرے۔

دورانِ سفر میں ہسٹینگز اُن مظالم کو دیکھ کر بے حد رنجیدہ ہُوا جو انگریزوں کے نام پر غریبوں پر توڑے جاتے تھے۔ اُس نے لکھا کہ "یہ برائیاں ہمارے ماتحت لوگ ہی نہیں کرتے بلکہ تمام ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے سپاہیوں کی تقلید کرتے ہوئے یا اپنے آپ کو ہمارا گماشتہ جتا کر اس قسم کی بدعنوانیاں کر رہے ہیں۔ میں نے کئی جگہ جہاں سے مجھے گزرنے کا

اتفاق ہُوا، انگریزی جھنڈے لہراتے دیکھا اور شاذ ہی کوئی کشتی ایسی ہوگی جس پر یہ جھنڈا نصب نہ ہو۔ یہ حق ان لوگوں نے خواہ کسی طریق سے حاصل کیا ہو (کیونکہ میں صرف آنکھوں دیکھی بات کہتا ہوں۔ موقع پر اصل حالات دریافت نہیں کئے) اس بات کی دلیل ضرور ہے کہ ان (اجازت ناموں) کا اس کثرت سے جاری ہونا نواب کی آمدنی پر نہ کوئی اچھا اثر ڈالے گا نہ ملک میں امن کے قیام کا باعث ہوگا۔ نہ ہماری قوم کے لئے یہ بات باعث عزت ہوگی۔ بلکہ یقینی طور پر ہر مقصد پر بُرا اثر پڑے گا۔"

ہسٹینگز کو میر قاسم کی انصاف پسندی اور حسن انتظام کی قابلیت بہت پسند آئی۔ اُس نے رپورٹ کی کہ "نواب کا مونگیر میں آجانے کا باعث خواہ کچھ ہی ہو، اُس نے اس فرصت سے بے حد فائدہ اُٹھایا ہے۔ غالباً صدر مقام تبدیل کر لینے کی یہ وجہ ہو کہ اُسے کمپنی کی جانب سے یہ خطرہ تھا کہ کہیں اُسے معزول نہ کر دیا جائے۔" نواب اودھ شجاع الدولہ سے معاہدہ کے متعلق اس نے لکھا کہ دو نوابوں کے درمیان یہ معاہدہ ہُوا ہے۔ کہ اُن سرکش زمینداروں کو جو ایک کے علاقہ سے دوسرے کے علاقہ میں جاکر پناہ لیں اُنہیں گرفتار کرکے علاقہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اُس نے اِس خیال کی تردید کی کہ اس معاہدہ سے کوئی وجہ تشویش پیدا ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ مغل شہزادہ شاہ عالم نے جو اب بادشاہ بن چکا تھا شجاع الدولہ کو اپنا وزیر مقرر کیا ہے۔ اور اب وہ اس فکر میں ہے کہ وہ اپنے نام نہاد بادشاہ کا وقار و اقتدار مرکز میں قائم کرے۔ اُسے یہ فرصت کہاں کہ وہ

بنگال کے جھگڑے میں پڑے۔

باقی رہا تجارتی جھگڑا سو اس کے متعلق ہسٹینگز نے ذیل کی تجاویز نواب کے سامنے پیش کیں:-

(۱) یہ کہ نواب کے ملازمین کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ ضروری سمجھیں تو جبر استعمال کر کے ایسی کشتیوں یا دوسری باربرداری کی سواریوں کو جن پر انگریزی جھنڈا لہراتا ہو روک لیں اور پڑتال کر کے اپنا اطمینان کر لیا کریں کہ آیا وہ مال جو اُن پر لدا ہُوا ہے۔ فی الحقیقت کمپنی کے مصدقہ اجازت نامہ کے متعلق ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے حکم کی تعمیل سے انکار کرے تو اُسے گرفتار کر کے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیا کریں۔ نواب نے ان تجویزوں کو قبول کر لیا۔ گو وہ اس کی منشاء کے مطابق اتنی وسیع نہ تھیں۔ لیکن جب ان تجویزوں کو مجلس عاملہ کے سامنے پیش کیا گیا تو کثرت رائے والے اراکین کی جانب سے غیظ و غضب کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ کثرت رائے سے ان تجاویز پر اظہار ملامت کیا گیا۔ کیونکہ انگریزوں کے نام اور عزت کی ہتک تھی۔ اُن کی رائے میں یہ انتہائی ذلت کی بات تھی۔ کہ نواب کے عمال ان کشتیوں کو روکیں جن پر انگریزی جھنڈا لہراتا ہو یا اُس کے مجسٹریٹ اُن لوگوں کو سزا دیں جو کمپنی کے ملازم یا گماشتے سمجھے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ کمپنی کے تمام ملازم اور گماشتوں کو نواب کی حکومت کے ضبط سے مستثنےٰ کیا جائے۔ ہسٹینگز نے پر زور احتجاج کیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہُوا کہ ہماری ملازمت کرنے والے ہر شخص کو حکومت کے اختیار سے

نکال لیا جائے۔ یہ بات صحیح ہے کہ ایسا کرنے سے وہ خود تو ظلم و تعدی سے محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کو دوسروں کے ستانے کی کھُلی چھٹی مل جائیگی۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ خواہ کیسا ہی جُرم کیوں نہ کریں مجسٹریٹ کو مجبوراً خاموش رہنا پڑے گا۔ اور وہ اُس رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ جس کی حفاظت اُس کے سپُرد کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے ہمارے حقوق اور مراعات کا خون ہوتا ہے۔ ایسی طرزِ حکومت سے تو بدبخت باشندوں کے دِل میں انگریزی حکومت اور شہرت کے متعلق نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نواب کے لئے یہ کیسے ممکن ہو گا۔ کہ وہ اپنی بلکتی ہوئی رعایا کی چیخ و پکار سُنے، اور اپنے آپ کو اُن کی تکلیف رفع کرنے کے ناقابل پاکر خاموش بیٹھا رہے۔ لازمی طور پر وہ یہ کوشش کرے گا کہ اس قسم کی بے عزّتی سے وہ جلد سے جلد نجات پائے۔"

ہسٹینگز کی مصالحانہ تجاویز کی ناکامیابی پر وینی سٹارٹ خود مونگیر گیا۔ وہ بزعم خود یہ سمجھتا تھا کہ مجلس عاملہ نے مصالحت کرانے کا اُسے پورا اختیار دے دیا ہے۔ اُس نے نواب کے سامنے ایک اور منصوبہ پیش کیا جو اُس نے ہسٹینگز کی مدد سے تیار کیا تھا۔ اور نواب اُس کو آزمائشی طور پر قبول کرنے پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ ایک باقاعدہ عہدنامہ تیار کیا گیا، اور وینی سٹارٹ نے اس عہدنامے کی ایک نقل پر دستخط کر کے نواب کے حوالہ بھی کر دی اور نواب نے اس پر فوراً عمل درآمد بھی شروع کر دیا۔ لیکن جب وینی سٹارٹ کلکتہ واپس آیا تو اسکی مجلس عاملہ نے کہا کہ ہم نے تمہیں عہدنامہ کرنے کا اختیار

کب دیا تھا۔ اُنہوں نے اس عہدنامہ کی ہر ایک دفعہ کو ناکارہ بتایا اور اُس کی توثیق کرنے سے صاف انکار کردیا۔

اس پر میر قاسم کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور وہ ایک فیصلہ کن قدم اُٹھانے پر مجبور ہوگیا۔ اس لیے مارچ ۱۷۶۳ء میں اندرونی تجارت پر ہر ایک قسم کا محصول معاف کردیا۔ اس طرح جو ناجائز فائدہ انگریز لوگ اس تجارت سے اُٹھاتے تھے یک قلم موقوف ہوگیا۔ گو ایسا کرنے میں اُس کی اپنی آمدنی میں بے اندازہ کمی ضرور ہوئی۔ کثرت رائے والے ارکان مجلس اور اُن کے حامی اس کارروائی پر دانت پیسنے لگے۔ اُنہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ نواب کا آزاد تجارت والا فرمان کمپنی کے سابقہ معاہدوں کے منافی ہے اور اُسے منسوخ ہونا چاہیئے۔ ہسٹینگز نے جواب دیا کہ "نواب نے اپنی رعایا کو ایک عام رعایت بخشی ہے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ایک بااختیار بادشاہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس رعایت کو واپس لے لے۔ یا اُس کے انکار کی صورت میں اُسے جنگ کی دھمکی دی جائے۔" لیکن کثرت رائے والے رکن جنگ کی قیمت پر بھی اپنے ارادے پر قائم تھے۔ اسی وقت ہر جگہ حکم بھیج دیا گیا کہ فوج کیل کانٹے سے لیس ہوکر تیار رہے۔ اور پٹنہ کے کارخانہ کے صدر مہتمم کو پورے اختیارات دے دیئے گئے کہ جو چاہے سو کرے۔ چنانچہ اُس نے اچانک پٹنہ پر حملہ کردیا۔

میر قاسم نے بھی ترکی بترکی جواب دیا۔ اور ایلس کو اُس کی فوج سمیت گرفتار کرلیا۔ اس کے علاوہ جو یورپین بھی اُس کے ہاتھ لگا اُس نے پکڑ لیا۔

اور انہیں بطور یرغمال پٹنہ ہی میں قید کر دیا۔ اس کے بعد جب انگریزی فوج بڑے زور شور کے ساتھ کلکتہ سے اُس کے خلاف روانہ کی گئی تو اس نے تمام قیدیوں کو بے رحمی سے قتل کروا دیا۔ جن ہندوؤں کے متعلق اُسے شبہ تھا کہ وہ انگریزوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اُن سب کو بھی موت کے گھاٹ اُتار کر اُن کی لاشوں کو (عبرت کے طور پر) لٹکوا دیا گیا۔ رام نرائن کو دریائے گنگا میں پھکوا دیا گیا ہسٹینگز لکھتا ہے کہ اُن بے شمار تکالیف اور نقصانات کے عوض جو نواب نے برداشت کئے تھے اُس کے غم و غصّہ کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اُس کی فطرتی کمزوریوں کی وجہ سے اس غم و غصّہ کی آگ زیادہ تیزی سے بھڑک اُٹھی۔ اُسے یقینی تباہی کا سامنا تھا۔ اس وقت سے لے کر اُس کا غیظ و غضب اُس وقت تک ٹھنڈا نہ ہوا، جب تک اُس نے ہر اُس شخص کو قتل نہ کر ڈالا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اُس کے دشمنوں کا حامی یا اُن سے کسی قسم کا تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے ان سب سے ایک ایک کر کے اپنا انتقام لیا۔ قصہ مختصر یہ کہ جن اقدامات کی پر زور مخالفت ہسٹینگز نے کی تھی۔ اُن کا یہ ہولناک انجام ہوا۔

کمپنی کا لشکر میجر ایڈمز کے ماتحت تیزی سے بڑھتا ہوا قلعہ پر قلعہ فتح کرتا چلا گیا۔ میر قاسم کو یہ وہم ہوا کہ اُس کے ارمنی افسروں نے غدّاری کی ہے۔ چنانچہ وہ ان سب کو قتل کروا کر اودھ کے صوبے میں چلا گیا۔ اس کے حلیف شجاع الدولہ اور شاہ عالم نے اس کی امداد کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ میدان میں بے شمار فوج لا سکتے تھے جن میں پانچ ہزار افغان بھی شامل تھے۔

جنہوں نے کچھ دنوں پہلے دہلی کو تاخت وتاراج کیا تھا۔ اُن کے پاس توپیں بھی تھیں جو یورپین توپچی چلاتے تھے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ صوبہ بہار میں ایک طویل مہم کے بعد میجر منرو نے جو میجر ایڈمز کا جانشین ہوا اُن کو بکسر کے میدان میں شکست فاش دی۔ یہ لڑائی اکتوبر ۱۷۶۴ء میں ہوئی۔ اور اس سے پہلے کمپنی کو ایسی بڑی لڑائی کبھی پیش نہ آئی تھی۔ یہ خواب موہوم کہ نواب کسی دن صوبہ بنگال کا خود مختار حاکم بن کر سلطنت کریگا شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ بلکہ یہ اُمید ہمیشہ کے لئے وہم و گمان بن کر رہ گئی۔ کمپنی اب بلا شرکتِ غیرے اور بلا خوف تردید تمام ممالک کی واحد مالک اور بادشاہ تھی۔ اودھ کی سلطنت کا دار و مدار اور مغل شہنشاہ کا وقار اُس کے رحم پر منحصر تھا۔

انگریزی قوم میں سے جو لوگ "پلاسی" اور "بلیک ہول" کے ناموں سے واقف ہیں کتنے ایسے ہیں جو یہ بتا سکتے ہیں کہ بکسر کی لڑائی کس نے جیتی اور پٹنہ کا قتل عام کس نے کرایا؟ مکالے کا خیال تھا کہ شاید اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں سے بھی دس فیصدی ایسے شخص ہونگے جنہیں اس بات کا علم ہو۔ حالانکہ پٹنہ کا قتل عام نہ صرف سفاکانہ تھا بلکہ قیمتی جانوں کے نقصان کی وجہ سے 'بلیک ہول' کے واقعہ سے بھی کہیں زیادہ ہولناک تھا۔ اور بکسر کی لڑائی ہی اس میں ایسی لڑائی تھی جسے اصلی جنگ کہا جا سکتا ہے۔ اس جنگ میں ۸۴۷ جانوں کا نقصان ہوا۔ حالانکہ فوجی نقطہ نگاہ سے پلاسی کی جنگ محض ڈھونگ ہی تھی۔ سراج الدولہ کا لشکر قدیم زمانہ کا ایک غیر منظم مجمع تھا

اُس کے سپہ سالار غدار تھے۔ وہ خود ڈرپوک تھا اور لوگ اُس سے متنفر تھے۔ اس کے مقابلہ میں بکسر میں کم ازکم اتنا تو تھا کہ انگریزوں کو ایسی فوج سے دوچار ہونا پڑا جنہیں موجودہ زمانے کی فوجی تربیت کچھ نہ کچھ حاصل تھی۔ اور مغلیہ سلطنت کی رہی سہی طاقت کا ایک اچھا خاصہ مظاہرہ تھا۔ میر قاسم اور شجاع الدولہ دونوں قابل حکمران تھے جن کا حلقۂ اختیار و اقتدار بہت وسیع تھا۔ اور جن کے دل حقیقی معنوں میں حب الوطنی کے جذبات سے معمور تھے ان کا اتحاد اُس حقیقی جدوجہد کا ثبوت دیتا ہے جو پُرانی قسم کی افواج نے کمپنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف کی۔ ان کی شکست سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی۔ کہ بنگال میں کمپنی کی بادشاہی کا مسئلہ جو ابھی تک پردۂ سیاست میں چھپا ہوا تھا آئندہ کبھی زیر بحث نہ آئے گا۔ میر قاسم کی نوابی یا شاہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ وہ نہ تو کمپنی کا حلیف رہا اور نہ نواب۔ آج سے اُس کی ہستی ہی معدوم ہو گئی۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

کمپنی کا لائحہ عمل جس کے ماتحت بکسر کی لڑائی ہوئی اور جس کے یہ نتائج برآمد ہوئے کسی گہری سوچ والی پالیسی کا نتیجہ نہ تھا نہ اس کا انحصار کسی بلند پایہ ارادوں پر مبنی تھا بلکہ یہ سب کچھ معمولی قسم کے آدمیوں کی معمولی خواہشات کے تقاضا کے ماتحت اندھا دُھند کر دیا گیا۔ ان میں سے مسٹر ٹالیس کا نام مثال کے طور پر سب سے پہلے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہسٹینگز نے پوری جدّوجہد اور پورے استقلال کے ساتھ معقولیت اور انصاف کی بنا پر ان تجاویز کی مخالفت کی تھی۔ لیکن ایک معمولی آدمی کی نفسانی خواہشات

کی وجہ سے اُس کی نیک نیّتی کے جذبات پامال کر دیئے گئے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہسٹینگز کو اقلیم ہند کا دوسرا بانی کہہ کر خوشی کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اور ایلیس کا نام گمنامی کے سمندر میں معدوم ہو چکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہسٹینگز نے اپنے مقاصد کی شکست کو اور اپنے ہمعصروں اور اہل وطن میں اپنی بڑھتی ہوئی ناپسندیدگی کو بُری طرح محسوس کیا۔ اس لڑائی سے چند روز پہلے مجلس عاملہ میں آپس کی طعن و تشنیع بہت زیادہ زور پکڑ گئی اور ایک روز تو غضب ہی ہو گیا جب ایک رکن ہیٹسن نامی نے ہسٹینگز اور وینی سٹارٹ کے متعلق یہ کہہ دیا کہ "یہ دونوں نواب کے تنخواہ دار وکیل ہیں جو اُس کے ہر فعل کی حمایت کرتے ہیں، خواہ وہ کمپنی اور قوم کے لئے انتہائی ہتک اور ذلت کا باعث ہی کیوں نہ ہوں"۔ جب ہسٹینگز نے اس الزام کا تر دیدی جواب دیا ہیٹسن نے اُس سے کہا کہ "تو جھوٹا ہے"۔ اور اُس کے منہ پر تھپڑ بھی مارا۔

میر قاسم کا بعد کا طرزِ عمل ہسٹینگز کی حوصلہ افزائی نہ کر سکتا تھا اور نہ اُس کی وجہ سے اپنے ہمعصروں سے اُس کے تعلقات استوار ہو سکتے تھے پٹنہ میں دو سو آدمیوں کے قتل کے بعد جو کچھ ہسٹینگز کے مخالفین اُس شخص کے متعلق کہا کرتے تھے جس کی وہ ہمیشہ حمایت کیا کرتا تھا، نمایاں طور پر بالکل صحیح ثابت ہوا۔ ان واقعات سے آزردہ اور مایوس ہو کر اُس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ استعفا دے کر وطن واپس چلا جائے۔ ایک طرف تو اُسے یہ مشکل درپیش تھی کہ اُسے اُسی لائحہ عمل پر چلنے کے لئے حکم دینا

پڑتا تھا۔ جس سے اُسے خود اتفاق نہ تھا۔ دوسری جانب اُسے یہ خیال تھا کہ اگر وہ کام کرتا رہے تو اس سے محکمہ کو فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا۔ کیونکہ اُس کی موجودگی کے باعث مجلس عاملہ میں اُسی چھیڑ چھاڑ اور بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ جس کی وجہ سے مجلس عاملہ کی فضا اب تک مکدر رہی ہے۔ چونکہ لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ اِس لئے اُس نے خیال کیا کہ " انگریزی رعایا کے ہر فرد کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اسے قومی جھگڑا سمجھ کر مل جُل کر کام کرے"۔ اِس لئے اُس نے اپنا ارادہ ان الفاظ میں ظاہر کر دیا۔ کہ نہ صرف لڑائی کے اختتام تک بلکہ جب تک مابعد کے خطرات جن سے کمپنی کے کاروبار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو مفقود نہ ہو جائیں وہ برابر ملازمت کرتا رہے گا"۔

مجلسِ عاملہ نے مختلف امور کے متعلق جو فیصلہ بھی کیا۔ ہسٹینگز نے ان ناگزیر حالات میں انہیں قبول کر لیا۔ میر قاسم کو معزول کر دیا گیا اور میر جعفر کو گوشہ نشینی سے نکال کر پھر گدی پر بٹھا دیا گیا۔ نمائشی اختیارات کے شوق میں بیچارے بوڑھے نواب سے جو مطالبہ بھی کیا گیا اُس نے منظور کر لیا۔ محصولات پھر سے عائد کر دیئے گئے۔ کمپنی اور اس کے ملازمین کو بدستور سابق ادائیگی محصول سے مستثنےٰ کیا گیا۔ جنگ کے خرچ کی ادائیگی کے لئے اقساط مقرر ہوئیں۔ کمپنی اور اُس کے ملازمین کے مجموعی اور انفرادی نقصانات کے لئے معاوضہ تجویز ہوا۔ اس کے علاوہ جو روپیہ اُس سے اس وقت بٹورا گیا اُس میں سے ہسٹینگز نے کوئی حصہ نہ لیا۔ ہسٹینگز بکسر کی لڑائی کی فتح تک خاموشی کے ساتھ مجلس عاملہ کی رکنیت کے فرائض ادا کرتا رہا۔ اُسکے بعد اُس نے اور دینی سٹارٹ نے استعفےٰ دیدیا۔ اور وہ دسمبر ۱۷۶۴ء میں انگلستان کو روانہ ہوگیا۔

پانچواں باب

انگلستان اور مدراس

ہسٹینگز نے پورے چار سال انگلستان میں گزارے۔ لیکن اس زمانے کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتا تھا۔ اور نہ اس بات کا علم ہے کہ وہ کیا کرتا رہا۔ البتہ ایک دلچسپ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ ہسٹینگز کی معمولی سی ملاقات ڈاکٹر جانسن سے ہوئی۔ اور گو آپس کی جان پہچان محض معمولی تھی۔ ڈاکٹر جانسن نے ہسٹینگز کو جب وہ بنگال کا گورنر جنرل تھا دو کتابیں موسومہ "سکاٹ لینڈ کے مغربی جزائر کا سفر" اور فارسی صرف و نحو مصنفہ جونز اس کو تحفتہً بھیجیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہسٹینگز نے ایک سکیم جانسن کو اس غرض سے بھیجی کہ آکسفورڈ میں فارسی زبان کا ایک پروفیسر مقرر کیا جائے۔ لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

انگلستان پہنچتے ہی اُسے اپنے لڑکے جارج کی موت کا حال معلوم ہوا۔ اب نہ تو اُس کا کوئی گھر بار تھا اور نہ ہی کوئی ملازمت۔ اور جو تھوڑا بہت روپیہ اُس کے پلے تھا وہ بھی جلد ختم ہونے والا تھا۔ ہندوستان کے پندرہ سالہ قیام میں

اُس نے نجی تجارت کے ذریعہ کوئی تیس ہزار پونڈ جمع کیا تھا۔ اپنے ہمعصر "نوابوں" کے مقابلہ میں یہ اثاثہ کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ دیانت داری کی کمائی تھی۔ گو ہسٹینگز نے بہتیرے انقلابات دیکھے تھے لیکن اُس نے کبھی ناجائز طریق سے روپیہ پیدا کرنا گوارا نہ کیا۔ اس معاملہ میں اُس کا دامن پاک تھا۔

یہ معمولی سی رقم اُس کی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے لئے بالکل ناکافی تھی کہ وہ ڈیلز فورڈ والی حویلی خرید کر اُس میں رہائش پذیر ہو۔ دو سال کے عرصہ میں اس رقم میں سے بہت کچھ خرچ بھی ہوگیا۔ جہاں تک خرچ وغیرہ کا تعلق تھا وہ ہمیشہ لاپرواہی رہا۔ وہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی کشادہ دلی سے مدد کیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنی بہن مسز وُڈمین کو ایک ہزار پونڈ دیا۔ اور اپنی ایک غریب پھوپھی کے لئے دو سو پونڈ سالانہ کے وظیفہ کا بیمہ کرادیا۔ وہ اپنے ساتھ صرف پانچ سو پونڈ لایا تھا۔ اس رقم کے خرچ ہونے میں زیادہ عرصہ نہ لگا ۱۷۶۷ء میں اُسے یہ خبر ملی کہ بقایا رقم جو وہ ہندوستان میں چھوڑ آیا تھا، ساری کی ساری ضائع ہوگئی ہے۔ کچھ تو مقروض لوگ کھا گئے، اور کچھ رقم اُس کی اپنی بدانتظامی کی وجہ سے جاتی رہی۔

اب اُس کی حالت پتلی ہوگئی۔ انڈیا ہاؤس کے ڈائرکٹر کسی صورت میں بھی اُسے دوبارہ ملازمت دینے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ بنگال کے لالچی آدمیوں کی دھڑا بندی بدستور غالب تھی۔ اُن لوگوں نے بڑی چیرہ دستی کے ساتھ اپنی ناجائز تجارتی مراعات کو قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ ہسٹینگز اور وینی سٹارٹ کو جس حقارت اور نفرت کی نظر سے کلکتہ میں دیکھا جاتا تھا

یہاں لیڈن ہال سٹریٹ میں بھی اُن کی وہی حالت تھی۔ کلائو کا اثر و رسوخ اس وقت کمپنی میں بہت زیادہ تھا۔ وہ ان دونوں کو مطلق پسند نہ کرتا تھا، اگرچہ وہ وینی سٹارٹ کا کسی زمانے میں دوست تھا۔ لیکن وہ اس بات سے ناراض تھا کہ اُس نے رام نرائن کو میر قاسم کے مقابلہ میں قربان کر دیا۔ اور اُسے اس وجہ سے بھی نفرت ہو گئی کہ وینی سٹارٹ اپنی مجلس عاملہ پر کوئی ضبط قائم نہ رکھ سکا۔ کلائو کا خیال تھا کہ وہ کمپنی کے کاروبار اور دوسرے معاملات کو نہایت اچھی حالت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن وینی سٹارٹ اور ہیسٹینگز نے ناحق اُلجھنیں پیدا کر دیں۔

وینی سٹارٹ نے جب یہ دیکھا کہ اُسے ناحق بدنام کیا جا رہا ہے تو اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ ایسا کرنے میں خود کلائو کی ذات اور رویّہ پر بھی چھینٹے پڑنے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ یہ سب کانٹے اُسی کے بوئے ہوئے تھے۔ جس کے باعث ان افسوسناک مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ جب کلائو ۱۷۶۰ء میں ہندوستان سے روانہ ہوا، اُس وقت کمپنی کا خزانہ خالی تھا۔ اور کمپنی کے ملازم روپیہ کمانے کے لالچ میں بالکل اندھے ہو رہے تھے۔ اُن کے اخلاق بالکل پست ہو چکے تھے۔ خود کلائو نے خاموشی سے بے شمار دولت سمیٹ کر ڈکار بھی نہ لی۔ اس مثال کے ہوتے ہوئے عملہ پر کوئی ضبط قائم ہی نہ رہ سکتا تھا۔ اوّل اوّل تو وینی سٹارٹ محتاط رہا کہ کلائو کی شہرت پر کوئی حرف نہ آنے پائے اور اصلی واقعات خود بخود ظاہر ہو جائیں۔ لیکن کلائو کے حامی کُھلم کُھلا اس تحریک کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے میدان میں

نکل آئے۔ اور گرما گرم اختلاف رائے شروع ہو گیا۔ ہسٹینگز چونکہ وینی سٹارٹ کا سب سے بڑا مددگار رہ چکا تھا۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ اس دھڑا بندی میں دھر لیا گیا۔ ہسٹینگز نے بنگال میں بھی وینی سٹارٹ کی وفاداری سے خدمت کی تھی۔ اس لئے یہاں بھی اُس نے پورے خلوص کے ساتھ تحریر وغیرہ کے کاموں میں وینی سٹارٹ کی امداد کی۔ اس وجہ سے اُس نے کلائو کی مخالفت مول لے لی اور یہ لازمی طور پر پہلے پہل کمزور پہلو ثابت ہؤا۔ چنانچہ اُس نے جو درخواست دوبارہ ملازمت کے لئے دے رکھی تھی اُسے ڈائرکٹروں نے نامنظور کر دیا۔

بہرحال واقعات کا رُخ بدلنے لگا۔ اور اُس کے دوستوں کی پیہم اور لگاتار کوشش کے ذریعہ حالات کچھ نہ کچھ بہتر ہونے لگے۔ کلائو اور کمپنی کے دوسرے ملازمین لاتعداد دولت اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس لئے عام طور پر اس کے متعلق یہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور بعض کو حسد بھی پیدا ہؤا۔ یہ تحریک شروع ہو گئی کہ بنگال کے خزانوں سے سارے ملک کو فائدہ پہنچنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ چند افراد ہی اُس کے اجارہ دار رہیں۔ چنانچہ دارالعوام نے کمپنی کے کاروبار کا جائزہ لینے کے لئے پہلی تحقیقات کا حکم دیا۔ اور یہ تفتیش کرنے کا بھی حکم ہؤا کہ یہ قلمرو کن حالات میں حاصل ہوئی۔ چنانچہ ۱۷۶۷ء کے موسم بہار میں ہالول۔ ہسٹینگز اور وینی سٹارٹ اور کئی دوسرے اشخاص کو حکم ہؤا کہ وہ دارالعوام کی مجلس وکلاء کے سامنے حاضر ہو کر شہادت دیں۔ بدقسمتی سے ان شہادتوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں رہا۔

لیکن ایک قول کے مطابق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہسٹینگز نے جملہ حالات کی نہایت برجستہ، عاقلانہ اور مکمل وضاحت کی۔ بعض ڈائرکٹروں پر تو ضرور یہ اثر ہوا ہوگا کہ ہسٹینگز فی الحقیقت کمپنی کا ایک نہایت ہی قابل اور باضمیر ملازم تھا۔ غالباً یہی موقع تھا جب اُس کے رویّہ اور قابلیت سے لارڈ نارتھ۔ لارڈ مانز فیلڈ اور دوسرے عمائدینِ ملک متاثر ہوئے اور جن کی قربت بعد میں اُس کو حاصل ہوئی۔

اگلے سال فرانسس سائیکس جو ہسٹینگز کی جگہ مرشد آباد میں ریذیڈنٹ مقرر ہوا تھا۔ اور جو ہسٹینگز اور کلائو دونوں کا گہرا دوست تھا۔ انگلستان واپس آیا۔ اُس نے ہسٹینگز کو نہایت ہی خستہ حالت میں پایا۔ وہ لکھتا ہے کہ "اُس کے پلّہ ایک پائی تک نہ تھی۔ اُسے فوراً ہندوستان واپس جانا چاہیئے، تاکہ اُس کی روزی کی کوئی صورت پیدا ہو۔" اُس نے کلائو سے درخواست کی کہ "اگر تم ہسٹینگز کی دوبارہ ملازمت کے بارے میں امداد نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم اُس کی مخالفت تو نہ کرو۔" کلائو نے جواب دیا کہ "مسٹر ہسٹینگز کے جو دوستانہ تعلقات مسٹر وینی سٹارٹ سے ہیں اُنہی کی وجہ سے اُنہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ وینی سٹارٹ کی سیاسی تدابیر اور خدمات کے ایسے دلدادہ ہیں کہ اُن کا صوبہ بنگال میں کسی مقام پر بھی مقرر ہونا نامناسب ہوگا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اُنہیں مدراس کی کونسل میں کوئی اچھی جگہ مل جائے۔ جہاں مجھے یقین ہے کہ وہ کامیاب رہیں گے۔"

اب کلائو اُس کے حامیوں میں سے تھا۔ دوبارہ ملازم ہونے کے لئے جو رکاوٹ تھی وہ دور ہو گئی۔ چنانچہ ۱۷۶۰ء کے آخر میں اُسے ایک حکم وصول ہوا جس کی عبارت تعریفی الفاظ سے پُر تھی۔ اُسے مدراس کی مجلس عاملہ میں نائب صدر کے عہدے پر مقرر کیا گیا اور یہ اُمید بھی دلائی گئی کہ صدارت کا عہدہ جب خالی ہو گا اُسی کو دیا جائے گا۔ اُسے اس سے بہت خوشی ہوئی۔ اس تقرری کی وجہ سے طویل بیکاری کا زمانہ ختم ہو گیا۔ مایوسی جاتی رہی اور بڑھتی ہوئی تنگدستی اور عسرت بھی دُور ہو گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ہندوستان جانے کے خرچ اور ضروری سامان کی خرید وغیرہ کے لئے اُس کو قرض لینا پڑا۔ لیکن اب اچھے دن آ گئے تھے۔ وہ خوشی خوشی مارچ ۱۷۶۹ء میں "ڈیوک آف گریفٹن" نامی جہاز میں سوار ہو کر عازم ہندوستان ہوا۔

اٹھارویں صدی میں ہندوستان کا بحری سفر عذابِ جان ہوا کرتا تھا۔ اُس زمانے کی تکالیف۔ کوفت اور خطرات کا اعادہ ہمارے موجودہ زمانہ میں بھی ہوا ہے۔ جب ہندوستان پہنچنے کے لئے ضرورت سے کہیں زیادہ لدے ہوئے جہازوں کو بحرالکاہل کی راہ سے پہلے امریکہ اور پھر وہاں سے راس امید تک واپس ہوتے ہوئے مہینوں لگ جاتے تھے۔ اور بعض اوقات تو یہ جہاز راستے ہی میں عدم پتہ ہو کر گم ہو جایا کرتے تھے۔ ہسٹنگز کے زمانے میں ایسے بحری سفر کی تکمیل میں کم از کم چھ ماہ صرف ہو جایا کرتے تھے۔ راستے میں اگر خطرہ نہیں تو صبر آزما اور روح فرسا تکلیف تو بے حد ہوا کرتی تھی۔ ہسٹنگز بڑے درد کے ساتھ اس سفر کا ذکر کرتا ہے۔ کہ معدہ ہمیشہ خراب رہتا تھا، اور سر چکر اتا رہتا تھا۔ ایک

چھوٹے سے جہاز میں سفر کرنے سے یہی حالت ہُوا کرتی ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ خراب موسم میں چھوٹے جہاز میں سفر کرنے سے زندگی نہ صرف بدمزہ بلکہ غیر محفوظ بھی تھی۔

اِس جہاز" ڈیوک آف گرلفیٹن" کے سفر میں ایک قبول صورت جرمن خاتون بیرونس راٖمہوف کی موجودگی سے خوش وقتی کا سامان ضرور پیدا ہوگیا۔ یہ خاتون اپنے خاوند اور بچے سمیت ہندوستان جارہی تھی۔ یہ بیرن فرانکونیا کا باشندہ تھا اور اُس کی مالی حالت خراب ہوچکی تھی۔ وہ تھوڑا بہت مصوّری کا کام جانتا تھا۔ اور اُسے اُمید تھی کہ اس کے ذریعہ وہ نوابانِ بنگال میں کوئی ذریعہ معاش پیدا کرلے گا۔ بحری سفر میں ہسٹینگز بیمار ہوگیا۔ اور بیرونس نے اُس کی تیمارداری کی، اور اُن کی آپس میں محبت ہوگئی۔ بیرن راٖمہوف اپنی بیوی کے متعلق عام طور پر بے پرواہی رہا کرتا تھا۔ نہ اُسے اُس سے محبت تھی نہ نفرت اور نہ اُس کے متعلق کوئی تقاضائے غیرت۔ اُس نے اس میل جول سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ہسٹینگز کا سب سے پہلا سوانح نگار کتا ہے" لکھتا ہے کہ" جرمنی کے پروٹسٹنٹ مذہب کا آئین شادی کی پابندیوں کے متعلق سخت رکاوٹ کا باعث تھا، ہسٹینگز اپنے ولولہ شوق کے باعث اُس پر قائم نہ رہ سکا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ بیرن اور ہسٹینگز کا اس معاملہ میں خوشگوار سمجھوتہ ہوگیا۔ یہ خاتون فوراً ہی اُس کے قبضہ میں نہ آئی بلکہ بیرن کو کمپنی کی ملازمت میں ایک جگہ دے دی گئی۔ اور کوئی دو سال تک دونوں میاں بیوی اکٹھے ہی رہے یعنی پہلے مدراس میں اور

بعد ازاں کلکتہ میں۔ البتہ ہسٹینگز اُن کے ہاں برابر آتا جاتا رہا۔ پھر ۱۷۷۶ء میں کمپنی کے ایک حکم کے مطابق بیرن کو واپس بلا لیا گیا۔ اور اُس وقت کسی فیصلہ کُن اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ بیرونس ہندوستان ہی میں رہے اور بیرن جرمنی واپس جا کر ہسٹینگز کے خرچ پر اپنی بیوی کیخلاف طلاق کا دعویٰ دائر کر دے کہ اختلاف مزاج کی وجہ سے تفریق شرعی ضروری ہے اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہسٹینگز نے بیرن کو یورپ واپس جانے کے لئے اتنا کافی روپیہ دیا ہوگا جو اُس کو مصوری کے پیشہ میں رہ کر شاید خواب میں بھی حاصل نہ ہوتا۔

بیرن کی روانگی کے بعد ہسٹینگز اور بیرونس کی صورتِ حالات کچھ غیر یقینی اور مشتبہ سی تھی۔ لیکن یہ بات کسی خاص بدنامی کا باعث نہ ہوئی۔ طلاق حاصل کرنے میں کافی سے زیادہ تاخیر ہو گئی۔ یعنی ۱۷۷۵ء تک ڈگری حاصل نہ ہو سکی۔ اور چند موہوم وجوہات کی بنا پر ہسٹینگز کو اس کی اطلاع ۱۷۷۷ء تک جب وہ کلکتہ میں تھا نہ پہنچ سکی کہ وہ شادی کر سکتا ہے اس عرصۂ دراز میں ہسٹینگز نے جس صبر و تحمل سے کام لیا، وہ سراسر قابلِ ستائش اور اپنی آپ نظیر ہے۔

افادیت پسندی کے نظریہ کے مطابق یہ شادی نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسی خوش کن شادیاں دنیا میں شاذ و نادر ہی ہوا کرتی ہیں۔ ہسٹینگز کو اپنی دوسری بیوی سے بے حد گہری اور سچی محبت تھی۔ اُسے اُس سے ناقابلِ زوال عشق تھا۔ جو آخری دم تک قائم رہا۔ دونوں ایک دوسرے

سے خوش تھے۔ راھبوف نے بھی جو اپنی بیوی سے بے پرواہ رہا کرتا تھا، اپنی
مالی حالت درست کر کے اپنی جاگیر دوبارہ حاصل کر لی۔ اُس نے بھی دوسری
شادی کر لی۔ اُس کے دو بیٹیوں کو جو پہلی بیوی سے تھے ہسٹینگز کے خرچ پر
بہترین تعلیم و تربیت حاصل ہوئی۔

آخر یہ خاتون جس نے تقریباً پچاس برس تک ہسٹینگز کو اپنا بندۂ بے دام
بنائے رکھا، کس قسم کی عورت تھی؟۔ بلا شک و شبہ وہ خوبصورت عورت تھی۔
اور اُس کے خط و خال کی خوبصورتی نہ صرف ادھیڑ عمر تک بلکہ بڑھاپے تک قائم
رہی۔ وہ بڑی باتمیز خاتون تھی۔ اور نہ صرف کلکتہ کے ماحول ہی میں وہ مقبول تھی بلکہ
شاہ جارج سوم اور ملکہ چارلوٹی بھی اس کے قدردانوں میں سے تھے۔ فلپ
فرانسس نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ "وہ بلاشبہ ایک مہذب اور قابلِ قدر
خاتون ہے۔" البتہ اُس کے متعلق عورتوں کی رائے زیادہ اچھی نہ تھی۔ بعض کہتی
تھیں کہ "وہ مغرور ہے۔ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتی ہے۔ اور بناؤ سنگار اور
لباس پر فضول روپیہ خرچ کرتی ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی وجاہت
کا اثر ڈالنے کی خواہشمند اور قیمتی لباس و زیورات کی دلدادہ تھی۔ البتہ یہ
امر مشکوک ہے کہ آیا وہ اپنے خاوند کی شہرت برقرار رکھنے کے لئے کافی
سے زیادہ محتاط تھی یا نہ۔ یہ تو سب کو معلوم تھا کہ ہسٹینگز دل و جان سے
اُسے چاہتا تھا۔ اس لئے سائلین نے اپنی درخواستوں اور عرضداشتوں کو
منظور کرانے کی غرض سے اُسے اپنا آلۂ کار بنائے رکھا۔ اور وہ اس کے
معاوضہ میں آزادی کے ساتھ جو کچھ اُن سے ملتا قبول کر لیا کرتی تھی۔ اُس کے

متعلق البتہ ایک بات نہایت دلچسپ ہے۔ کہ وہ کبھی بھی اچھی طرح انگریزی
بولنے کے قابل نہ ہوئی۔ ہسٹینگز نے اُس کے متعلق ایک دفعہ لکھا کہ یہ
بات عجیب ہے کہ جب کبھی وہ انگریزی بولتی ہے۔ وہ اُن الفاظ کا صحیح
مطلب نہیں سمجھ سکتی جو روزمرہ استعمال میں آتے ہیں"۔ گفتگو کا یہ طریقہ غالباً
نفی اثبات کا مضحکہ خیز مجموعہ ہوگا۔ عام طور پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے
کہ وہ انگریزی سے پورے طور پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس زبان کو عمداً
اس طرح استعمال کرتی ہو جو اُس کی نسوانی خوبی کو زیادہ مقبول بنادے۔
بیگم ہسٹینگز کی عمر دوسری شادی کے وقت کوئی تیس برس کی تھی اور
وہ نوئے برس کی عمر تک زندہ رہی۔ البتہ ہسٹینگز کو یہ مایوسی ضرور ہوئی
کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

ہسٹینگز نے کوئی دو سال مدراس میں گزارے۔ غالباً سرکاری خدمت
کے دوران میں یہی دو سال تھے جو پُر امن اور اطمینان بخش تھے۔ وہ اپنے گورنر
مسٹر ڈوپرے سے بے حد خوش تھا اور اُسے یہ خوشی بھی حاصل تھی کہ
مجلس عاملہ کے ارکان آپس میں ہر طرح متحد و متفق الرائے تھے۔ اُس کے
سابقہ اور آئندہ تجربات سے اس صورت حالات کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ وہ
لکھتا ہے کہ "مجھے ایسے خوش مزاج اور کشادہ دل آدمی پھر کبھی نہیں ملے"۔
مجلس عاملہ کا نائب صدر ہونے کی حیثیت سے اُس کے ذاتی فرائض
میں اُس مال کی نگرانی بھی شامل تھی جو اس ملک سے خرید کر یورپ کو بھیجا جاتا
تھا۔ اور اس کام پر اُس نے پوری توجہ مبذول کی۔ کمپنی کے عہدہ داروں کی

غفلت یا بددیانتی کی وجہ سے مدراس کے برآمد کے مال میں بلحاظ مقدار و خوبی بڑی کمی واقع ہوگئی تھی۔ ہسٹینگز نے اس قسم کے مال کے حصول کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں کیں۔ اُس نے ٹھیکہ داری کا طریقہ منسوخ کرکے گماشتوں کے ذریعہ براہِ راست خرید کا سلسلہ شروع کیا اور اس کام پر داروغہ توشہ خانہ کو براہ راست نگران مقرر کیا۔ جن لوگوں کے مسلمہ مفاد کو نقصان پہنچتا تھا اُنہوں نے بہتیرا واویلا کیا اور ان تبدیلیوں کی سر توڑ مخالفت بھی کی۔ لیکن ہسٹینگز نے اپنی اصلاحات جاری کر ہی دیں۔ ڈائرکٹروں نے ان خدمات کا اچھے الفاظ میں اعتراف کیا۔

مجلس عاملہ کے عام کاروبار میں ہسٹینگز نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مسٹر ڈوپرے کی غیر معمولی قابلیت اور انہماک کی وجہ سے مجھے کبھی اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ میں اپنے محکمہ کے کاروبار کے علاوہ کسی معاملہ میں دخل دوں۔" وہ صرف مسٹر ڈوپرے کی تجاویز کی تائید کرتا رہا۔ البتہ اُس نے جنوبی ہندوستان کی سیاست کا خوب مطالعہ کیا۔ اور وہاں کی بارسوخ شخصیتوں سے بھی مراسم پیدا کئے۔ اور یہ تجربہ بعد میں اُسے بے حد مفید ثابت ہُوا۔

ہفت سالہ جنگ یورپ کے باعث فرانسیسیوں کا اثر و رسوخ بالکل جاتا رہا۔ خود کرناٹک میں انگریزوں کا نامزد کیا ہُوا نواب محمد علی گدی نشین تھا اسی طرح نظام کے دربار میں بھی فرانسیسیوں کی بجائے انگریزی اثر اور دبدبہ کارفرما تھا۔ جنوبی ہندوستان میں اب فرانسیسی حریفوں کا تو کوئی خطرہ نہ تھا

بلکہ اصلی خطرہ یہ تھا کہ محمد علی کی حمایت کی وجہ سے کمپنی کا اپنا پردہ فاش ہو چکا تھا کہ اُس کی پشت پر اصلی طاقت یہی ہے۔ یہ خضر صورت ابلیس سیرت نواب جو کمپنی کا قرض ادا کرنے کی غرض سے کمپنی ہی کے ملازموں سے زیادہ سُود کا لالچ دے کر روپیہ بٹور لیا کرتا تھا۔ بظاہر بڑا خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس کی حیثیت میر جعفر سے قدرے زیادہ کٹھ پتلی نواب کی تھی۔ کمپنی گو ابھی تک محض تجارتی ادارہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن یہ خطرہ ضرور لاحق تھا کہ ارد گرد کے دوسرے حکمرانوں کی غارتگرانہ منصوبہ بندی کی وجہ سے کہیں کمپنی کو بھی کسی جھگڑے میں حصّہ نہ لینا پڑے۔ نظام۔ مرہٹوں اور زیادہ تر حیدر علی کی جانب سے یکے بعد دیگرے نواب محمد علی والئے کرناٹک کو دھمکیاں مل چکی تھیں۔ حیدر علی ایک فسادی من چلا مسلم نوجوان تھا۔ جو محض اپنی ذہانت کی وجہ سے میسور کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ ہسٹینگز کے مدراس پہنچنے سے کچھ پہلے کمپنی کو خواہ مخواہ اُس کے خلاف بے فائدہ جنگ کرنی پڑی تھی۔ جس میں بے انداز روپیہ خرچ ہُوا تھا اگرچہ اُسے کئی مڈبھیڑوں میں شکست ہوئی۔ لیکن اُسس نے کرناٹک کے وسیع علاقہ کو برباد کر دیا۔ اور اچانک مدراس کے قریب و جوار میں ظاہر ہو کر خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ گو صلح بہت جلد کر لی گئی۔ لیکن اس وجہ سے جو سراسیمگی پیدا ہوئی اور جو تباہی آئی اُس کا ہسٹینگز کے دل پر بہت گہرا اثر ہُوا۔ چنانچہ نو برس بعد یہی واقعہ پھر پیش آیا۔

ہسٹینگز مدراس میں صرف دو سال رہا۔ ۱۷۷۱ء کے اختتام کے قریب اُسے اطلاع ملی کہ ڈائرکٹروں نے اُسے صوبہ بنگال کا انتظام سنبھالنے کیلئے

منتخب کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ عزّت افزائی نہ صرف بلا طلب بلکہ خلاف توقع بھی تھی" ۱۷۷۲ء کے شروع میں وہ کلکتہ روانہ ہُوا۔ وہ مدراس میں خوش تھا اور اس دوستانہ ماحول کو چھوڑتے وقت اُسے افسوس ہُوا، لیکن بنگال سے اُسے قدرتی دلچسپی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس ترقی کے ذریعہ اُسے اپنی قابلیت دکھانے کا خوب موقع ملے گا۔ اُس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ "اس تبدیلی سے اُسے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ خدا معلوم یہ فخر کے جذبات ہیں یا بنگال کی کشش کہ مَیں اس تقرری پر بہت خوش ہوں"۔

چھٹا باب

بنگال میں صورتِ حالات

یہ کیسی عجیب بات تھی کہ وہی ہسٹینگز جس کے متعلق تین سال قبل کلائیو کی یہ رائے تھی کہ وہ وینی سٹارٹ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا ہے اور بنگال میں کسی عہدے پر مقرر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ آج گورنری کے عُہدے کے لئے چنا گیا۔

اس کی جزوی وجہ تو یہ حقیقت تھی کہ ہسٹینگز کے انگلستان روانہ ہونے کے بعد ہی یعنی ۱۷۶۹ء میں کمپنی کے ڈائرکٹروں میں اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک زبردست ڈائرکٹر سیلوان نامی کی سرکردگی میں ایک گروہ نے کمپنی کے کاروبار پر قبضہ کر لیا۔ سیلوان نہایت بیباک مگر قابل انسان تھا۔ اور کلائیو کا سخت مخالف تھا وہ عرصہ سے کلائیو کی منصوبہ بازی۔ سیاسی دست درازی اور بالخصوص اُس کی مبالغہ آمیزی اور لاف زنی سے بیزار تھا کہ بے حد اور بے شمار دولت کمپنی کے حِصّے میں آئے گی جو کبھی حاصل نہ ہوئی۔ جس قدر اُسے کلائیو سے نفرت تھی جسے وہ کمپنی کے جملہ مالی مصائب کا واحد ذمہ دار سمجھتا تھا اُسی قدر وہ، ہسٹینگز اور

وینی سٹارٹ سے قدرتی ہمدردی رکھتا تھا۔ سیلوان نے اختیار و اقتدار حاصل کرتے ہی وینی سٹارٹ پر مہربانی کرنی شروع کردی۔ اور ہیسٹنگز کی اپنی حیثیت بھی مضبوط ہوگئی۔ کیونکہ جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اب کلائو بھی ہیسٹنگز کا مخالف نہ تھا۔

اس کے علاوہ کمپنی کو اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ بنگال میں کاروبار سنبھالنے کے لئے کوئی قابل آدمی مقرر کیا جائے۔ وینی سٹارٹ نے تنبیہ کی تھی کہ" اس ملک میں فتوحات تو آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان فتوحات کے ذریعہ روپیہ حاصل کرنا مشکل کام ہے"۔ یہ تنبیہ حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکی تھی۔ حالت یہ تھی کہ بنگال کی مبینہ دولت کا مالک ہونے کے باوجود کمپنی کو منافع تقسیم کرنے کے لئے رقم خطیر بطور قرض لینی پڑی۔ بدانتظامی۔ ظلم و تعدّی کی شکایات آئے دن سننے میں آتی تھیں۔ کیا حصہ دار، اور کیا عوام الناس سب کے سب ان باتوں کو سن کر مشتعل ہوتے تھے۔ یہ ظاہر تھا کہ ایسی صورت میں سارے نظام کی تجدید ہو لیکن ڈائرکٹروں کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اصل نقائص کیا ہیں۔ صحیح علاج کا تو کیا ذکر۔ اپنی بے خبری کو تسلیم کرتے ہوئے اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ان امور کی تحقیقات کے لئے تین کمشنروں کو پورے اختیار دے کر موقع پر بھیجا جائے تاکہ جو اصلاحات وہ مناسب سمجھیں نافذ کردیں۔ جو آدمی اس کام کے لئے چُنے گئے اُن میں سے ایک تو وینی سٹارٹ تھا اور دوسرے دو کلائو کے حمایتی سیکرفٹ اور کرنل فورڈ تھے۔ ۱۷۶۹ء کے آخر میں یہ لوگ انگلستان سے روانہ ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اُن کا کچھ حال

معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گئے۔ جب کامل ایک سال گذر گیا تو ڈائرکٹر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اُن کا جہاز کہیں ڈوب گیا۔ اور اب نئی تجویز کرنی چاہیئے۔ اب اُن کی توجہ ہسٹینگز کی جانب مبذول ہوئی۔ اُس سے زیادہ موزوں شخص اور کون ہو سکتا تھا اُس کی قابلیت۔ محنت اور راستبازی مسلمہ تھی۔ بنگال کا چودہ سال کا تجربہ بھی اُسے حاصل تھا۔ وہ وینی سٹارٹ آنجہانی کا قابل اعتماد نائب اور مددگار رہ چکا تھا۔ اور سیلوان اور کلاکو دونوں کو منظور بھی تھا۔

اِس طرح ہسٹینگز کا تقرر بطور گورنر بنگال منظور ہو گیا۔ اگرچہ دوٹوں کی کثرت قلیل ہی سی تھی۔ اب یہ اُس کا کام تھا کہ غیر معمولی اختیارات کے بغیر وہ کام سرانجام دے جس کے لئے کمشنر با اختیارات خاص وہاں بھیجے گئے تھے۔ یہ کام بے حد اہم تھا۔ اُس سے قبل کے ایک گورنر ویرلٹ نے اس کی اہمیت ان الفاظ میں قلمبند کی ہے۔ " لوگوں کے قلبی انتشار کو دُور کرنا۔ محنت و مشقت کا عام شوق پیدا کرنا۔ اور لوگوں کو جو فوری دولت کے حاصل کرنے کے شاندار خواب دیکھا کرتے تھے، یہ سمجھانا کہ دولت و ثروت ہمیشہ تدریجی محنت اور صبر و تحمل کے ذریعہ بڑھا کرتی ہے۔" بیشک کام یہی تھا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بنگال میں محض نام نہاد حکومت تھی۔ ہسٹینگز کا یہ کام تھا کہ اسے دوبارہ قائم کرے۔ لوگ فاقہ کشی میں مبتلا اور جور و ستم کا شکار تھے۔ ہسٹینگز کا یہ کام تھا کہ اُن کو سنبھالے اور اُن کی حفاظت کرے۔ کمپنی اب تک ایک تجارتی ادارہ سمجھا جاتا تھا۔ اُس کا یہ کام تھا کہ اُسے سلطانی اور شاہی کا مرتبہ دے۔ بیشتر اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ ہسٹینگز نے اپنا کام کیسے شروع کیا یہ ضروری معلوم ہوتا

ہے کہ پہلے بنگال میں اُن واقعات و حالات کا مختصر ذکر کر دیا جائے جو ۱۷۶۲ء میں وینی سٹارٹ اور ہسٹینگز کے چلے جانے کے بعد اب تک یہاں پیش آئے۔

انگلستان میں کمپنی کے ڈائرکٹر وینی سٹارٹ کی مجلس عاملہ کے باہمی اختلافات اور کمپنی کے بہت سے ملازمین کی کھُلی بد دیانتی کے حالات سُن کر بے حد پریشان تھے۔ میر قاسم کے خلاف جنگ و جدل اور پٹنہ کے قتل عام کی وجہ سے اُن میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے نزدیک اِن تمام مشکلات کا واحد حل یہی تھا۔ کہ کلائیو کو دوبارہ ہندوستان میں بھیجا جائے۔ چنانچہ وہ وینی سٹارٹ اور ہسٹینگز کے چلے جانے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی بنگال پہنچ گیا۔ اس وقت بنگال کے خطرات دُور ہو چکے تھے اور میر قاسم بے چارگی کے عالم میں پناہ گزین ہو چکا تھا۔ لیکن دہلی کے دست نگر شہنشاہ شاہ عالم اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے ابھی مفاہمت کی ضرورت تھی۔ کلائیو نے اپنی مسلمہ ذکاوت اور دانائی کو کام میں لاتے ہوئے کمپنی کو بڑھتی ہوئی سیاسی ذمہ داریوں میں اُلجھانے سے انکار کر دیا۔ الہ آباد کے عہد نامہ کی رُو سے شجاع الدولہ کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا بہت سا علاقہ کمپنی کو تاوان ادا کر کے پھر سے سنبھال لے اور آئندہ کے لئے دوستی اور اتحاد رکھے۔ یہ عین تدبیر کا کام تھا اس کے ذریعہ اودھ ایک ایسی ریاست بن گئی جو کمپنی کی امداد سے کمپنی کے مقبوضات بنگال اور خطرناک مرہٹہ طاقتوں کے درمیان مفید اور مضبوط رکاوٹ کا کام دے سکے۔

البتہ کلائیو نے شاہ عالم کے ساتھ جو فیصلہ کیا وہ زیادہ قابل اعتراض ہے۔ شاہ عالم کی

نہ تو کوئی قدر و قیمت تھی اور نہ وہ کسی طاقت کا مالک تھا۔ سوائے اپنے نام اور شاہی خطاب کے اُس کے پاس دھرا ہی کیا تھا۔ اُس کی اہمیت ایک سن چلے قسمت آزما سے زیادہ نہ تھی۔ اُس کی خواہش یہ تھی کہ کمپنی اُس کو کچھ فوج دے جس کی مدد سے وہ دہلی پر قابض ہو جائے۔ کلائو سے پہلے حکمران جنہوں نے فوری دولت جمع کرنے کے رنگین خواب دیکھ رکھے تھے اُس کی تھوڑی بہت حوصلہ افزائی بھی کر رکھی تھی۔ کلائو نے اس قسم کی احمقانہ مہموں میں حصّہ لینے سے صاف انکار کر دیا، مگر مفت کرم داشتن کے طور پر اُس نے کورا اور الٰہ آباد کے دو اضلاع اُس کے حوالے کر دیئے۔ محض یہی علاقہ تھا جو حقیقی معنوں میں اُس کے قبضہ میں آیا۔ ورنہ وہ صرف نام ہی کا بادشاہ تھا۔ اس کے علاوہ بنگال کے دیوانی اختیارات کمپنی کے حق میں حاصل کرنے کے عوض ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کا خراج دینا بھی منظور کر لیا۔ اور اس طرح ایک بیکار ردّی کا غذ یعنی شاہی فرمان کے عوض بنگال اور بہار کے صوبوں کی آمدنی پر ایک غیر ضروری بوجھ ڈال دیا۔ کمپنی کو تو پہلے ہی سے ان صوبوں میں شاہی اقتدار حاصل تھا۔ ایک نام نہاد بادشاہ سے دیوانی کے اختیارات حاصل کر کے اُس کی اصلی حیثیت میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ کلائو نے اس عطائے سلطانی کو بہت بڑی کامیابی سے تعبیر کیا۔ اور لندن میں کمپنی کے حصّوں کی قیمت کہیں سے کہیں بڑھ گئی۔ حالانکہ اُن کی قیمت میں نمایاں کمی ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ اس خراج کی ادائیگی کا بار لازمی طور پر انہی صوبوں کے وسائل آمد ہی پر پڑتا تھا۔ جو کمپنی کے قبضے میں تھے۔

یہ تو کلائو کی خارجی پالیسی تھی۔ اُس کی داخلی پالیسی اس سے بھی زیادہ مُبہم تھی۔ کمپنی نے دیوانی اختیارات حاصل کر کے ایک طرح سرکاری اقتدار حاصل کر لیا۔ لیکن کلائو اور ڈائرکٹر ان اختیارات کی اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کو تیار نہ تھے۔

دیوانی کا اصلی مفہوم کیا تھا؟ قدیم مغلیہ سلطنت میں دیوان صوبہ بھر میں اعلیٰ افسر مال و خزانہ ہوا کرتا تھا۔ اُس کا کام یہ تھا کہ وہ مالگذاری اور سلطنت کی ہر قسم کی آمدنی جمع کرے اور اخراجات پر بھی ضبط رکھے۔ اور چونکہ حقوق اراضی اور مالیانہ میں گہرا تعلق تھا۔ اِس لئے دیوانی مقدمات اور معاملات کے فیصلوں کا اختیار بھی اُسی کو حاصل تھا۔ اکبر کے زمانے میں بنگال جیسے دُور دراز صوبوں میں دیوان کا صرف یہ کام ہی نہ تھا کہ وہ وہاں کے نواب یا نائب السلطنت کی امداد کرے۔ بلکہ اُس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اُس پر کچھ ضبط بھی قائم رکھے تاکہ وہ زیادہ خود مختار ہو کر مرکزی حکومت کے قبضے سے نہ نکل جائے۔ نواب کے ذمہ عام انتظام نظم و نسق یعنی نظامت کا کاروبار مثلاً فوج۔ پولیس اور فوجداری انتظام وغیرہ ہوتا تھا۔ دیوان مالیات اور دیوانی انتظام کا ذمہ دار ہُوا کرتا تھا۔ لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے باعث نواب بنگال ہر عملی لحاظ سے خود مختار حکمران بن چکا تھا۔ اور ہر قسم کا انتظام خود ہی کیا کرتا تھا۔ وہ شہنشاہِ دہلی کے نامزد دیوان کو قبول کرنے کا پابند نہ رہا تھا۔ اور نظامت اور دیوانی کا امتیاز گو بالکل مٹ تو نہ گیا تھا۔ لیکن مسخ ضرور ہو چکا تھا۔

شاہ عالم نے کمپنی کو دیوانی اختیارات دے کر گویا مدت کے بھولے بسرے شاہی اختیار و اقتدار کا اعادہ کیا۔ نواب بنگال تو پہلے ہی سے کمپنی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا تھا۔ اب اس حکم کے ماتحت بعض اور انتظامی اختیارات بھی اُس سے لے لئے گئے اور یہ اختیارات بطور دیوان کمپنی کے سپرد ہوئے۔ یہ ساری کاغذی کارروائی ہی تھی، لیکن عملی طور پر کمپنی نے ان نئی ذمہ داریوں کی چنداں پروانہ کی اور یہ سمجھتے ہوئے کہ نظام میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ڈائرکٹر کمپنی کو برابر یہی حکم بھیجتے رہے کہ حکومت کے کاموں میں کسی قسم کا دخل نہ دیا جایا کرے۔ وہ یہی خیال کرتے تھے کہ دیوان کے دفتر کا صرف یہی کام ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ فلاں رقوم نواب کے خزانہ مرشد آباد میں داخل کی جائیں۔ فلاں رقوم نواب کے منظور شدہ انتظامی اخراجات کے لئے ادا کی جائیں۔ اور جو رقوم پس انداز ہوں۔ وہ کمپنی کے خزانہ کلکتہ میں بھیج دی جایا کریں اور اس معمولی سے کام کے لئے اُنھوں نے نواب کے دربار میں اپنا ریذیڈنٹ مقرر کر دیا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ مالیانہ کس طریق سے وصول ہوتا ہے یا اُس بے شمار عملہ کی نگرانی جو اس کام پر مقرر تھے۔ یا دیوانی عدالتوں کا انتظام جو فی الحقیقت "دیوان" کے اہم فرائض میں شامل تھا۔ یہ سب کچھ اُن کے خیال کے مطابق نواب ہی کے سپرد رہے تو بہتر ہے۔

کلائو کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ فرائض نواب ہی کے ذمہ رہیں۔ اُسکی وجوہات خشک اور بے کیف تھیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ واقعی اصلی طاقت اب کلیتہً کمپنی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے پاس لاتعداد فوج بھی موجود ہے

جو ہر قسم کے خارجی حملوں کی روک تھام اور اندرونی امن کے قیام کے لئے کافی ہے۔ وہ یہ بھی مانتا تھا کہ نواب اب صرف نام نہاد نام اور اختیار کا مالک ہے لیکن اگر اب انگریز کلکٹر مقرر کئے گئے۔ یا کوئی ایسی کارروائی کی گئی جس سے انگریزی طاقت و اختیار کا مظاہرہ ہو یا کوئی ایسا کام براہِ راست کیا گیا جو نواب ہمارے اشارے پر کرسکتا ہے تو یہ بات بہروپئے کو اُس کی اصلی شکل و صورت میں پیش کردینے کے مترادف ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کمپنی اپنی صوبہ داری کا اعلان کرے۔ غیر ملکی اقوام اس پر فوراً ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کریں گی۔ اور انگریزی دربار میں شکایات پیش ہونے پر لاینحل مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

شاید یہ خیال ٹھیک ہو۔ لیکن اس قسم کی دو عملی بھی تو کچھ کم مشکلات کا موجب نہ تھی۔ یعنی آمد کے مقابلہ میں اخراجات کی زیادتی۔ عام بدنظمی اور رعایا کی مظلومیت۔ یہ نتائج ان حالات میں ناگزیر تھے کیونکہ انتظامی ذمہ داری کسی پر بھی عاید نہ ہوتی تھی۔ کمپنی جو اصلی طاقت کی مالک تھی۔ اُس نے انتظام کا سارا کام نواب اور اُس کے عملہ کے سپرد کر رکھا تھا۔ اور چونکہ اُنہیں خود کوئی طاقت یا اختیار حاصل نہ تھا۔ اس لئے وہ کسی اچھے طریق سے حکومت نہ کرسکتے تھے۔ وہ سب کے سب اسی خیال میں مست تھے کہ انتظام و انصرام حکومت جائے بھاڑ میں، جو روپیہ یا مسرت اُنہیں حاصل ہوسکتی ہے وہی کافی ہے۔ کٹھ پتلی حکومتوں کی طرح نواب کی حکومت

بھی بے حد ذلیل اور بد دیانت تھی۔ اور اس بد دیانتی اور بے ایمانی کو چار چاند لگانے والے کمپنی کے وہ ملازم تھے جو باہر ہی باہر اپنی حقیقی مگر غیر مسلمہ طاقت کا استعمال کر کے اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے تھے۔ اور جنہیں عام رعایا کے مفاد کی مطلق کوئی پروا نہ تھی۔ القصّہ یہ دوعملی ابتدا سے انتہا تک ناکام ہی رہی۔

موجودہ نواب بنگال اب پورے اٹھارہ برس کا تھا۔ کلائو کے آنے سے کچھ پہلے میر جعفر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اُس کا سب سے بڑا لڑکا نجم الدولہ اراکین مجلس عاملہ کو دستور کے مطابق تحفے تحائف دے کر اُس کی جگہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ محمد رضا خاں کو مجلس عاملہ نے اُس کا وزیر اعظم منتخب کیا اور اُس نے بھی اراکین مجلس کو اچھی خاصی رقم ادا کی۔

کلائو نے اپنی پہلی میعاد عہدہ میں اسی قسم کے تحائف قبول کر کے بیشمار دولت اکٹھی کر لی تھی۔ لیکن دوبارہ مقرر ہونے پر اُس نے اپنی قائم کی ہوئی بُری مثال کے اثرات بد کو درست کرنے کی کوشش کی۔ ڈائرکٹروں نے اُس کے ساتھ عہد نامے کے فارم بھی کر دیئے تھے کہ وہ اُس پر کمپنی کے ملازمین کے دستخط کرائیں۔ اِن اقرار ناموں میں یہ درج تھا کہ ہم آئندہ نہ تحائف قبول کریں گے اور نہ اندرونی تجارت میں حِصّہ لیں گے۔ کلائو اس گندے اصطبل کو صاف کرنے پر تل گیا اور بے نظیر جرأت اور پختہ ارادے کے ساتھ اس کام پر لگ گیا۔ تحائف کے متعلق جو قواعد تھے۔ اُن پر اُس نے سختی کے ساتھ عمل درآمد کرنا شروع کر دیا اور مجلس عاملہ کے رُکن بچّے بچّے

رہ گئے۔ جب اُس نے نہایت خفگی کے ساتھ اصرار کیا کہ جو بیشمار تحائف اراکین نے نجم الدولہ کی تخت نشینی کے موقع پر وصول کئے ہیں وہ سب کے سب واپس کریں۔ اُس نے اس بات کی مطلق پروا نہ کی کہ لوگ اُسے بُرا سمجھنے لگیں گے۔ بعض افسر اس پر بے حد برہم ہو کر عذر کر بیٹھے جسے سختی سے دبا یا گیا۔ لیکن کلائو خود اپنی گذشتہ کارکردگی کی وجہ سے اس بات کے ناقابل تھا کہ وہ لوگوں کو " فوری دولت اکٹھا کرنے کے رنگین خواب" دیکھنے سے روک دے۔ گو کھُلّم کھُلّا تحائف قبول کرنے کی رسم تو بڑی حد تک رُک گئی، لیکن وہ عام رشوت ستانی اور بد دیانتی کو بند نہ کر سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ " حرص و آز اور انتہائی بے اصولی نے تمام ملازموں کے دِل میں گھر کر رکھا ہے۔"

رشوت یا تحائف لینا اب بالکل ممنوع تھا اور ۱۷۶۸ء میں اس نقصان کے معاوضہ کے طور پر اُن کی تنخواہوں میں اضافہ بھی کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب ہسٹینگز نے گورنری کا عہدہ سنبھالا تو یہ بدی برابر جاری تھی۔ اس امر کا کافی ثبوت موجود ہے کہ اس واحد اجارہ داری کے باعث ملک میں انتہائی تباہی پھیل گئی۔

کلائو ۱۷۶۷ء میں واپس انگلستان چلا گیا اور اُس نے پیشینگوئی کی کہ بنگال کے مقبوضات سے کمپنی کو چکا چوند کر دینے والی دولت حاصل ہو گی۔ لیکن اُس کے جانشینوں ویرلسٹ اور کارٹیر نے ناگزیر گھاٹا ہی گھاٹا دکھایا۔ اب لڑائی کے بوجھ کے بغیر بھی اتنی آمدنی نہ ہوتی تھی، جس سے

عام انتظام کا خرچ چل سکے اور نہ ہی کوئی روپیہ فاضل بچتا تھا۔ جو کمپنی کے خزانے میں انگلستان بھیجا جا سکے۔ بلکہ خرچ پورا کرنے کے لئے کمپنی کے نمائندگان بنگال کو قرض اُٹھانا پڑتا تھا یا وہ سونا بیچنا پڑتا تھا جو ملک چین کی تجارت کے لئے اُنہیں بھیجا جاتا تھا۔ بُری طرح کی طرزِ حکومت تھی۔ تجارت پر کمپنی کی عاید کردہ سخت قیود کی وجہ سے اقتصادی نظام بگڑ چکا تھا۔ کمپنی کے حصّہ داروں اور مقامی ملازموں کا اصرار تھا کہ ملک سے فوری نفع حاصل ہو ان سب باتوں کی وجہ سے باشندگانِ بنگال عجیب مصیبت اور مایوسی میں گرفتار تھے۔

کمپنی کسی قسم کی ذمہ داری لئے بغیر منافعہ کی خواہش مند تھی۔ ویرلیسٹ نے جو ایک دیانت دار انسان تھا ڈائرکٹروں کو سمجھایا کہ یہ ناممکن ہے۔ اُس نے لکھا کہ "ہر عقل کا اندھا تجربہ کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ وسیع مقبوضات رکھتے ہوئے محض تاجرانہ سطح پر نفع کا خیال رکھنا اور محض منافعہ ہی کو اپنا پہلا اصول بنائے رکھنا۔ بے شمار مالیانہ وصول کرنے کے باوجود رعایا کی حفاظت وصیانت جو یہ روپیہ ادا کرتی ہے چشم پوشی کرنا ایسی متناقض باتیں ہیں۔ جو سراسر نقصان دہ۔ ہمارے قومی رویہ کے خلاف اور محض ظلم وستم کے مترادف ہیں۔" لیکن اس سبق کو ذہن نشین کرنے کے لئے وقت کی ضرورت تھی۔ وہاں یہ حالت تھی کہ انگریز ٹیکس گزاروں نے بھی اس لوٹ میں سے حصّہ طلب کرنا شروع کر دیا۔ اور ۱۷۶۷ء میں کمپنی کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ چار لاکھ پونڈ سالانہ انگریزی خزانے میں داخل کیا کریں۔

چونکہ ہندوستان اور کمپنی کا خزانہ خالی تھا۔ اس لئے اس رقم کو پورا کرنے کے لئے کمپنی کو قرض لینا پڑا۔

ویرلیسٹ اور کارٹیر دونوں نے جس طرح بھی ہوسکا کلائیو کی دوعملی کو جاری رکھا۔ میر جعفر کے بیٹوں میں سے کئی ایک یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ لیکن محمد رضا خاں برابر وزارت کے عہدہ پر قائم رہا۔ اور اصل میں وہی اس کٹھ پتلی حکومت کا اعلیٰ افسر تھا۔ تاہم ویرلیسٹ نے کچھ کچھ اپنے خیالات سے بھی کام لیا۔ وہ بردوان، مدناپور اور چٹاگانگ کے تین ضلعوں میں جو ۱۷۶۰ء میں کمپنی کے حوالہ ہو چکے تھے کام کر چکا تھا۔ یہاں کئی سالوں سے انگریز براہِ راست کل انتظام کے ذمہ دار تھے۔ اور محکمہ مال کی پیچیدگیوں کو کسی حد تک سمجھنے لگ گئے تھے۔ اور لوگوں کی فلاح وبہبود کا تھوڑا بہت احساس بھی ان کو ہوگیا تھا۔ ان ضلعوں کی حالت یقیناً بنگال کے باقی حصوں کی نسبت بہت اچھی تھی۔ جہاں انگریز محض لٹیرے تھے۔ اور مقامی حکومت کا انتظام خوف اور بددیانتی کی وجہ سے خراب تھا۔ ویرلیسٹ نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر خیال کیا کہ انگریزی ناظموں کے ذریعہ نواب کے زیر حکومت علاقہ کی اصلاح کی جائے اس لئے کلائیو کے مقرر کردہ اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک کی تمام قسمتوں میں نگران افسر مقرر کئے گئے تاکہ وہ اپنے وسیع مگر غیر مشرح اختیارات کے ذریعہ نواب کے افسروں کے کام کی نگرانی کریں۔ یہ نئی اختراع جو نیک نیتی سے جاری کی گئی تھی۔ مفید ثابت ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ ایسے مشکل اور ذمہ دار عہدوں کا تجربہ کمپنی کے ملازموں کو کہاں تھا۔ یہ نگران افسر اپنے

دلیسی عملہ سمیت ملک پر ایک اور بوجھ ثابت ہوئے۔ اور چونکہ انگریزوں کو "مہادیو" سمجھا جاتا تھا۔ یہ بوجھ ناقابل برداشت سمجھا گیا۔ لوگ اور زیادہ تکلیف محسوس کرنے لگے۔ ان عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے کمپنی کے ملازم جوق جوق آنے لگے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ اُن کو اپنی ظلم و تعدی کی تجارت کو ترقی دینے اور جلد سے جلد امیر کبیر بن جانے کے زیادہ مواقع میسّر ہو سکتے تھے۔

بعض نگران افسروں نے دولت اکٹھا کرنے کے دوران میں تجربہ بھی حاصل کیا۔ اور رعایا کے حالات معلوم کرنے میں حقیقی دلچسپی[۵] بھی لی۔ تاریخی لحاظ سے یہ لوگ موجودہ انگریز افسران ضلع (یعنی ڈپٹی کمشنر و کلکٹر وغیرہ) کے ہراول اور اُس نظام کے پیش خیمہ تھے۔ جس کی ہندوستان میں بہت قدر کی گئی۔ لیکن اس عملہ کے ابتدائی تاثرات نہایت ہی افسوسناک تھے۔ اور جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ ہسٹینگز نے ان کو بالکل ناپسند کیا۔

ویرلسٹ کے اس تجربہ سے انتظامی بددیانتی اور رعایا کی بدنصیبی اور تکلیف اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور کارٹیر کے زمانہ میں (۱۷۷۰ء) خشک سالی کی وجہ سے جو قحط نمودار ہوا، اُس میں رعایا اور راعی دونوں تباہ ہو گئے۔ اُس وقت کے مشاہدہ کرنے والوں کی رائے میں ایک تہائی یا نصف آبادی کا خاتمہ ہو گیا اور موجودہ زمانے کے مورخین کا اندازہ یہ ہے کہ آبادی کے پانچویں یا چھٹے حصّہ کا ضائع ہونا اغلب ہے۔ علاقے کے علاقے خالی ہو گئے۔ اور جو زراعت پیشہ

---

[۵] دیکھو کتاب "ہسٹینگز جنگل" مصنفہ منگٹن جونز۔ صفحہ ۶۶

لوگ بچے اُنہوں نے ڈاکہ زنی اور آوارہ گردی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ آمدنی میں کمی واقع ہوگئی اور خرچ بدستور قائم رہا۔ منافعہ کی بجائے بنگال میں قرضوں کی بھرمار ہوگئی۔ اور کمپنی کو ایسی مالی مشکلات کا سامنا ہوا کہ ۱۷۷۲ء کے شروع میں اُس نے پہلے تو بنک آف انگلینڈ سے اور بعد میں گورنمنٹ انگلشیہ سے دس لاکھ پونڈ کی رقم بطور قرض طلب کی۔

ان مایوس کن حالات کی موجودگی میں ہسٹینگز نے اپنا نیا عہدہ سنبھالا۔ اُسے خود اِس بات کا احساس تھا کہ "مشکلات اور تکالیف درپیش ہیں"۔ کلائو نے بھی اُسے لکھا کہ "آپ کی تقرری ایک نہایت ہی نازک وقت میں عمل میں آئی ہے۔ بدترین حالات کا سامنا ہے۔ اور یہ تشویش ناک خیال عام طور پر پیدا ہو رہا ہے کہ کمپنی اپنے معاملات کو اچھی طرح سنبھال نہیں سکی"۔ کلائو کو یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اس عام بدنظمی کی ذمہ داری سے اُسے بھی کچھ دُور کا واسطہ ضرور ہے۔ یہ ساری چٹھی قابلِ تعریف مشوروں سے پُر ہونے کے علاوہ مربیانہ خوش اخلاقی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ ہسٹینگز کو اُس کی کمزوریاں جتاتا ہے، کہ خود اعتمادی کی کمی ہے۔ اور مشکلات میں دشمن سے دب جانے کا رجحان زیادہ ہے۔ ہسٹینگز کے بعد کے واقعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ نکتہ چینی یقیناً دلچسپ ہے۔ پھر اشارتاً بتایا ہے کہ آپ کو صرف میرے رویّہ کی تقلید کرنی چاہیئے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "اب آپ خود موقع پر موجود ہیں اور غیر متعلق اشخاص سے آپ کو میرے رویّہ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو جائے گا میری دعا ہے کہ میری حکومت کی طرح آپ کی حکومت کو

بھی کامیابی نصیب ہو۔ اور ہر کام مستقل مزاجی اور وفا کیشی سے سرانجام پاکر کمپنی کے لئے سُود مند ثابت ہو۔ جب ہسٹینگز کو یہ خط ملا اُسے اس بات کا علم تھا کہ اُس کے پُرانے سردار سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اُس کی دو عملی ناکام رہی اور اُس کا دُور کرنا ضروری ہے۔ اُس نے اپنی حکمت عملی کی تشریح کرتے ہوئے نہایت ہی محتاط الفاظ میں جو جواب اس خط کا لکھا وہ بے حد مؤدّبانہ تھا۔ لکھتا ہے کہ "صوبہ بنگال میں کمپنی کے سیاسی مفاد کے معاملات کو آں والاجاہ سے بہتر سمجھنے والا اور کوئی شخص نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی شخص حکومت کی مشکلات اور پیچیدگیوں کا بہتر واقف ہے۔ اس لحاظ سے آں والا قدر سے بہتر رہنما اور مشیر مجھے اور کہاں مل سکتا ہے۔ مَیں آپکی مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی رہنمائی اور مشاورت کے اصولوں پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ گو بدلے ہوئے حالات کے ماتحت شاید کہیں مختلف طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے۔ میرا یہ فرض اوّلین ہوگا کہ کمپنی کا حلقہ اقتدار وسیع کئے بغیر یہاں امن اور خوش حالی کے اصولوں کو ترقی دوں۔ عدل و انصاف کے ادارے باقاعدگی کے ساتھ جاری کروں۔ کمپنی کے بڑھتے ہوئے اخراجات پر قابو پاکر اُن کی کوئی حد مقرر کردوں اور ایسے اخراجات میں کمی کروں جو غیر ملکی تعلقات اور دُور دراز کار جنگوں کی وجہ سے بڑھ گئے ہیں"۔

"ان مسائل میں سے بہتوں کے متعلق تو مجھے آں والا قدر کی اتفاق رائے حاصل ہے۔ یہ باتیں خاص طور اس لئے ضروری ہیں کہ ملک کو ۱۷۷۰ء کے ہولناک قحط اور افسوسناک اموات کی وجہ سے بے انداز نقصان پہنچ چکا ہے

اور اس نقصان کی دوسری وجہ وہ بدرگامی اور بدنظمی بھی ہے جو پہلی حکومت سے انتظام عامہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر مقرر شدہ آئین کے بغیر اپنے گماشتوں کے سپرد کر دینے کے وقت سے معرضِ وجود میں آئی۔"

ہسٹینگز خوب جانتا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ اُس کا ارادہ تھا کہ وہ کلائو کے کئے کرائے کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دے۔ اور اس معاملہ میں اُسے کلائو کی صلاح کی ضرورت نہ تھی۔

ساتواں باب

ہسٹینگز بطور گورنر بنگال

ہسٹینگز فروری ۱۷۷۲ء کے تیسرے ہفتہ میں کلکتہ پہنچا۔ لیکن ۹ اپریل تک اُس نے کارٹیر سے چارج نہ لیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ وقت پڑھنے اور سیکھنے میں گذارا۔ وہ احکام جو ڈائرکٹر وقتاً فوقتاً جاری کرتے رہے۔ اور جن پر ابھی عملدرآمد کرنا باقی تھا بے حد ضخیم تھے۔ ان کا سلسلہ ستمبر ۱۷۶۹ء سے شروع ہوتا تھا۔ جب اُن تین کمشنروں کے لئے ہدایات جاری ہوئیں جو بحری سفر ہی میں کہیں غرق ہو گئے تھے ان احکام میں ہر ممکن مضمون موجود تھا۔ جو حکومت کے عام اصولوں سے لے کر کمپنی کی تجارت کے دقیق سے دقیق پہلو کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے تھے اور جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔ کچھ تازہ مگر نہایت ہی اہم احکام ہسٹینگز کے کلکتہ پہنچنے کے بعد ہی موصول ہوئے۔

ہسٹینگز کی نجی خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ چارج لینے سے پہلے ہی اُس نے اپنی آئندہ حکمتِ عملی کے متعلق چند واضح اصول قائم کرلئے تھے

خارجی حکمتِ عملی کا ذکر تو اگلے باب میں کیا جائے گا۔ البتہ بنگال کی داخلی 'پالیسی' کے متعلق اُس کے دو بڑے مقصد تھے۔ (۱) کمپنی کے اقتدار و اختیار کا سکّہ جما کر ہر محکمہ کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری (۲) نگران افسروں کو نکال کر صرف مرکز ہی میں یورپین کنٹرول کا قائم رکھنا۔

اس سے نو برس پہلے ہسٹینگز کا یہی اصرار تھا کہ میر قاسم کے شاہی حقوق قائم رہیں۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ یہی تلقین کیا کرتا تھا کہ ان حقوق پر محض اس وجہ سے کہ انہیں ایسا کرنے کی طاقت حاصل ہے، کوئی دستبرد نہ کی جائے۔ لیکن تجربہ سے یہ ظاہر تھا کہ کمپنی اپنی طاقت کا کوئی بہروپ بھی بھرے، وہ اس معاملہ میں ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ ہسٹینگز نے اسے ناقابلِ تبدیل حقیقت کو مانتے ہوئے اب یہ خواہش کی کہ یہ طاقت کمپنی کی باقاعدہ ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرے۔ جب تک حکومت کا انتظام خفیہ طور پر نواب مرشد آباد کے غدار۔ بددیانت اور جھوٹے اہلکاروں کے ذریعہ سرانجام پاتا تھا اس قسم کی ذمہ داری کا لینا حقیقی معنوں میں ناممکن تھا۔ تاہم ماہ اپریل میں ڈائرکٹروں کے جو احکام موصول ہوئے، اُن کی بنا پر وہ کھُلم کھُلا کمپنی کے احکام کی تعمیل اپنی مرضی کے مطابق کرانے لگ گیا۔ ان احکام کے آنے سے پہلے ہی وہ اس بات کا اپنے دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ حکومت کا پایہ تخت مرشد آباد سے کلکتہ میں تبدیل کر دیا جائے۔ کیونکہ کلکتہ انگریزی طاقت کا صدر مقام تھا وہ لکھتا ہے کہ "وہ انگریزی طاقت ملک میں حکومت اور اُس کی خوش حالی کی امداد کرتی ہے۔ اس لئے جہاں کہیں بھی وہ ہو اور جہاں سے وہ اپنے احکام

جاری کرے وہی جگہ حکومت کا پایۂ تخت ہے۔ اگر پایۂ تخت کسی اور جگہ مقرر کیا جائے تو اُس کا یہ مطلب ہو گا کہ حکومت و اختیار بھی اُسی جگہ منتقل ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ و فساد اور عام لوٹ مار کی داغ بیل ڈالی جائے۔

ہسٹینگز کا پختہ ارادہ یہ تھا کہ انگریزی طاقت اور اختیارات کا استعمال کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اُس کی یہ خواہش بھی تھی کہ حکومت کا انتظام انگریزی طریقوں پر ہرگز نہ چلایا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ کلکتہ کی حدود کے سوا تمام یورپین ادارے اور تاثرات بنگال سے خارج کر دیئے جائیں۔ مالیانہ کی فراہمی اور عدل و انصاف کا اجرا بلکہ ہر ایک محکمہ کا انتظام و انصرام اُس کی رائے میں باشندگان ملک پر ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔ اُس نے یہ بھی تجویز کی کہ کوئی یورپین کلکتہ کی حدود سے باہر ماسوائے اُن کارخانوں کے جو تجارتی کاروبار کے لئے اندرون ملک میں واقع ہیں۔ رہائش پذیر نہ ہو۔ اُس کی تجویز اصل میں یہ تھی کہ فرسودہ مغلیہ سلطنت کی طرزِ حکومت پھر سے قائم کی جائے اور نواب کی جگہ انگریز گورنر معہ مجلس عاملہ جانشین ہو۔ باقی سارا انتظام ملکیوں کے ہاتھ ہی میں رہے۔ اُس کا خیال تھا کہ جو قواعد بھی اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے بنائے جائیں گے۔ اُن میں سے ایک قاعدہ بھی ایسا نہ نکلے گا جو قدیم مغلیہ سلطنت کے عروج کے زمانہ میں رائج نہ ہو یا اُس پر عمل نہ کیا گیا ہو۔ اور لوگوں کو اُس سے کما حقہٗ واقفیت نہ ہو۔

یورپینوں کو عام انتظام کے لئے ملازم رکھنے میں اُس کو سب سے بڑا

اعتراض یہ تھا کہ وہ ادرامن کا ہندوستانی عملہ اپنے اختیارات کا نہایت غلط استعمال کرتے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ یورپینوں کے عادات و اطوار میں سختی ہے۔ بلکہ چھوٹے درجے کے لوگ تو محض کندۂ ناتراشس ہیں اور بنگالی کی شریف طبیعت اُن کی درشت مزاجی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور اس وجہ سے وہ اُن پر اس قدر غالب آجاتے ہیں کہ بغیر زبردست اختیارات کے اُن کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نگران افسران کو نکال کر تمام اختیار گورنر معہ مجلس عاملہ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور اس کے ذریعہ مرکزی حکومت کو مضبوط کیا جائے، جو اعتدال کے ساتھ ان اختیارات کو رعایا کے جذبات کو ٹھکرائے بغیر استعمال کریں۔ اُسے یہ بھی شکایت تھی کہ شروع شروع میں نگران افسروں کو محض اس غرض کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ حکومت کے مختلف شعبوں کے متعلق معلومات حاصل کریں اور ملک کے موجودہ حالات سے آگاہ کریں۔ لیکن وہ تو اپنی اپنی قسمتوں یعنی علاقوں میں خود مختار بادشاہ بن کر ڈٹ گئے اور اُنہوں نے گورنر بنگال سے بھی سے زیادہ اعتماد، شان اور بڑائی پیدا کر لی۔ اُس کے خطوط میں جہاں کہیں بھی ان افسروں کا ذکر آتا ہے۔ غصّے کے شعلے بھڑکتے نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "کیا تم یہ باور کرو گے کہ مردِس کے چھوکرے بے معنی خطابوں یعنی سپروائزر، کلکٹر، جج، "حاکم" اور "حاکم اعلیٰ" کے ناموں سے موسوم ہو کر بادشاہ بنے بیٹھے ہیں۔ امتناعی احکام کی موجودگی میں اُنہوں نے ہر ضلع میں تجارت کی واحد اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ بالخصوص چاول و دیگر ضروریاتِ زندگی"۔ اور چونکہ وہ خود تجارت کے اصولوں سے محض بے خبر ہیں۔

وہ اپنے گماشتوں یعنی بنیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور بنیا ہی ہر نگران افسر کا مالک و مختار ہے۔ بنئے کو جب یورپین طاقت کا سہارا مل جائے تو وہ اکیلا ہونے کی نسبت کہیں زیادہ ظالم بن جاتا ہے۔"

اصل میں یہ "نگران افسر" یا "سپروائزر" ہی پہلا بیج تھا جس سے بعد میں "انڈین سول سروس" پیدا ہو کر پھلی پھولی۔ لیکن ہسٹینگز اپنے عہدِ گورنری کی ابتدا ہی سے اُن کو علیحدہ کرنے کی فکر میں تھا۔

بہرحال گورنری کا عہدہ سنبھالنے کے وقت ہسٹینگز کے یہ عام خیالات تھے۔ ابھی اُس نے اس کے متعلق کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا تھا کہ کمپنی کے احکام موصول ہو گئے۔ جن کی رُو سے اُس نے اپنے مصمم ارادہ کا اعلان کر دیا۔ کہ "کمپنی دیوان کا عہدہ خود سنبھال کر اپنے ملازمین کے ذریعہ ملک کی کل آمدنی کے انتظام اور نگرانی کا ذمّہ لیتی ہے۔" یہ دُور رس تبدیلی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ بنگال میں انگریزی راج کی ابتداء ہو گئی۔ ہسٹینگز کو اختیار دیا گیا کہ وہ تجاویز مرتب کر کے ان احکام کی تعمیل کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ ڈائرکٹروں کو اس تبدیلی کی اہمیت اور اس کی پیچیدگیوں کا بہت کم علم تھا۔ وہ صرف اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ محمد رضا خاں کی بد دیانتی کے باعث آمدنی گھٹ گئی ہے اور خرچ پورا نہیں ہوتا۔ اور نہ کمپنی کو کوئی نفع ہوتا ہے۔ اُنہیں توقع تھی کہ اس تبدیلی کے ذریعہ آمدنی بڑھ جائے گی۔

ان احکام کی بنا پر ہسٹینگز نے بلا تامل یہ فیصلہ کیا کہ حکومت کے ہر قسم کے انتظام کی ذمّہ داری لے لی جائے۔ یعنی دیوانی اور نظامت دونوں پر قبضہ

کر لیا جائے۔ ان دونوں محکموں کے امتیاز کی نسبت ڈائرکٹر بالکل بے پروا تھے۔ محمد رضا خاں نواب کا وزیر اعظم دونوں محکموں کا اعلیٰ افسر تھا۔ اس لئے سب سے پہلے اُس کی علیحدگی ضروری سمجھی گئی۔ یہاں ڈائرکٹروں کی امداد کام آئی۔ اُنہوں نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اسی شخص نے انہیں دہوکا دیا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کا چالان کرنے سے اُنہیں اس ردّوبدل کرنے کا کافی عذر بھی مل جائے گا۔ اُنہوں نے ہسٹینگز کو خفیہ ہدایات بھیجیں کہ اُس کو گرفتار کر لیا جائے اور اُس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ وہ اُن جرائم کی صفائی پیش نہ کرے جو اُس پر عائد کئے گئے ہیں۔ یہ الزام کچھ مبہم سے تھے لیکن ڈائرکٹروں نے ہسٹینگز کو سفارشاً مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے رضا خاں کے حاسد اور چالاک حریف نند کمار کی امداد حاصل کرے۔ اُنہوں نے لکھا کہ "آپ نند کمار کی عیاری اور چالاک طبیعت سے بخوبی واقف ہیں۔ اسے اعتماد یا اختیار کا کوئی ایسا کام سپرد کرنا جس سے اُسے خود کوئی فائدہ پہنچتا ہو یا کمپنی کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو درست نہ ہوگا۔ لیکن اگر اُس کی اطلاعات یا امداد محمد رضا خاں کے روّیہ کی تفتیش میں مفید ہو سکے تو آپ اُس کی خدمت یا تکلیف کے مطابق انعام وغیرہ کے ذریعہ اُس کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔"

یہ ہدایات کچھ بدمزہ سی تھیں۔ لیکن ہسٹینگز نے کچھ بُرا نہ مانا۔ اُس نے فوراً تعمیل کی۔ اور نہ صرف محمد رضا خاں کو بلکہ اُس کے نائب شتاب رائے کو بھی جو صوبہ بہار کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا گرفتار کر لیا۔ اُسے یہ اُمید تھی

کہ اِن مقدمات کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ لیکن آخر میں دونوں بری ہو گئے۔ مقدمے کی ساری کارروائی تکلیف دہ ثابت ہوئی اور اس کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہوا۔ تاہم وہ اس بات پر خوش تھا کہ نیا طرزِ عمل جاری کرنے سے پہلے اِن دو طاقتور افسروں سے چھٹکارا ملا۔ اُس نے ارادتاً پورے دو سال تک یہ مقدمہ جاری رکھا تاکہ اس عرصہ میں اُن کا اثر و رسوخ بالکل زائل ہو جائے۔ اس معاملہ میں اُسکی توقع کے خلاف نند کمار بہت کم مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ جب نند کمار کو یہ معلوم ہوا کہ رضا خاں کی جگہ اُسے نہیں مل سکتی تو اس کی عملی دلچسپی اور حسد کم ہو گیا۔ اُس کو بے حد مایوسی اور رنج ہوا کہ اُس کی بدفطرتی اور کمینہ پن سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُسے کسی انعام و اکرام کا مستحق نہ سمجھا گیا حالانکہ اس کی اُسے بڑی اُمید تھی۔ مقدمات کے ختم ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ ہسٹینگز کو نند کمار کی جانب سے کسی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے وساوس کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ "نند کمار کی سیاہ ضمیری اور دھوکہ بازی کی عادت کو کوئی مہربانی یا احسان دُور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اُس کا اپنا مفاد اُسے اپنی فریب دہ سیاست سے باز رکھ سکتا ہے کیونکہ اُس کی ساری عمر انہی چالوں اور اسی ادھیڑ بن میں گذری ہے۔" اُس کے اندیشے اور وسوسے درست تھے۔

نواب کے وزیرِ اعظم کو علیحدہ کرنے کے بعد اب نواب کا سوال درپیش تھا وہ نابالغ تھا اور اُس کا نام مبارک الدولہ تھا۔ ہسٹینگز کی رائے یہ تھی۔ کہ اُس کی نابالغی کا ہر ممکن فائدہ اُٹھاتے ہوئے کمپنی کا اختیار و اقتدار قائم کر

دیا جائے۔ اس لئے تمام جدید انتظامات اسی مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے
کئے جاتے تھے۔ اب تک محمد رضا خاں اپنے دوسرے فرائض کی انجام دہی
کے علاوہ نابالغ نواب کی سرپرستی۔ اُس کی تعلیم و تربیت کی نگرانی اور اُس
کے خانگی انتظام وغیرہ کا بھی ذمہ دار تھا۔ ہسٹینگز نے میر جعفر کی بڑی بیگم
مانی بیگم کو جو مبارک الدولہ کی حقیقی ماں نہ تھی۔ نواب کا سرپرست منتخب
کیا۔ مرد رشتہ داروں کی نسبت یہ انتخاب اچھا تھا۔ کیونکہ اُن کے متعلق
شبہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی وقت اپنے حقوق نہ جتا بیٹھیں اور یہی خیال
اُس کی حقیقی ماں کے متعلق بھی تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے حقوق کے متعلق
کوئی ساز باز نہ کرے۔ مانی بیگم کو سرپرست مقرر کرنے کی صورت میں ہسٹینگز
کو یقین تھا کہ یہ "خاموش نظام" ہوگا۔ اور اس میں کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔
اس کے علاوہ مانی بیگم، محمد رضا خاں کی مخالف تھی۔ اور اس لئے اُس کا
اثر اور رسوخ زائل کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔ ان فرائض میں مدد دینے کی
غرض سے نند کمار کے بیٹے گرو داس کو "دیوانِ ناظم" مقرر کیا گیا۔ یہ عہدہ
منصرم محلات شاہی سے کچھ اونچا تھا۔ اس سے نند کمار کی ہوس پوری نہ ہو
سکتی تھی۔ اگر ہسٹینگز کی منشا یہ تھی کہ وہ نند کمار کو اس جگہ کا لالچ دے کر
محمد رضا خاں کے خلاف تصرف بے جا یا خیانت کے متعلق کوئی اطلاع حاصل
کر سکے گا تو اُس کو یقیناً ناکامیابی ہوئی لیکن یہاں بھی یہی خیال کارفرما تھا
کہ نواب ایسے ماحول میں پرورش پائے جو محمد رضا خاں کے اثر و رسوخ کے
مخالف ہو۔ کیونکہ اُس شخص نے سات سال تک حکومت کی تھی۔ اور دربار میں

اُس کے بیشمار متوسلین موجود تھے۔

ہسٹینگز نے یہ تقرریاں بڑی مستعدی کے ساتھ جھٹ پٹ کردیں۔ گردداس کی تقرری کی اُس کے والد کی بُری شہرت کی وجہ سے بے حد مخالفت بھی ہوئی لیکن ہسٹینگز نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اُسے مقرر کرا ہی لیا۔ اب اُس نے نواب کے بے ضرورت عملہ کے گھٹانے کا کام جو نہایت محنت طلب اور ناگوار بھی تھا خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ہاتھیوں کی قواعد اور چڑیا خانہ کے اخراجات کو کم کرنے میں نہ تکلیف ہوئی اور نہ افسوس۔ البتہ جب وظیفہ خواروں کی فہرست میں تخفیف کا معاملہ درپیش ہُوا تو ہسٹینگز کو بھی جیسا کہ کونسل نے ڈائرکٹروں کو رپورٹ کرتے ہوئے لکھا۔ بہت دُکھ ہُوا، پُرانے رئیسوں کے خاندانوں کے سینکڑوں اشخاص جو ہماری حکومت کے محکمۂ فوج یا سول میں حقوق ملازمت سے محروم ہو چکے تھے، محض نواب کی سخاوت کے دستِ نگر تھے اور تقریباً دس لاکھ آدمیوں کو روزینہ ملتا تھا۔ ہسٹینگز کو بعض ایسے معزز اشخاص کا بھی پتہ لگا جو قدرو منزلت کے لحاظ سے نہایت اونچے درجہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اصل میں پیسہ پیسہ کو محتاج تھے۔ اس معاملہ میں اب چُون وچرا اور تامّل کی ضرورت نہ تھی۔ اس قسم کے تمام وظیفے کاٹ ڈالے گئے اور نواب کے جملہ اخراجات جس میں محکمہ فوجداری کا بہت سا خرچ بھی شامل تھا۔ ۳۲ لاکھ روپیہ سے ۱۶ لاکھ روپیہ پر آ گئے۔

نواب کا نام دلنشان صفحۂ تاریخ سے مِٹ گیا۔ اس دان سے ہمیشہ کے لئے ملک کی سیاست میں اُس کا ذکر آنا بند ہوگیا۔ اب انتظام حکومت کی

تجدید کا کام آسان ہو گیا۔

ولایت میں ڈائرکٹروں کو ایسے مہتمم بالشان کام کی وسعت اور پیچیدگیوں کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ جس کے لئے انہوں نے محض تحکمانہ لہجے میں ہسٹینگز کو یہ حکم دے دیا تھا کہ تجویز و تعمیل کرے۔ وہ خود کہتا ہے کہ جس حکومت کی نئی داغ بیل ڈالنی منظور تھی اس کے لئے جو مسالہ بھی ہاتھ میں تھا وہ سب خام نظر آتا تھا۔ اور ایسی بے ترتیبی تھی کہ خود حکومت ہی گڑبڑ معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی رہنمائی کے لئے کوئی سابقہ تجربہ نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی تجربہ والے آدمی کی امداد اُسے حاصل تھی۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ ہمیں معمولی حساب دان کی طرح کام شروع کرنا چاہیئے۔ اِس لئے ہمیں ایک ایسے منصوبہ پر عمل کرنے کی ضرورت تھی جس کی بنیاد صحیح قیاس پر قائم ہو، اُس کی آزمائش کی جائے۔ اُسی پر عمل کیا جائے۔ کچھ باتیں اختیار کی جائیں اور کچھ ترک کردی جائیں۔ یہاں تک کہ حکومت کی تشکیل مکمل ہو جائے"۔

اس سلسلہ میں نہایت ہی ضروری کام جو زیرِ غور تھے یہ تھے کہ مالیانہ سرکار کا تعین اور وصولی کیسے ہو۔ اس کے علاوہ عدالتوں کے قیام کا کام بھی ضروری تھا۔ اس عہدے کو سنبھالنے سے پہلے ہسٹینگز نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کے ذریعہ ان مضامین پر قواعد کے مسودات تیار کر رکھے تھے اور یہی مسودے آئندہ انتظامات کی بنیاد ثابت ہوئے۔

اس موقع پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے طریقۂ مال کی کچھ تشریح کردی جائے۔ جو شخص مالیانہ سرکار کے ادا کرنے کے ذمہ دار تھے اُنہیں

زمیندار کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو نسلاً بعد نسلاً زمین کی مالک چلی آتی ہے۔ اور اس اصطلاح کا کوئی صحیح انگریزی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ زمیندار عام طور پر خود ہی مالگذاری جمع کیا کرتا تھا۔ وہی مالکِ زمین ہوتا تھا اور وہی مقامی رئیس گویا کہ معجون مرکب تھا۔ سب سے پہلے تو مالگذاری جمع کرنے کی حیثیت سے وہ کلکٹر سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ اس بات کا ذمہ دار تھا کہ جو رقم وقتاً فوقتاً بطور مالیانہ قرار پا جائے وہ گورنمنٹ کو ادا کرے۔ وہ اس حد تک اپنی زمین کا مالک بھی سمجھا جاتا تھا جس حد تک اُس کا اپنا ملکیتی رقبہ ہوتا تھا۔ یعنی اس کی تھوڑی یا بہت زمین اپنی ہوا کرتی تھی۔ جسے اُسے آپ کاشت کرانے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ لیکن انگریزی نقطہ نظر سے اُس کی ساری زمینداری انگریز مالک کی حیثیت سے اُس کی اپنی واحد جاگیر نہ سمجھی جاتی تھی۔ کہ اُس کے کاشتکار اور کرایہ دار اُس کے ملازم ہوں کاشتکاروں کو ایسی زمینداریوں میں علیحدہ حقوق حاصل تھے۔ زمینداروں کا حق یہ تھا کہ وہ ساری پیداوار میں سے سرکار کا حصہ یعنی مالیانہ وصول کریں اور اس کا جتنا حصہ سرکار سے طے پا جائے وہ ادا کریں۔ اس کے علاوہ زمیندار کا یہ فرض بھی ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی اپنی زمینداری میں امن قائم رکھیں۔ اور سرسری طور پر فیصلے بھی کر دیا کریں۔ اس لحاظ سے وہ انگلستان کے جاگیردار لارڈ کی حیثیت رکھتے تھے۔

ہیسٹنگز کے زمانۂ حکومت میں دستور یہ تھا کہ ہر سال زمینداروں سے اُس رقم کے متعلق فیصلہ ہو جایا کرتا تھا۔ جو ہر ایک ادا کرنے کو تیار ہو۔

تاریخی لحاظ سے یہ دستور اُس تشخیص مالیانہ سے کچھ دُور کے واسطہ سے رہتا چلتا تھا جو اکبر کے وزیر مال ٹوڈر مل نے سولھویں صدی میں جاری کیا تھا اور اسکی مقدار تخمیناً کل پیداوار کا چوتھائی حصّہ ہُوا کرتی تھی لیکن ہسٹینگز کے زمانے میں اس دستور نے سرکار اور زمیندار کے درمیان ایک سودے کی صورت اختیار کر لی تھی اور رقم کا تعین آپس کی رضامندی سے ہُوا کرتا تھا۔ اس امر کے متعلق اطلاعات بہم نہیں پہنچ سکیں کہ زمیندار خود کاشتکاروں سے کتنی رقم ہتھیا لیا کرتے تھے۔ کم از کم انگریزوں کو اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ اور نہ ہی پختہ طور پر یہ معلوم ہُوا کہ زمین کا مالیانہ کس حد تک معقولیت کے ساتھ معیّن کیا جا سکتا ہے۔

ہسٹینگز شروع ہی میں اس بات کا بے چینی سے خواہشمند تھا کہ زمین کی پیداوار کے مطابق مالیانہ کی تشخیص منصفانہ طریق سے ہو، اور اُسے بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے مالیانہ معینہ کئی سال کے لئے مستقل طور پر تشخیص کر دیا جائے۔ تاکہ زمینداران اور کاشتکاران کو واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ ہمیں ایک معینہ رقم ادا کرنی پڑے گی۔ اور وہ اس خوف کو دل سے نکال کر کہ معینہ رقم کی ادائیگی کے علاوہ اُن سے کچھ اور وصول نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کسی قسم کا جبر اُن پر ہوگا۔ وہ اپنی اپنی اراضی میں پیداوار کو ترقی دے سکیں۔ یہ خواہش ہمیشہ اُس کے دل میں قائم رہی۔ لیکن وہ مکمل طور پر اسکی اہمیت کو نہ سمجھ سکا۔ خیر ۱۷۷۲ء میں صحیح تشخیص کرنے کے لئے کوئی مواد مہیّا نہ تھا۔ اس لئے اس کے سوا چارہ ہی نہ تھا کہ ان گھڑ

اور قابلِ عمل طریقے ہی استعمال کئے جائیں۔ اس لئے ہیسٹنگز کی مجلسِ عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مختلف زمینداریوں پر اُن کی حیثیت اور رقبہ کے مطابق وہ مالیانہ تشخیص کر دیا جائے جو وصول ہو سکے اور یہ تشخیص پانچ سال تک قائم رہے اس کے لئے ایک دورہ کمیٹی تجویز ہوئی، جس کا صدر خود ہیسٹنگز تھا تاکہ وہ سارے صوبہ میں دورہ کر کے مختلف زمینداریوں کی لگان وغیرہ کا فیصلہ کر دیں۔ اس قسم کی اجارہ داریوں کے منظور کرنے کے متعلق ارادہ یہ تھا کہ موجودہ زمینداروں ہی کو ترجیح دی جائے۔ لیکن کمیٹی گذشتہ قحط کی تباہ کاریوں کا بہت کم اندازہ لگاتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھی کہ زمیندار بہت کم لگان دینے پر آمادہ ہیں اس لئے اُنہوں نے اس قسم کی اجارہ داریوں کو نیلام کرنے کا فیصلہ کیا جس کے نتائج نہایت مشکوک تھے۔ نتیجہ نہایت افسوسناک نکلا۔ ہر قسم کے ذلیل سٹہ باز جو غریب کاشتکاروں کی کھال کھینچ کر فوری نفع حاصل کرنے کے اُمیدوار تھے میدان میں آ گئے اور اُنہوں نے بولیاں دے دے کر زمینیں حاصل کر لیں۔[1]

بولیاں حیرت انگیز طریق سے بڑھ گئیں اور بعض وقت محض بُغض و عناد کی وجہ سے اُن زمینداروں کو مصیبت میں ڈالنے کے لئے یہ بولیاں دی جاتی تھیں جو اپنی روایتی حیثیت کو قائم رکھنے کی دُھن میں تھے اور چاہتے تھے کہ یہ

---

[1] بعد میں معلوم ہوا کہ خود ہیسٹنگز کے اپنے ہندوستانی سیکرٹری نے تقریباً ۱۳ لاکھ روپیہ کی قیمت کی زمین اجارہ پر لی تھی۔

زمینیں اُنہی کے پاس رہیں۔ غرضیکہ سال دو سال ہی کے عرصہ میں ہر جگہ بھاری بقایاجات قابلِ وصولی نظر آنے لگے۔ اور بے حد مصیبت کا سامنا ہوا۔ ہسٹینگز خوب جانتا تھا کہ وہ اندھیرے میں اپنا راستہ ٹٹول رہا ہے اور غلطیاں ضرور ہوں گی۔ اُس سے اور اُس کی کمیٹی سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ اُنہوں نے آمدنی کا بہت زیادہ اندازہ لگایا اور اس کا اعادہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں ہوا جو بعد میں انگریزوں کے قبضے میں آتے رہے۔ حتیٰ کہ پورے پچھتر سال بعد جب کئی نسلوں کا جمع کردہ تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ پنجاب کے فتح ہونے کے بعد جو پہلا بندوبست ہوا۔ اُس میں بھی آمدنی کا بہت زیادہ اندازہ لگایا۔ اس لئے ہسٹینگز پر یہ الزام زیادہ سختی کے ساتھ عاید نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے دشمنوں نے ان بندوبستوں کی ناکامیابی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ان سب کا جواب دینے کے لئے تیار تھا۔ ایسے لوگوں کی نکتہ چینی خواہ کتنی درست ہو۔ ان کو اصل حالات سے واقفیت نہ تھی۔ اُس کا اپنا تجربہ اور لگاتار اِنہماک آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ وہ ان تھک طریقہ سے اپنے ٹھوس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مصروف رہا کہ منصفانہ بندوبست کے بعد وہ مقررہ میعاد کے لئے زمین کی اصلی قیمت معلوم کر کے مالیانہ کی شرح مقرر کر دے۔

اجارہ داری کی رقوم کا تعین کرنے کے علاوہ دورہ کمیٹی کا یہ فرض بھی تھا کہ وہ وصولی مالیانہ کی نگرانی کا انتظام بھی کرے اور اُس کے ساتھ عدل و انصاف کے اجراء کے لئے عدالتیں بھی قائم کرے۔ ہسٹینگز کی خواہش

کے مطابق کہ صوبہ کا دار الخلافہ آئندہ کلکتہ ہو۔ دفترِ خالصہ یعنی محکمہ مال کا سب سے بڑا دفتر اور سرکاری خزانہ کلکتہ میں منتقل کر دیا گیا۔ اور محکمہ مال کی کل شاخیں براہِ راست گورنر اور مجلسِ عاملہ کے منبط میں آگئیں۔ محکمہ مال کے کاروبار کے لئے اسی مجلس عامہ کو بورڈ آف ریونیو کا نام دے دیا گیا، اور اس کے لئے ایک علیحدہ کونسل ہاؤس۔ سیکرٹری اور دفتر بنایا گیا۔ ایک سال کے اندر اندر ہسٹینگز یہ رپورٹ کرنے کے قابل ہوا کہ نئے بورڈ آف ریونیو اور دفترِ خالصہ کا کام اچھے طریق سے سرانجام پا رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ کے قیام کے زمانہ ہی سے یہ دفتر کام کر رہے ہیں۔

مالیانہ کی فراہمی اور نگرانی کے لئے سپروائزروں کو فی الحال بحال رکھا گیا لیکن اُن کے عہدے کا نام کلکٹر رکھ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی امدادی افسر بطور دیوان مقرر کر کے اِن کی آخری علیحدگی کا بندوبست بھی کر دیا گیا۔ ہسٹینگز تو یہ چاہتا تھا کہ اُن کو یک قلم موقوف کر دیا جائے لیکن اُس نے دیکھا کہ اُن میں ڈائرکٹروں اور مجلس عاملہ کے اراکین کے اتنے بیٹے، عم زاد بھائی اور متوسلین موجود ہیں کہ اُن کا برقرار رکھنا ہی مناسب ہے تاکہ اُن کو تنخواہ سے محروم کرنے کی صورت میں نظم و نسق کے ہر اقدام کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا نہ ہو جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ "وہ بدستور اپنے عہدوں پر قائم ہیں۔ لیکن اُن کے اختیارات کم کر دیئے گئے ہیں اور اُن کی تدریجی علیحدگی کے لئے رستہ صاف کر دیا گیا ہے تاکہ ڈائرکٹر اُن کے خلاف کافی دلائل پیش کر کے اُن کی فوری واپسی کا حکم دے سکیں۔" اگلے ہی سال یہ حکم بھی آگیا اور

غالباً یہ ہسٹینگز کی خفیہ کوشش کا نتیجہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہسٹینگز کی اپنی تجویز پر کہ کلکتہ میں مرکزی ضبط و انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں ہو، اور باقی ہر جگہ ہندوستانی عملہ کام کرے۔ پورے طور پر عمل نہ ہو سکا۔ محکمہ مال کا کل انتظام ابھی ڈھیلا ڈھالا سا تھا اور مرکز کیلئے اُسے قابو اور ضبط میں رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے گو تمام اضلاع سے کلکٹروں کو ہٹا دیا گیا اور ان کا کام عارضی طور پر ہندوستانی دیوانوں کی تحویل میں دیدیا گیا۔ تاہم ان کو چھ صوبائی کونسلوں کے ماتحت کردیا گیا۔ اور ہر ایک کونسل میں کمپنی کے پانچ پانچ سینئر افسر بطور رکن مقرر ہوئے۔ غرضیکہ ہر ضلع میں یورپین انتظام کا قطعی خاتمہ نہ ہو سکا۔

یورپین طریق انتظام کے خلاف ہسٹینگز کی عدم اعتمادی اور نفرت کا اظہار کسی موقع پر نہیں ہوا، جتنا کہ اُس نے ان صوبائی کونسلوں کے متعلق کیا۔ وہ یہ بات تو مانتا تھا کہ عارضی طور پر اُن کا قیام ضروری ہے لیکن اُسے خطرہ تھا کہ یہ کونسلیں رعایا کے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ آمدنی پر ان کا بُرا اثر پڑے گا۔ اور ملک کی عام تجارت تباہ ہو جائے گی۔" اُس کی رائے یہ تھی کہ "کلکٹر ظالم ہیں اور یہ کونسلیں ہر ایک قسمت میں بجائے خود انتہائی قسم کے ظلم و ستم کا ذریعہ بن جائیں گی۔" ان کے ذریعہ ظلم و تعدی بڑھ جانے کی یہ وجہ بتائی جاتی تھی کہ ان کونسلوں کے اراکین اونچے درجہ کے افسر ہوں گے۔ جن پر قابو رکھنا گورنر کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اُس کو اس بات کا یقین تھا کہ باوجود سخت احکام کی موجودگی کے یہ لوگ تجارت کی پوری اجارہ داری

پر قبضہ کرنے سے باز نہ رہیں گے۔ اپنے نفع کے لئے زمینداروں میں لوٹ کھسوٹ مچائیں گے۔ اور اپنے اختیارات کا نہایت وحشیانہ طریق سے غلط استعمال کریں گے۔ اُسے یہ اُمید تھی کہ شاید انہیں تین تین ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ دینے سے ان بے قاعدگیوں کو کسی حد تک دُور کیا جا سکے۔ اور اُن کی حریص طبائع پر کچھ ضبط ہو سکے۔ لیکن کمپنی کے ملازمین کے نزدیک یہ شاندار تنخواہیں بھی اُن کی قوت برداشت کے لئے ناکافی تھیں (یعنی وہ ان تنخواہوں کے باوجود حرص و آز سے باز نہ رہ سکتے تھے) ہسٹینگز کو دیسی عملہ کی نسبت بھی کوئی غلط فہمی نہ تھی، لیکن دیسی دستبرد کم تکلیف دہ تھی، اور ایسے مجرموں کو آسانی سے سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ لوگوں سے وہ زیادہ میل جول رکھتے تھے اور اس لحاظ سے اُن کی زیادتی کو استبدادی انگریزوں کے ظلم و ستم پر ترجیح دی جا سکتی تھی۔

ملک کے نظم و نسق میں انگریزوں کے عمل دخل کو محدود کرنے کی کوششوں میں ہسٹینگز کو پوری کامیابی نہ ہوئی۔ کلکتہ سے باہر جب ایک دفعہ انگریز کام کر چکے تو اب اُن کا ہٹانا آسان نہ تھا۔ کیونکہ ڈائرکٹروں اور دوسرے بارسوخ اشخاص کی جانب سے برابر یہ دباؤ پڑتا رہتا تھا کہ اُن کے آدمیوں کو ملازم رکھا جائے۔ لیکن یہ کام یعنی انگریزوں کو ملازمت میں زیادہ سے زیادہ داخل کرنے کا کام ہسٹینگز کے جانشین لارڈ کارنوالس نے انجام دیا۔ ہسٹینگز برابر اسکی مخالفت کرتا رہا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دورہ کمیٹی کا یہ فرض بھی تھا کہ وہ جگہ جگہ عدل و انصاف

کی عدالتیں قائم کرے۔ اس معاملہ کے متعلق کمیٹی نے ہیسٹنگز کی تجویز کے ساتھ بلا تامل اتفاق کر لیا کہ "ملک کے قدیم قانون اور دستور کو تازہ کیا جائے اور اُن میں صرف اس قدر تبدیلی کی جائے کہ وہ زیادہ مؤثر ہو جائیں اور یہ قانون ایسے ہوں جنہیں لوگ عام طور پر پسند بھی کریں۔"

علی ویردی خاں کے انتقال کے بعد سے نظم و نسق میں خرابی اور کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ اور ملکی عدالتوں کی حالت غیر یقینی تھی۔ بہت سی عدالتوں کا مسلمہ اختیار جاتا رہا تھا اور اب عدل و انصاف کا سرچشمہ صرف زمیندار کے ظلم کی صورت میں باقی رہ گیا تھا۔ ہیسٹنگز نے معمولی جھگڑوں کا فیصلہ تو زمینداروں کے ہاتھ ہی میں رکھا۔ اور ہر ایک ضلع میں ایک باقاعدہ عدالت قائم کر دی۔ یعنی مفصل دیوانی عدالت اور باقاعدہ فوجداری عدالت۔ جرائم کی تعزیر مغل دستور کے مطابق رہی۔ دیوانی عدالت کا صدر کلکٹر ضلع ہوا کرتا تھا۔ اور اُس کی امداد کے لئے محکمہ مال کا افسر اور ہندو شاستر جاننے والا ایک برہمن بھی ہوتا تھا۔ اُس کے بعد جب کلکٹر ہٹا دیئے گئے تو اُن کی جگہ 'دیوان' آ گئے۔ فوجداری عدالتوں میں عام طور پر قانون شریعت استعمال ہوتا تھا۔ جس کے لئے قاضی اور مفتی کلکٹر کی نگرانی میں کام کیا کرتے تھے۔

ضلع کی کچہریوں کے علاوہ کلکتہ میں فوجداری اور دیوانی مقدمات کی اپیل کے لئے ایک بڑی عدالت قائم کی گئی۔ یہاں بھی مغل آئین کی تقلید کی گئی۔ جہاں تک دیوانی معاملات کا تعلق ہوتا تھا جس کے اختیارات کمپنی کو حاصل ہو چکے تھے اُن کے لئے ایک عدالت اپیل تھی، جس میں گورنر۔ مجلس عاملہ کے دو رکن اور کئی ہندوستانی

افسر شامل ہوا کرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فوجداری عدالت اپیل میں ایک ہندوستانی افسر "داروغہ عدالت" صدارت کیا کرتا تھا۔ اور اُسے نام نہاد طریق سے نواب ہی مقرر کرتا تھا۔ اس کی امداد کے لئے اسلامی شریعت کے عالم بھی مقرر تھے۔ ہسٹینگز اور اُس کی کونسل عام اور بلاواسطہ نگرانی کرتی تھی۔

ہسٹینگز اس بات کا مدعی تھا کہ "اجرائے عدل و انصاف میں پرانے دستور اور قانون میں صرف یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ دیوانی اور فوجداری معاملات میں حدِ فاصل قائم کر کے اُنہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اور اعلیٰ عدالتوں کو کلکتہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ چھوٹی موٹی تبدیلیاں اور بھی ہوئی ہیں لیکن پرانے دستور و آئین کو پورے طور پر قائم رکھا گیا ہے۔" وہ اس بات کا اقرار کرتا تھا کہ فوجداری معاملات میں دخل دینا نواب کے حقوق پر دست اندازی کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ نظامت کا اعلیٰ حاکم ابھی تک برائے نام "نواب" ہی تھا۔ لیکن وہ یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ اختیارات کی اس تقسیم سے نواب اور کمپنی کے عہدہ داروں میں نہ ختم ہونے والے جھگڑے جاری رہیں گے۔ جس کا کچھ تلخ تجربہ اُسے میر قاسم کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ اِس لئے اُس نے فوجداری عدالتوں کے قیام کے متعلق دلیری سے کام لیا۔ البتہ اتنی احتیاط ضرور برتی کہ افسروں کی تقرری سے پہلے نواب کی منظوری حاصل کر لی۔

ہسٹینگز یہ کام ختم نہ کرنے نہ پایا تھا کہ اطلاع ملی کہ بنگال میں عدل و انصاف کے نئے طریقے جاری کرنے کے لئے انگلستان سے جج بھیجے جا رہے ہیں۔ اِس خبر سے اُسے تشویش ہوئی۔ وہ اپنی خفگی میں لکھتا ہے کہ "کیا یہ بات انصاف اور

اچھی حکمت عملی کے صریح منافی نہیں ہے کہ کمبرلینڈ اور آرجائل شائر کے شرفا ایک ایسی قوم کے لائحہ عمل یا قسمت کا فیصلہ کریں۔ جو اُس کو صرف اُن لاکھوں روپے کی رقوم کے ذریعہ جانتے ہیں جو اس قوم نے ولایت والوں کو دیں"۔ اُس نے اس معاملہ میں بڑی سر دردی سے کوشش کی کہ وہ انگریزوں کی اس عام غلط فہمی کو دُور کرے کہ ہندوستانیوں کا اپنا وضع کردہ کوئی قانون ہی موجود نہیں۔ قانون شریعت اسلامی کا خلاصہ جو اورنگ زیب کے احکام کے مطابق تیار ہوا تھا (فتاویٰ عالمگیری) ہندوستان کی کل عدالتوں میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ البتہ ہندو شاستر بے حد قدیم ہونے کی وجہ سے کسی کتاب کی شکل میں منضبط نہ ہوا تھا اس لئے ہسٹینگز نے ملک کے دس مشہور و معروف پنڈتوں کو کلکتہ بلایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس ملک کی دیوانی عدالتوں کی رہنمائی اور آسانی کی خاطر ایک ضابطہ قانون تیار کر دیں۔ اس ضابطۂ قانون کا اُس نے فارسی اور انگریزی میں ترجمہ کرایا۔ اور اس کے بعض حصّے نمونہ کے طور پر ڈائرکٹروں اور لارڈ مانز فیلڈ کو بھجوائے تاکہ انہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ " اس ملک کے باشندوں کو اپنے طریق معاشرت کے قواعد کے لئے ہماری امداد کی ضرورت نہیں۔ اور نہ اُنہیں اپنے حقوق ملکیت کا معیار قائم کرنے کے لئے ہماری رہنمائی کی حاجت ہے"۔ اُس کی رائے میں یہ ان لوگوں کا مقدس حق تھا کہ وہ اپنے قانون اور طریق انصاف کو قائم رکھیں۔ اُن کو اس حق سے محروم کرنا رنج دہ شکایت کا باعث ہوگا۔ اور اُنہیں کسی نئے قانون کو قبول کرنے پر مجبور کرنا صریح ظلم کے مترادف۔ اُس کے خیال میں " نہایت غیر منصفانہ اور عجیب و غریب رسوم بھی جو

محض جہالت یا توہم پرستی کی وجہ سے اُن میں رائج ہوگئی ہوں۔ اُن نئی رسوم کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہونی چاہئیں، جن کے رائج کرنے کا ارادہ ہو۔" ان رسوم کا گہرا تعلق اُن کے مذہب سے ہے اور اس لئے بڑی خوش اعتقادی اور اعتماد کے ساتھ اُن کو اپنایا جاتا ہے۔" جب تک ہسٹینگز کا دور حکومت رہا۔ یہی خیالات غالب رہے۔ اور جو عدالتیں اُس نے قائم کیں اُنہیں پسند کیا جاتا رہا۔ اور وہ کامیاب بھی رہیں۔

ایک سال کے اندر اندر یہ کام ختم ہوگیا اور ہسٹینگز یہ لکھنے کے قابل ہُوا کہ "دفتر خالصہ کے کلکتہ میں منتقل ہوتے۔ دیوانی اختیارات کا براہ راست بلا امداد غیرے استعمال کرتے۔ نواب کے خانگی اخراجات اور موجودہ عملہ کی نگرانی اور اپنی حکومت کے ماتحت عدالتوں کے قیام سے اس ملک میں کمپنی کا اقتدار بلا مقابلہ قائم ہو چکا ہے۔ اب کوئی طاقت سوائے اپنی ہی طاقت کے اس اقتدار کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ نواب محض نام کا نواب ہے۔ حکومت کا پایۂ تخت نہایت مؤثر اور یقینی انداز میں کلکتہ میں منتقل ہو چکا ہے۔ اور اگر میں زندہ رہا اور چند سال تک اور میری حوصلہ افزائی ہوتی رہی تو وہ دن دُور نہیں کہ میں کلکتہ کو ایشیا کا سب سے بڑا شہر دیکھوں۔"

ہسٹینگز کی جن مصروفیتوں کا ذکر اوپر ہُوا اُن کے علاوہ بھی اُس نے کئی کارہائے نمایاں کیئے۔ اس کے مختلف قسم کے کاموں کا سلسلہ۔ اُس کام کی مقدار جس پر اُس نے توجہ دی اور جو اُس نے مکمل کیئے۔ اگر ان سب پر غور کیا جائے تو واقعی حیرت انگیز ہے۔ یہ سب کچھ اُس نے ۱۷۷۴ء سے پہلے

پہلے کر لیا۔ کیونکہ اُس وقت سے اُس پر پابندیاں عائد ہوگئیں۔ قحط کے تباہ کن اثرات اور مقامی حکومت کے تدریجی زوال کے باعث جب اُس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو سارے صوبۂ بنگال میں بدنظمی کا دور دورہ تھا ڈاکہ زنی عام تھی۔ اور خونیوں کا ایک عجیب و غریب گروہ جو برہنہ فقیروں یعنی سنیاسیوں کے بھیس میں پھرا کرتا تھا تمام ملک پر چھایا ہوا تھا۔ بھوٹانی بھی پہاڑوں سے اُتر آئے اور کوچ بہار کے علاقہ میں داخل ہو کر اُنہوں نے بنگال کے کئی ملحقہ ضلعوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ راجہ کوچ بہار کی درخواست پر جس نے انگریزوں کی پناہ لے کر خراج دینا منظور کر لیا تھا۔ کمپنی کی فوجوں نے بھوٹانیوں کو راجہ کے علاقہ سے نکال دیا۔ سنیاسیوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی۔ ان لٹیروں کا صحیح مسلک اور آغاز تو موہوم ہے۔ لیکن ان کا پتہ لگا کر اُن پر قابو پانا بے حد مشکل تھا۔ کیونکہ ایک تو وہ چُپکے سے جنگلوں میں غائب ہو جانے میں بڑے ماہر تھے۔ دوسرے جاہل لوگ اُن کی مذہبی ہیئت کذائی کو دیکھ کر اُن کی قدر کیا کرتے تھے۔ ہیسٹنگز نے اس معاملہ میں ذاتی توجہ دی۔ اور اُن کے خلاف فوجی کارروائی خوب کامیاب رہی۔

ڈاکہ زنی وغیرہ کے جرائم میں ہیسٹنگز کبھی رحم نہ کرتا تھا۔ یہ بُرائی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ کئی زمیندار بھی اس قسم کی سازشوں میں شریک تھے۔ اس لئے ہیسٹنگز نے اس کے لئے عبرتناک سزائیں تجویز کیں۔ اس کی رائے میں اسلامی قانون اس معاملہ میں ناکافی تھا۔ کیونکہ اُس میں اگر رہزنی کے ساتھ

واردات قتل بھی ہو تو اس صورت میں موت کی سزا کا حکم دیا جاتا تھا۔ اُس نے اپنے مصاحبوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ اگر کوئی ڈاکو مجرم ثابت ہو جایا کرے تو اُسے اُس کے اپنے گاؤں میں لے جاکر پھانسی دی جایا کرے۔ اُس کے کنبہ کے لوگوں کو سرکاری غلام بنایا جائے۔ سارے گاؤں پر جرمانہ عاید ہوا کرے۔ اور اگر عدالت کے احکام ان سزاؤں سے کچھ مختلف ہوں تو گورنمنٹ کے ایک خاص قانون کے ماتحت یہ سزائیں اُس حکم میں بڑھادی جایا کریں۔

ہسٹینگز یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ اس بدنظمی کی سب سے بڑی وجہ اقتصادی بدحالی ہے۔ اور اس بدحالی کا باعث محض قحط ہی نہیں تھا بلکہ ملک کی ساری تجارت کی مکمل اجارہ داری تھی جو کمپنی اور اُس کے ملازم ہتھیائے بیٹھے تھے یہی خیال مسٹر بیچر نے جو ۱۷۴۳ء سے کمپنی کا ملازم تھا بڑی آزادی سے ظاہر کیا ہے۔ وہ ۱۷۶۹ء میں لکھتا ہے کہ" مجھے وہ زمانہ اچھی طرح سے یاد ہے، جب اس ملک کی تجارت آزاد تھی۔ اور ملک میں عام خوشحالی تھی۔ اب میں بڑے رنج و اندوہ کے ساتھ اسی ملک کی بربادی کا منظر دیکھ رہا ہوں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کی ہر قسم کی تجارت کی واحد ٹھیکہ داری چند سالوں سے کمپنی کے نام پر دبالی گئی ہے۔" اس وقت تک کمپنی کے ڈائرکٹر بھی یہ بات بخوبی سمجھ چکے تھے کہ کمپنی اور اُس کے ملازمین نے تجارتی مراعات کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ اور اُس کے ذریعہ ملک کی اندرونی تجارت پر بھی یہ لوگ چھا چکے ہیں۔ اور یہ جوہات نہ صرف بنگال کے لئے بلکہ کمپنی کے اپنے مفاد کے لئے تباہ کن ثابت ہونگی

اب بنگال کی کل آمدنی کمپنی کی اپنی آمدنی تھی۔ کمپنی یہ نہیں چاہتی تھی کہ کمپنی کے اپنے ملازم ہی تمام محصولات سے معافی پاکر کمپنی کو نقصان پہنچائیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ کمپنی اب میر قاسم کی جانشین ہوکر اُس نقصان کو ناقابلِ برداشت سمجھنے لگی، جو اُس وقت قابلِ برداشت سمجھا جاتا تھا۔ ڈائرکٹروں نے یہ معلوم کر کے کہ اندرونی تجارت کے امتناع کے متعلق جو احکام دیئے گئے تھے۔ کمپنی کے ملازموں نے اُن کی کوئی تعمیل نہ کی۔ ۱۷۷۱ء میں یہ حکم دے دیا کہ آئندہ کمپنی کی کوئی "دستک" کسی ملازم کے حق میں جاری نہ ہوگی۔

اِن احکام سے تقویت پاکر ہیسٹنگز نے اب محکمہ چونگی کی اصلاح کی جانب توجہ دی۔ ہر قسم کے مال کی آمد برآمد کے علاوہ ملک کے تمام چونگی خانوں کی آمدنی کا جائزہ لیا گیا۔ جب ان اعداد و شمار کا مطالعہ کر لیا گیا تو ماہ مارچ ۱۷۷۳ء میں نئے قواعد کے مطابق سوائے پانچ مرکزی چونگی خانوں کے باقی سب بند کر دیئے گئے۔ اور محصول کی شرح ۲½ فی صدی مقرر ہوئی۔ دستک کا دستور بالکل اُڑا دیا گیا۔ اور یورپینوں پر جو باہر ضلعوں میں آباد تھے، پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ نئے قواعد کے مطابق اب مقامی تاجر اجنبی یورپینوں سے مقابلہ کے خوف کے بغیر ۲½ فیصدی محصول ادا کر کے بلا روک ٹوک ملک کے کسی حصہ میں تجارت کر سکتے تھے۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر سکتے تھے۔ صرف نمک اور افیون کی تجارت کے ٹھیکے بدستور سابق قائم رہے اور اُن محکموں کا باقاعدہ انتظام کر کے اُنہیں حکومت کے ضبط کے ماتحت کر دیا گیا۔

ان تبدیلیوں کے اجرا کی وجہ سے صوبہ اودھ سے بھی جس کے نواب نے تجارتی کاروبار بالکل بند کر رکھا تھا از سرِنو تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ نواب نے یہ تجارت اس خیال سے بند کر دی تھی کہ کہیں یہاں بھی انگریز اپنے ہتھکنڈے بنگال کی طرح استعمال نہ کرنے لگ جائیں۔ اور یہاں بھی وہی جور و ستم ہونے لگے جو بنگال میں ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ سے بنگال کا تجارتی تعلق شمالی ہندوستان کے سارے علاقہ سے منقطع ہو چکا تھا۔ دستک کا دستور اُٹھ جانے کے بعد ہسٹینگز دوبارہ نواب اودھ کو یقین دلا سکا کہ وہ اپنے اور بنگال کے علاقہ میں آزادانہ تجارت کا سلسلہ قائم کرے۔

ہسٹینگز نے چین اور تبت سے بھی تجارتی روابط قائم کرنے کی کوشش کی اور مسٹر بوگلے کو اپنا سفیر بنا کر لہاسہ بھیجا تاکہ دلائی لامہ سے بات چیت کرے۔ بوگلے منزل مقصود پر نہ پہنچ سکا۔ اور اس مقصد میں ناکامی ہوئی، لیکن اس ملک کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کی غرض سے جو ہدایات ہسٹینگز نے اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود بوگلے کو بھیجیں۔ اُن کے مطالعہ سے ہسٹینگز کی ذہانت طبع اور علم کی طلب کے بے پناہ جذبہ کا پتہ چلتا ہے جب اُسے یہ پتہ چلا کہ بوگلے لہاسہ میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتا تو اُس نے مذاقاً اُسے لکھا کہ "خالی ہاتھ واپس نہ آنا، خواہ وہ ممنوع اخروٹ کا ایک دانہ ہو یا چوری کیا ہُوا گلاب کا خوشبودار جنگلی پھول ہو یا شلجم کا بیج ہو جو تم نے مفت کے آنودے کر حاصل کیا ہو۔ غرضیکہ کچھ نہ کچھ اپنے ساتھ ضرور لانا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ تم اتنی مدت کہاں رہے!"

اس زمانے میں ہسٹینگز نے جو جو اصلاحات کبھی کیں اُن سب میں سے زیادہ دلچسپی ڈائرکٹروں کو اُن اصلاحات میں تھی جن کے ذریعہ کمپنی کی مالی حالت میں ترقی ہونے کے امکانات تھے۔ نواب کے اخراجات میں بے انداز تخفیف کا ذکر تو ہو چکا ہے اور آئندہ باب میں اُن مالی فوائد کا حال لکھا جائیگا جو ہسٹینگز نے اپنی خارجی حکمت عملی کے ذریعہ حاصل کیں۔ ڈائرکٹروں نے اُسے یہ حکم دے رکھا تھا کہ (۱) دیوانی اور فوجی اخراجات کی گہری پڑتال کرے (۲) بعض کمپنی کے ملازمین کے عام رویہ کے متعلق پوری پوری تفتیش کرے۔ کیونکہ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ کمپنی کا بے انداز روپیہ اُن کے ذمہ واجب الادا ہے۔

پہلا کام تو ہسٹینگز نے ایسی کامیابی کے ساتھ کیا کہ کل اخراجات میں کوئی پچاس لاکھ روپیہ کی بچت ہوئی۔ اُس کا مالی انتظام جس میں کرنسی کا اجرا اور بنک کا قیام بھی شامل تھا اور عام حسن انتظام جس پر لوگوں کو اعتماد تھا ان سب باتوں نے کمپنی کی ساکھ قائم کردی۔ چنانچہ جون ۱۷۷۳ء میں کمپنی نے بہی شرح سود آٹھ فیصدی کے مقابلہ میں پانچ فیصدی سالانہ پر قرضہ حاصل کیا۔

کمپنی کے ملازمین کی گذشتہ فروگذاشتوں کے متعلق تفتیش و تحقیق کا کام ہسٹینگز کے لئے بے حد بدمزہ تھا۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایک تو خود ہسٹینگز کے اپنے مصاحب یعنی کونسل کے رکن تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ "گذشتہ واقعات کی یاد کو اس تفتیش کے ذریعہ تازہ کرنا میرے خیالات کا خون کرنا ہے۔

مجھے اپنے کام سے مرنے کی فرصت نہیں۔ پھر اس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ شکر رنجی بڑھے اور کچھ نہ نکلے گا۔ اور حقیقی ترقی اور کام کی راہ میں یہ کارروائی رکاوٹ پیدا کرے گی۔" ڈائرکٹر اپنی حیرت انگیز حماقت کی وجہ سے اسی بات پر اڑے رہے کہ وہ یہ تحقیقات شروع کرے۔ وہ لکھتا ہے کہ "مجھے کمپنی نے ہر شخص کے خلاف مسلح کر کے ہر شخص کو میرے خلاف مسلح کر دیا ہے۔ اور پھر میرے ہاتھ میں کوئی حقیقی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے مجلس عاملہ کے رحم پر چھوڑ دیا ہے۔" وہ بڑی مصلحت اندیشی کے ساتھ اس معاملہ میں ٹال مٹول کرتا رہا اور آخر ۱۷۷۳ء کے آخر میں اُس نے کمپنی کو صاف لکھدیا کہ "میرے پاس نہ ختم ہونے والی تحقیقاتوں کے لئے کوئی وقت نہیں ہے اور نہ ان سے کوئی نفع ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کی تحقیقات سے خود کمپنی کے ایسے پول کھلیں جن سے تباہ کن نتائج برآمد ہوں۔ اور نہ صرف یہاں بلکہ خود انگلستان میں ذاتی بغض و عناد بڑھ جائے۔

گزشتہ بدعنوانیوں کا الزام کمپنی کے ملازمین پر اتنا عائد نہیں ہوتا تھا جتنا کہ اُس طریق حکومت پر عائد ہونا چاہیئے جو کمپنی کی اہم ذمہ داریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ناموزوں تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہمارے آئینِ حکومت کا کچھ پتہ پرانے شاہی فرمانوں اور دوسری اس قسم کی دستاویزوں سے چلتا ہے جن میں آپ کی اپنی تجارتی بستیوں میں آپ کے حدود اختیارات۔ آپ کے برآمد مال کی فروخت کے طریقے اور آپ کے سالانہ سرمایہ کے خرچ وغیرہ کے متعلق کچھ ذکر ہے۔ مجھے اس امر کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک

وسیع مملکت کے نظم و نسق کے لئے یہ اصول کس قدر ناکافی اور غیر متعلقہ ثابت ہوں گے۔ اور ذاتی خزانوں کے جمع کرنے والوں اور خائن اور غابن لوگوں کے خلاف یہ آئین تو بالکل غیر مؤثر ہے۔" ہسٹینگز ان معاملات کے متعلق جو کچھ بھی لکھتا تھا اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھتا تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ وینی سٹارٹ نے کئی مرتبہ ملازمین کی اس لوٹ مار کو دبانے کی کوشش کی لیکن اس کی ہر کوشش مجلس عاملہ کے معاندانہ رویہ کی وجہ سے بیکار ثابت ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک گورنر کو براہِ راست کافی سے زیادہ دبانے والے اختیارات نہ دیئے جائیں۔ کمپنی کے ملازمین کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملے۔ اور اُنہیں نجی تجارت کی اُلجھنوں میں پڑنے سے قطعی طور پر روک نہ دیا جائے۔ اس معاملہ میں کسی اصلاح کا ہونا ناممکن ہے۔ اُس کو خود تو کوئی ایسے اختیارات حاصل نہ تھے جیساکہ کلائو کو اس کے دوسرے دور میں دیئے گئے تھے یا اُن بدقسمت کمشنروں کو دیئے گئے تھے جو رستے ہی میں ڈوب مرے۔ اگر مجلس عاملہ کی کثرت رائے اُس کے خلاف کوئی فیصلہ کرتی تو وہ سوائے اس کے کہ کمپنی کو اپیل کرے اُس کے پاس اور کوئی علاج ہی نہ تھا۔ اور پھر کمپنی کے فیصلہ کے لئے مہینوں بلکہ بعض اوقات برسوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اپنے اختیارات کی اس عریانی سے بخوبی آگاہ ہونے کے باعث وہ معتمدین اپنے لالچی اور حریص حریفوں سے ٹکر لینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہی غنیمت سمجھتا تھا کہ جیسے تیسے وہ جدید نظام و اصلاحات کو اپنے مصاحبوں کی عملی امداد کے ذریعہ جاری کرادے تاکہ کمپنی تباہی اور نقصان سے محفوظ ہو سکے۔ یہ مقصد

اُن کی گذشتہ بدعنوانیوں کی تحقیق کے متعلق فوجداری عدالتیں قائم کرنے یا اچانک اُن کی بالائی آمدنی میں تخفیف کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔
یہ ہسٹینگز کی ترغیب و تحریص اور مصلحت اندیشی ہی کا نتیجہ تھا کہ دو سال کی قلیل مدت میں وہ مجلس عاملہ کی مدد سے بے شمار اصلاحات اور اخراجات میں حیرت انگیز تخفیف کر سکا۔ تاہم اس کام کی تکمیل میں بہتیری تجویزوں پر زبردست بحث و مناقشہ بھی ہُوا۔ اور اُن کی سخت مخالفت بھی ہوئی۔ جنرل بارکر کمانڈر انچیف سول اختیار کے ماتحت رہنے کا بے حد مخالف تھا۔ اُس کی خود مختارانہ عادت کو رد کرنے اور فوج کے ماتحت افسروں میں ضبط اور باقاعدگی قائم کرنے کے لئے مستقل مزاجی اور زبردست قوتِ فیصلہ کی ضرورت تھی۔ اِسی طرح ایک اور بہت بڑا مخالف مسٹر بارول تھا جو قابل تو ضرور تھا لیکن بے حد طوالت پسند تھا۔ اُس کے مباحثوں۔ شکوک۔ اختلافات۔ جوابات اور جواب الجوابات سے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دہ دیا کرتا تھا ہسٹینگز بے حد دِق تھا۔ اُس نے ڈائرکٹروں سے صاف کہہ دیا کہ "میرے لئے یہ سخت مشکل ہے کہ ایک جانب تو میں امور سلطنت انجام دوں اور دوسری جانب اُن لوگوں سے ایک ادبی جنگ مول لے لوں۔ جن کو اپنی خدمت سے مجھے مدد دینی چاہیئے۔" خیر کچھ عرصے کے بعد بارول سے بھی صلح صفائی ہو گئی اور ہسٹینگز ۱۷۷۳ء کے آخر میں یہ رپورٹ کرنے کے قابل ہُوا۔ کہ اراکین بورڈ کی خوشِ اخلاقی کے ذریعہ مجھے ہر تجویز میں جو رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کی گئی ہر ممکن امداد ملی۔

اس مخلصانہ امداد کے ہوتے ہوئے اُسے غیر معمولی اختیارات کے حاصل کرنے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ تاہم اُسے یقین تھا کہ گورنمنٹ کا وقار اور طاقت بڑھانے کے لئے مزید اختیارات کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ملازمین کی اندرونی ریشہ دوانیوں کو سختی کے ساتھ روکا جا سکے۔ اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ گورنروں کو تین سال کی دستوری میعاد سے کچھ زیادہ میعاد کے لئے مقرر کیا جایا کرے۔ اُس نے سر لارنس سلیوان کو لکھا کہ " خدا نہ کرے کہ اس خوش فضا ملک کی حکومت محتاج اور مفلوک الحال قسمت آزما لوگوں کی سہ سالہ صدارت نشینی بن کر رہ جائے تاکہ وہ اس قلیل مدت کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی ذات کے لئے بڑھتی ہوئی دولت سمیٹ سکیں۔" اُس کا نقطۂ نظر منظور کر لیا گیا۔ اُس نے یہ بھی تحریک کی کہ غیر معمولی صورتوں میں گورنر کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ کسی سول تقرری کو مجلس عاملہ کے فیصلہ کے خلاف منسوخ کر سکے۔ اُسے یقینی طور پر اُمید تھی کہ کسی نہ کسی دن اُس کی یہ تجویز بھی منظور کر لی جائے گی۔ چنانچہ اُس کے جانشین کو یہ اختیار مل گیا۔ گو اُسے خود یہ طاقت حاصل نہ ہوئی۔

ہسٹینگز نے اپنے عہدہ کے پہلے دو سالوں میں تو خوب کام کیا۔ اُس کے مزاج میں سختی نام کو نہ تھی۔ اور اس کا اپنا رویہ برسوں کی سخت مخالفت اور اختیارات حاصل کرنے کی مسلسل جدوجہد کی وجہ سے کافی استوار ہو چکا تھا۔ اُس کا دماغ تر و تازہ تھا۔ وہ بو سے عروج پر تھا۔ اُس کا عزم راسخ تھا اور اُسے اپنے آپ پر پورا اعتماد تھا۔ ابھی

تک اُس کے مزاج میں وہ خودسری اور اپنے آپ کو ہمیشہ صحیح الرائے خیال کرنے کا مادہ پیدا نہ ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی آئندہ سالوں کی زندگی داغدار ہے۔ اس وقت کی خدمت نے کمپنی کو تباہی سے بچالیا۔ اگر اس وقت بنگال میں کمپنی کی عنان حکومت کسی مضبوط اور طاقتور ہاتھ میں نہ ہوتی تو یقیناً اُس کے عام کاروبار میں سخت انتشار پیدا ہوکر اس کا دیوالہ نکل چکا ہوتا۔ اگر اس وقت حکومت کو مضبوط بنیادوں پر قائم نہ کیا جاتا تو آئندہ سالوں کے پیہم عدمات کا مقابلہ بالکل ناممکن ہوتا۔

جس شخص کو بھی اس زمانے کی تاریخی دستاویزات کے مطالعہ کا موقع ملا ہے۔ وہ ہیسٹنگز کی حیرت انگیز جفاکشی کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظم ونسق کے ہر محکمہ میں اُس کی توجہ کیسی متاثر رہی۔ احکام وقواعد کی ایک ندی ہر محکمہ کی تجدید وتنظیم کرنے کے لئے مجلس عاملہ کے منبع سے بہہ نکلی بہت سے قواعد کا اصلی مسودہ ہیسٹنگز نے خود تیار کیا جس سے اُس کے دلی تاثرات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ نظم ونسق کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بخوبی واقف تھا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ لوازمات کی پیچیدگیوں میں پڑکر کاروبار میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ ہر ایک مسئلہ کو ایسی مستعدی اور قطعی فیصلہ کی نیت سے ہاتھ میں لیا گیا کہ بعد کی کسی حکومت ہند کو اُس کی برابری کا دعویٰ نہیں ہوسکا۔ وہ ہمیشہ مصر رہتا تھا کہ "کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ کام اتنا زیادہ ہے کہ اُسے بلا بحث ومباحثہ ختم کیا جائے نہ یہ کہ کوئی فیصلہ کئے بغیر نرا بحث مباحثہ ہی ہو۔ یا یہ کہ کسی معمولی کام کے متعلق فیصلہ

کرنے میں اتنا وقت ضائع کیا جائے کہ دوسرے زیادہ ضروری کام تشنۂ تکمیل یا ملتوی ہو کر رہ جائیں۔" کام کا بوجھ اور تھکان زیادہ تھی۔ اکتوبر ۱۷۷۲ء میں وہ اپنے دوست ڈوپرے کو اپنی گوناں گوں مصروفیات کی تفصیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "میں ہوں اور میری مصروفیات۔ مہینوں بلکہ برسوں کے دھرے ہوئے دفتری پلندوں کا فیصلہ فوجداری۔ دیوانی اور مالی عدالتوں کا قیام۔ محمد رضا خاں اور شتاب رائے کے مقدمات کی پیروی جن کے لئے نہ کوئی مواد موجود ہے اور نہ ہی اس کام میں کسی قیمتی امداد ملنے کی اُمید۔ اس کے علاوہ دن بھر کے چھوٹے چھوٹے قضیئے۔ نوٹ۔ چٹھیاں۔ ذاتی درخواستیں وغیرہ۔ ہر ایک شخص اپنے کام کو دوسرے کے کام سے زیادہ ضروری سمجھتا ہے۔ صوبہ بھر کے ہر مقام سے شکایت کرنے والوں کا ہجوم سینکڑوں کی تعداد میں جمع رہتا ہے جن سے جب کبھی میں کھڑکی میں سے منہ باہر نکالوں یا باہر دورہ پر جاؤں مجھے سابقہ پڑتا ہے اور وہ سب انصاف کی اُمید میں واویلا اور فریاد کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہر وقت کی کوفت سے دل و دماغ ان معاملات کے بوجھ سے حیران ہے اور مزاج سرکہ سے زیادہ تند ہو چکا ہے۔"

اُس کا دل و دماغ حقیقت میں اس بوجھ کو اُٹھانے کے قابل اور نہایت موزوں تھا۔ بہت سے آدمیوں کی طرح ہسٹینگز دباؤ کی حالت میں بہت زیادہ کام کیا کرتا تھا۔ اور محض گڑبڑ اور انتشار کی حالت میں سے امن و آشتی کی فضا پیدا کر لینا تو اُس کے مزاج کا خاصہ تھا۔ نہ تو اُس کی صحت میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی اُس کے عزم اور حوصلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی

اور اُسے جلد ہی یہ معلوم ہوگیا کہ اُس کی محنت اور جان کاہی بے سود ثابت نہیں ہوئی۔ اُس کی جد و جہد بار آور ہوئی۔ اور انگلستان میں اُس کی بہت قدر کی گئی۔ جو مراسلے وہاں سے موصول ہوئے۔ اُن میں ڈائرکٹروں نے اُس کے متعلق اپنی خوشنودیٔ مزاج کا اظہار کرتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ جس کام کو مکمل کرنے کا اُس نے بیڑا اٹھایا ہے اُس میں وہ ہر طرح اُس کی امداد کریں گے۔ نہ معلوم اس وعدے میں سچائی کتنی تھی۔ بہر حال اس حوصلہ افزائی کے بل بوتے پر اُس نے اپنی یہ خواہش بھی ظاہر کردی کہ وہ چند سال اور کمپنی کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے " وہ لوگ جو میری فطرت سے واقف ہیں میرے خیالات کو فرومائیگی کے جذبات پر محمول نہ کریں گے۔ اگر چند سال کے لئے عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں رہے تو میں کم از کم اتنی حیثیت پیدا کر سکوں گا کہ میں اپنی خواہشات اور ضروریات کے مطابق ملازمت سے علیحدہ ہو کر آرام سے زندگی بسر کر سکوں۔ مگر موجودہ کشمکش میں میں اور زیادہ بلندی کا خواہشمند ہوں۔ مجھے اپنی سرکاری زندگی میں یہ شوق پیدا ہو گیا ہے کہ لوگ میری تعریف کیا کریں۔ ملک کے ضروری کاروبار جس میں میں آج کل مصروف ہوں اور میری خواہش ہے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اُن کے متعلق عوام کی خوشنودی اور اُن کی وجہ سے عوام الناس کا میرے لئے اظہار تشکر و اطمینان یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے مجھے شوق پیدا ہوتا ہے کہ میں کچھ زیادہ پانے کا مستحق ہوں اور اسی لئے میں اپنی تندرستی۔ اپنا وقت اور اپنی محنت اُس خدمت کی نذر کر رہا ہوں جس کی ابتدا ایسی خوش کن اور دل آویز ہے

یہ تحریر میرے خیالات اور جذبات کی آئینہ دار ہے۔ میں بلا تکلف ان جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ ان کے قرین مصلحت ہونے کے متعلق آپ کی رائے جو کچھ بھی ہو مجھے یقین ہے کہ آپ ان میں کوئی غیر موزوں بات نہ پائیں گے۔"

آٹھواں باب

روہیلوں کی جنگ

کلائو اپنے جانشینوں کے لئے جن معاہدات کی بجا آوری کا بوجھ چھوڑ گیا۔ اُن میں سے ایک تو شہنشاہ دہلی کو خراج کی ادائیگی کا فرض تھا۔ اور دوسرا اودھ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد۔ ہسٹینگز معاہدہ اتحاد کا تو معاون تھا لیکن ادائیگی خراج کے مخالف تھا۔ چنانچہ ۱۷۷۲ء کے زمانہ میں اُس کی خارجہ حکمت عملی اسی اصول پر کاربند رہی۔

شہنشاہ دہلی شاہ عالم کی سب سے بڑی آرزو یہی تھی کہ وہ دہلی کے شاہی شہر پر پھر سے قابض ہو۔ اس مقصد میں کمپنی کی امداد نہ ملنے کے باعث اُس نے اور جگہ کوشش کی۔ مرہٹوں نے دہلی پر ۱۷۷۱ء میں قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ بڑی پھرتی کے ساتھ کمپنی کی حفاظت چھوڑ کر دہلی میں مرہٹوں سے جا ملا، اور حقیقی معنوں میں اُن کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ لیکن وہ کمپنی سے برابر موعودہ خراج کا مطالبہ کرتا رہا۔ ہسٹینگز نے بنگال پہنچتے ہی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ خراج ادا نہ کرے گا۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ عجیب مضحکہ کی بات ہے

کہ بنگال کی آمدنی ایک نام نہاد بادشاہ کی شان و شوکت پر خرچ کی جائے۔ جسے ہم نے خود ہی اٹھا کر بنا رکھا ہے۔ اور بالخصوص ایسی حالت میں جب وہ ہمارے اکیلے دشمنوں کے ہاتھ میں لٹھ پتلی بن کر ناچ رہا ہے۔" مجلس عاملہ نے اس خیال کی تائید کی اور ۱۷۷۳ء میں شہنشاہ کے حسب معمول مطالبے پر اس خراج کی ادائیگی سے صاف انکار کر دیا گیا۔

اُسی سال مرہٹوں نے بادشاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اضلاع کوڑا اور الہ آباد اُن کے حوالہ کر دے۔ حالانکہ کلائیو نے یہ علاقے محض بادشاہ کی شان قائم رکھنے کے لئے اُسے عطا کئے تھے۔ اتفاق سے الہ آباد میں کمپنی کی فوج کا ایک بریگیڈ موجود تھا۔ جو ان اضلاع میں انتظام قائم رکھ سکا۔ ہسٹینگز نے دیکھا کہ خوف زدہ ہو کر اس علاقہ کو دشمن کے حوالہ کر دینا کوئی عقلمندی کی بات نہیں تو اُس نے سر رابرٹ بارکر کمانڈر انچیف کو حکم دیا کہ وہ مرہٹوں کے خلاف ان اضلاع کو اپنے قبضۂ اقتدار میں رکھے۔

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ ان اضلاع کے انتظام کے متعلق کیا طریق عمل اختیار کیا جائے۔ کمپنی کی سرحد سے یہ علاقے دُور تھے۔ اور اُن کو مستقل طور پر اپنے قبضے میں رکھنا بے شمار اور تباہ کن اخراجات کے متحمل ہونے کا مترادف تھا۔ ہسٹینگز نے کمپنی کی مالی بدحالی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نقصان کے عوض ان اضلاع سے نفع اُٹھانا چاہا اور یہ تجویز کی کہ نواب اودھ سے کچھ روپیہ لے کر یہ اضلاع اُسی کے حوالہ کر دیئے جائیں کیونکہ اصل میں یہ اُسی کی ملکیت تھے۔ ہسٹینگز کی یہ منشا بھی تھی کہ وزیر اودھ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد زیادہ

اطمینان بخش طریقے پر ہو۔ اب تک کمپنی کو ایک پورا بریگیڈ مرہٹوں کے مبیّنہ حملے کے خطرے کو روکنے کی غرض سے وہاں بھیجنا پڑتا تھا۔ اور مبلغ تیس ہزار روپیہ ماہوار کی رقم جو اس غرض کے لئے نواب نے مقرر کر رکھی تھی اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے مکتفی نہ ہوتی تھی۔ وزیر اودھ کو بھی یہ امداد کچھ مہنگی ہی نظر آتی تھی کیونکہ میر قاسم کی امداد کرنے کی وجہ سے انگریز بھی اُسے اپنا حلیف سمجھنے کے بجائے طاقتور دشمن ہی سمجھتے تھے۔ اور ہر موقع پر باوجود اس بات کے کہ اس کی سلطنت مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان ایک مضبوط سدّ راہ تھی۔ نواب کی طاقت کو ترقی دینے کے بجائے کمزور کرنے ہی کی کوشش کی جاتی تھی۔ کمپنی کے ساتھ اُس کے تعلقات کا بڑا ذریعہ اودھ میں انگریزی فوج کے کمانڈار ہی ہُوا کرتے تھے۔ جو ہمیشہ نواب کی طاقت اور غدّارانہ سازشوں کا راگ الاپتے رہتے تھے۔ ہسٹینگز کو یقین تھا کہ ان اطلاعات کی کوئی اصلیت نہیں۔ وہ بھانپ گیا کہ فوج والے اُسے اپاہج رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ کمپنی کی افواج کا محتاج رہے اور اس صورت میں وہ خود اُس پر اور ملک کے فوائد پر اپنا قبضہ جمائے رکھیں۔ ہسٹینگز نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اُن کے اشاروں پر نہ چلے گا۔ کیونکہ اگر ایسا ہُوا تو بنگال کی طرح اودھ کا صوبہ بھی ظلم و استبداد کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ وزیر اودھ انگریزی فوج کی بجائے انگریزی حکومت پر بھروسہ کرے۔ اور اُس کی یہ خواہش تھی کہ اُس کے ساتھ مساوات، اور مفاہمت باہمی کے اصولوں پر رابطۂ اتحاد قائم ہو۔

محکمۂ فوج کے نزدیک اس قسم کا معاہدہ ناممکن تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ

شجاع الدولہ فریبی۔ بد عہد مشرقی شہزادہ ہے۔ جس سے مساوات کے اصول پر معاملہ فہمی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہیسٹنگز کو اُس کے متعلق زیادہ اعتماد تھا اور اُس کا خیال تھا کہ اُس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے اس خیال پر اعتماد کرتے ہوئے اُس نے شہزادے سے ملنے اور اُس کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس کی مجلس عاملہ نے یہ تجویز منظور کر لی اور تمام دیرینہ مسائل پر تبادلہ خیالات کرنے کے بعد قطعی فیصلہ کرنے کے اختیارات ہیسٹنگز کو سونپ دیئے۔ وہ ۱۷۷۳ء میں کلکتہ سے روانہ ہوا، اور بنارس کے مقام پر اُس نے اگست کے مہینے میں وزیر سے ملاقات کی۔

شجاع الدولہ ہندوستان کے اُن چند شہزادوں میں سے تھا جسے بہت جلد ہی ہیسٹنگز کی طبیعت پسند آ گئی اور اُس نے ارادہ کر لیا کہ مجھے اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ ہیسٹنگز اور وہ خلوت میں کئی روز تک تبادلہ خیالات کرتے رہے اور اس پر سر رابرٹ بارکر نے بہت کچھ ناک بھوں بھی چڑھائی۔ آخر کار اُن کا آپس میں معاہدہ ہو گیا۔ جسے دونوں فریق اپنے اپنے حق میں بے حد نفع بخش سمجھتے تھے۔ نواب نے دونوں اضلاع کے معاوضہ میں پچاس لاکھ روپیہ ادا کرنا منظور کر لیا، اور اُس نے ایک بریگیڈ کا خرچ تیس ہزار روپیہ ماہوار سے دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار کر دیا۔ ہیسٹنگز نے ایک بریگیڈ فوج کی امداد کا وعدہ کیا۔ تاکہ نواب اپنی دیرینہ آرزو کو پورا کرے۔ یعنی روہیل کھنڈ کا علاقہ فتح کر لے۔ جو اُس کے اپنے علاقہ کی شمال مغربی

سرحد پر واقع تھا۔ اس زائد امداد کے لئے وزیر اودھ نے کمپنی کو فوجی اخراجات کے علاوہ مزید چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کا بھی اقرار کر لیا۔

اس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ خوش گوار اور گہرے تعلقات کو قائم رکھنے کے لئے ہسٹینگز اپنا ایک خاص ذاتی نمائندہ دربار اودھ میں بھیجے۔ اس عہدے کے لئے مسٹر نتھیلین مڈلٹن کو منتخب کیا گیا۔

ہسٹینگز کو کمپنی کے لئے یہ مالی فوائد حاصل کر کے بے حد خوشی حاصل ہوئی۔ وزیر اس بات پر خوش تھا کہ نہ صرف اُسے اپنا کھویا ہوا علاقہ دوبارہ مل گیا بلکہ اب انگریزوں کی امداد سے وہ روہیلوں کا علاقہ بھی اپنی مملکت میں شامل کر سکے گا۔ لیکن ان معاملات پر زیادہ غور و خوض کرنے کے بعد اُسے غالباً یہ فکر بھی لاحق ہو گئی کہ آیا وہ ان تمام مالی ذمہ داریوں سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو سکے گا یا نہیں۔ اس لئے اُس نے یہ تجویز کی کہ فی الحال روہیلوں والا منصوبہ ملتوی کر دیا جائے۔ اگر آئندہ اُسے اس تکمیل کی خواہش ہوئی تو وہ ان شرائط کی تجدید کر لے گا۔ ہسٹینگز فوراً اس پر راضی ہو گیا۔ کیونکہ وہ خود بھی اس کے متعلق تذبذب میں تھا۔ گو اس منصوبہ بندی سے مالی اور حربی فوائد تھوڑا سا خطرہ مول لینے پر حاصل ہو سکتے تھے۔ لیکن ہسٹینگز خوب جانتا تھا کہ ڈائرکٹر اودھ کی حدود سے پرے کسی قسم کی فوجی مہم بھیجنے کے سخت مخالف تھے۔ محض وزیر کے سخت تقاضہ پر وہ مان تو گیا تھا۔ اور اس بات پر آمادہ ہو جانے پر اُس نے نواب سے اپنی منہ مانگی باتیں بھی منوالیں لیکن جب وزیر خود ہی کترا گیا تو ہسٹینگز کو اس پر کچھ افسوس نہ ہوا۔

اِس سلسلہ میں جو خط اُس نے لارنس سلیوان کو لکھا اُس سے اُس کے اپنے شکوک و شبہات کا پتہ چلتا ہے۔ "میں اس بات پر خوش ہوں کہ مجھے روہیلہ مہم سے نجات ملی۔ مَیں خود متردد تھا کہ خدا معلوم وطن میں میرے اس فیصلہ کے متعلق کیا قیاس آرائیاں ہوں۔ کیونکہ وہاں مقرر کردہ اصولوں پر زیادہ بحث کی جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل حالات کیا ہیں اور اُن کے ماتحت کبھی کبھی استثنائی کارروائی کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔"

تاہم اُسے اس مہم سے نجات نہ ملی۔ اگلے سال ہی وزیر نے اس کے متعلق پھر ذکر چھیڑا اور ہسٹینگز نے اخلاقی طور پر اپنے آپ کو پابند پاتے ہوئے مجلس عاملہ کو یہ مشورہ دیا کہ "باہمی معاہدہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے دو ٹوک انکار آپس کے دوستانہ تعلقات پر بُرا اثر ڈالے گا۔ جس سے یہ محمول کرنے کی وجوہات پیدا ہو جائیں گی کہ ہمارے تعلقات مخلصانہ نہیں ہیں۔" طوعاً و کرہاً ہسٹینگز کو روہیلہ جنگ میں شامل ہی ہونا پڑا۔

اس جنگ کے متعلق صحیح حالات برک کی برق بیانی اور مکالے کی فصاحت آفرینی کی نذر ہو کر ماند پڑ گئے ہیں۔ بطور خود یہ واقعات نہایت ہی سادہ اور ناقابلِ تردید ہیں۔ اس زمانے سے کوئی چالیس برس پہلے منچلے افغانوں کے چند گروہوں نے جنہیں روہیلے کہتے تھے کوہ ہمالیہ کے دامن میں ایک وسیع اور نہایت ہی زرخیز علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا جسے وہ روہیل کھنڈ کہا کرتے تھے اِس حصہ ملک کے اصلی باشندے ہندو کاشت کرتے تھے۔ اور زیادہ تر آبادی اُنہی لوگوں کی تھی۔ روہیلے اِن کے مالک و مختار بن بیٹھے اور اپنے کنبوں اور

متوسلین سمیت یہاں آباد ہوکر فاتحانہ انداز سے دوسروں کی کمائی اور محنت کا فائدہ اُٹھانے لگے ۔ مکالے نے انہیں ہندوستان کی "بہترین آبادی قرار دیا ہے۔ جو جنگ میں شجاعت کا بہترین نمونہ اور امن کے زمانہ میں بہترین منتظم تھے" یہ محض مبالغہ آمیز لسانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روہیلے ایسے ہی قسمت آزمانے والے لٹیرے تھے جو اپنی قسم کے آدمیوں سے نہ زیادہ خراب تھے اور نہ زیادہ اچھے ۔

روہیلے گو بے حد شجاع اور فسادی قسم کے لوگ تھے لیکن اُن سے وزیر اودھ کو کبھی کسی قسم کا تشویش دہ خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ بنگال اور کمپنی کو تو وہ بچارے کوئی نقصان پہنچا ہی نہ سکتے تھے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ مرہٹے چند سال خاموش رہنے کے بعد شمالی ہندوستان میں پھر ایک زبردست فوج کی شکل میں نمودار ہو گئے اور اس صورت میں وزیر کی سلطنت کو تشویش ناک خطرہ کا احتمال پیدا ہونے کا اندیشہ تھا کہ کہیں روہیل کھنڈ کا علاقہ اُن کے قبضے میں نہ آجائے ۔ یہ علاقہ اودھ کی شمال مغربی سرحد اور دریائے گنگا کے کنارے کنارے واقع تھا۔ اگر مرہٹے ایک دفعہ بھی دریا عبور کر کے اس علاقہ میں جا دھمکیں تو پھر اُن کے حملوں کے لئے اودھ تو کیا بنگال تک کوئی قدرتی رکاوٹ موجود نہ تھی۔

مقامی طاقتوں میں سے اس وقت مرہٹوں کی طاقت ہی زیادہ زبردست اور دست دراز تھی۔ اُنہوں نے اوّل اوّل اورنگ زیب کے عہد میں اپنے سردار سیواجی کے ماتحت شہرت حاصل کی۔ اور جوں جوں مغلیہ طاقت زوال پذیر

ہوتی گئی اُن کا نام ہندوستان کے طول و عرض میں خوف و ہراس سے لیا جانے لگا۔ اصل میں وسط ہندوستان کے پہاڑی علاقہ کے چند سفاک اور لٹیرے سرداروں نے ایک ہی بھگت سی بنا رکھی تھی۔ ان کے خونی اور ظالم گروہ دُور دُور تک پھیل چکے تھے۔ جبری خراج جسے وہ چوتھ کہتے تھے وصول کیا کرتے تھے اور اُس کے عوض ظلم اور تعدی سے امن اور پناہ دینے کا وعدہ کرتے تھے۔ اُن کا نام نہاد سردار پیشوا کہلاتا تھا جو پونا میں رہتا تھا اور سیوا جی کی اولاد راجہ ستارہ کا وراثتی وزیر تھا۔ لیکن یہ راجہ محض سُست اور عیش پسند تھا اور پیشوا بھی اپنی پہلی طاقت اور اقتدار کھو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ چھوٹے چھوٹے سردار سندھیا۔ ہلکر اور راجہ برار خود مختار بن بیٹھے۔

۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کو ایک افغان حملہ آور احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں شکست فاش دی۔ اس زبردست تباہی نے اُن کی شیرازہ بندی بکھیر کے رکھ دی۔ اور کچھ مدت کے لئے اُن کی یہ اُمیدیں کہ وہ ہندو سرداروں کے ماتحت مغلیہ سلطنت کی تجدید کریں گے خاک میں مل گئیں۔ تاہم اُنہوں نے قابل تعریف تیزی کے ساتھ اپنے آپ کو منظم کر لیا۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اُنہوں نے ۱۷۷۱ء میں دہلی پر قبضہ کر کے شاہ عالم کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جو کمپنی کا ساتھ چھوڑ کر اُن سے جا ملا۔

اگلے سال اُنہوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر کے اودھ اور بنگال دونوں سے چوتھ طلب کی۔ برسات کا موسم آجانے اور کمپنی کا ایک بریگیڈ پہنچ جانے کی وجہ سے وہ واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن وزیر کا اندازہ صحیح تھا۔ کہ

وہ جلد ہی واپس آجائیں گے۔ اِس لئے اُس نے روہیلوں کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا۔ جس میں سر رابرٹ بارکر بھی موجود تھا کہ اگر مرہٹے دوبارہ آئے تو وہ نواب کی مدد کرے گا۔ روہیلوں نے اس خدمت کے عوض چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

جیسا کہ وزیر کی توقع تھی ۱۷۷۳ء میں مرہٹے پھر نمودار ہو گئے۔ اور روہیل کھنڈ کی طرف بڑھے۔ لیکن وزیر کے لشکر کی دہشت آمیز نقل و حرکت جس میں کمپنی کا ایک بریگیڈ بھی شامل تھا دیکھ کر وہ جلد جلد پسپا ہو گئے۔ اُس کے کچھ عرصہ بعد اُنہیں وسطِ ہند میں واپس بلا لیا گیا۔ کیونکہ پونا کے دربار میں آپس کے نفاق کی وجہ سے بڑی گڑبڑ پیدا ہو چکی تھی۔

اِن کارروائیوں میں روہیلوں کا طرزِ عمل نہایت مشکوک رہا۔ وزیر سے اتحاد کرنے کے بعد اُنہوں نے مرہٹوں کے ساتھ خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور اگر وزیر کا لشکر اور سر رابرٹ بارکر کے ماتحت انگریزی دستے عین وقت پر پہنچ کر انہیں باز نہ رکھتے تو وہ مرہٹوں کے ساتھ مل جاتے۔ سر بارکر اُن کے طرزِ عمل کے متعلق لکھتا ہے کہ "اُن کی چال یہ تھی کہ دونوں سے ملے رہیں اور کسی کا ساتھ بھی نہ دیں۔" اس کے علاوہ جب مرہٹوں کے واپس چلے جانے کے بعد وزیر نے اپنا چالیس لاکھ روپیہ طلب کیا تو وہ کچھ بھی ادا نہ کر سکے۔

وزیر کو اُن کی اس ناکامیابی پر کوئی افسوس نہ تھا۔ وہ اُن کے علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا متمنی تھا۔ اب اُسے ایسا کرنے کے لئے اچھا خاصہ عذر ہاتھ آگیا۔ گو روہیلوں کے ساتھ یہ ہمدردی ہو سکتی ہے کہ وہ ایک طرف

وزیر اودھ اور دوسری جانب مرہٹوں کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ بے حد غدار ثابت ہوئے۔ اگر سیاسی اخلاقیات کے معمولی معیار کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان حالات میں وزیر کی یہ تجویز کہ وہ یہ علاقہ اپنی مملکت میں شامل کرے نہ تو بقول مکالے بدنیتی پر محمول کی جا سکتی تھی اور نہ خلافِ انصاف۔ ایسا کرنا اُس کے لئے بے حد مفید تھا کیونکہ اس تجویز سے نہ صرف اُس کی دولت میں اضافہ ہوتا تھا بلکہ اُس کی اپنی حفاظت بھی ہوتی تھی اور وہ اس طریق سے اپنی سلطنت شمال مغربی جانب دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ بڑھا سکتا تھا۔

ہٹیسنگز اس بحث کو اپنی مسلمہ صراحت کے ذریعہ پر زور طریق سے یوں بیان کرتا ہے کہ "میں مانتا ہوں کہ محض روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کی غرض سے اُس پر حملہ کرنا واجب نہ تھا اور یہ کوئی معقول دلیل ایسے حملہ کے جواز میں نہیں ہے لیکن اگر انہوں نے ایسے حملے کی انگیخت خود دلائی ہو اور ایسے حملہ میں فائدہ بھی نظر آتا ہو تو ساری باتیں مل ملا کر یقیناً ایسے حملے کو جائز ٹھہرائیں گی اور سخت سے سخت سٹہ باز یا موقع شناس بھی اسی صحیح نتیجہ پر پہنچے گا کہ سود مند اثر پیدا کرنے کے لئے یہی کارروائی درست تھی۔" ہٹیسنگز اور مجلس عاملہ کے اراکین کو اس امر کے متعلق کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ روہیلوں کے غدارانہ رویہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ حملہ قرینِ انصاف ہے۔ البتہ بارکر ایک رکن ایسا تھا جس نے اس تجویز کی مخالفت تو کی لیکن وہ مخالفت بھی اخلاقی بنا پر نہ تھی بلکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ روہیل کھنڈ کے

اشتمال سے وزیر کی طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ اگر مکالے کی دی ہوئی وجوہات کو مدِنظر رکھتے ہوئے جن کی بنا پر اُس نے ہیسٹنگز اور اُس کی مجلس عاملہ کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے۔ وہ یہ فیصلہ بھی کر دیتے کہ "ایسا حملہ کرنا سیاسی اخلاقیات کے منافی اور بدی ہے اور کمپنی کا اس بدی میں محض دولت کے لالچ میں آکر امداد کرنا دوہری بدی ہے۔" تو وزیر یہ منطق ہرگز نہ سمجھ سکتا۔ اور وہ یقیناً یہی نتیجہ نکالتا کہ انگریز سب کے سب پہلے درجہ کے بدعہد اور بددیانت ہیں کیونکہ ہندوستان میں اس وقت تک کمپنی کے اعمال و کردار کے متعلق یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی کہ وہ ایسے اعلیٰ اخلاقیات کے اصولوں پر کاربند ہے جو ہندوستان کے دوسرے حکمرانوں کے عام معمول سے مختلف ہیں۔

ہیسٹنگز کو جو اس معاملہ میں تامّل ہوُا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈائرکٹروں کی اس رائے کو بخوبی جانتا تھا کہ وہ اس قسم کے معاندانہ حملوں کے خلاف ہیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ روہیلوں کے خلاف فوج کشی محض حفاظتی تدابیر کے ماتحت تھی کیونکہ اس کارروائی سے اودھ کے ساتھ بنگال کو مضبوط کرکے مرہٹوں کے متوقع حملوں سے بچانا مقصود تھا۔ لیکن ہیسٹنگز یہ جانتا تھا کہ ڈائرکٹر اس استدلال کو قبول نہ کریں گے۔ اسلئے صاف ظاہر ہے کہ اُسے ایک پیچیدہ اور نہایت ہی مشکل فیصلہ خود ہی کرنا پڑا۔ کمپنی کا وفادار ملازم ہونے کی حیثیت سے وہ ان بے شمار مالی اور سیاسی فوائد کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ جو وزیر کی تجاویز سے کمپنی کو حاصل ہوسکتے تھے۔ دوسری طرف وزیر کو

اودھ کی سرحد پار فوجی امداد دینے کی صورت میں اُسے ڈائرکٹروں کی تنبیہ اور ملامت کا بھی خوف تھا۔ ان حالات میں وہ اپنے فیصلہ کے متعلق موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

یہ تو جنگ روہیلہ کی ابتدا کا ذکر تھا۔ اب یہ جنگ کیسے ہوئی۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ۱۷۷۴ء کے موسم بہار میں نواب اودھ نے روہیلہ سردار حافظ رحمت سے چالیس لاکھ روپیہ کی موعودہ رقم کا مطالبہ کیا۔ کوئی تسلی بخش جواب نہ آنے کی صورت میں نواب کے لشکر نے جس کے ساتھ کمپنی کی فوج کا ایک بریگیڈ بھی 'سربارکر' کے جانشین کرنل 'چمپین' کے زیر کمان شامل تھا روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔ حافظ رحمت مارا گیا۔ روہیلوں کو شکست فاش ہوئی، اور ایک مہینے کے اندر اندر سارے روہیل کھنڈ میں ایک ہی فیصلہ کن جنگ کے بعد قبضہ ہوگیا۔ بہت سے روہیلہ سرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔ اُن میں سے ایک سردار فیض اللہ خاں نامی پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا اور کچھ عرصے تک مقابلہ بھی کرتا رہا۔ لیکن وہ بھی اطاعت قبول کر کے نواب کے باج گزاروں میں شامل ہوگیا۔ اس لڑائی کے تمام مقاصد آسانی کے ساتھ حاصل ہوگئے۔

مکالے ہیسٹینگز کے رویہ کے متعلق یوں لکھتا ہے کہ "وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے پروائی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ روہیلوں کے گاؤں جلائے جارہے ہیں۔ اُن کے بچوں کو ذبح کیا جارہا ہے اور اُن کی عورتوں کی بے حرمتی ہورہی ہے۔" یہ تصویر محض خیالی ہے۔ نہ کسی بچے کو ذبح کیا گیا اور نہ کسی عورت کی

عصمت دری ہوئی۔ کچھ گاؤں ضرور جلائے گئے۔ لیکن باقی سارے ملک میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اور لوگ بلا روک ٹوک اپنے کام میں معروف رہے گویا کہ "بالکل امن و امان تھا"۔ اس کے علاوہ جب ہیسٹنگز کو ان معروضہ زیادتیوں کی اطلاعات ملیں جو بعد میں نہایت مبالغہ آمیز ثابت ہوئیں تو اُس نے اپنے نمائندہ مسٹر مڈلٹن کے ذریعہ نواب کو ان الفاظ میں سخت تنبیہ کرنے کی ہدایات بھیجیں "اُسے جتلا دیا جائے کہ یہ بات انگریزی اخلاق کے منافی اور بے حد قابل نفرت ہے کہ کسی قسم کی وحشیانہ حرکت یا ظلم کیا جائے اور یہ ضروری ہے کہ شکست خوردہ دشمن کے ساتھ شریفانہ سلوک اور رواداری برتی جائے۔ اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ حافظ کے کنبے کے متعلق ان اصولوں پر سختی کے ساتھ کاربند ہو۔ اُسے بتا دو کہ انگریزوں کی محبت حاصل کرنے کے لئے اس کا کوئی کام اتنا قابل ستائش متصور نہ ہوگا۔ جتنا کہ دوسروں پر مہربانی اور احسان کرنے کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر یہ دلائل ناکام ثابت ہوں تو تم اُسے جتلا دو کہ یہ میرا حکم ہے کہ تم حافظ رحمت کے کنبے پر مہربانی کرو اور ان لوگوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ ہمارے معاہدۂ اتحاد کے ساتھ ہماری قومی روایات بھی شامل ہیں اور ہر ایک کام جس کی وجہ سے اُسے ملامت حاصل ہو ہمارے لئے بھی باعث شرم ہے"۔

یہ امر غیر یقینی ہے کہ اس احتجاج کا کوئی مفید نتیجہ بھی نکلا یا نہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایات غیر ضروری تھیں۔ کیونکہ نواب وزیر کی کوئی خواہش نہ تھی کہ جس ملک کو وہ اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا آرزومند

ہے۔ لوٹ مال اور ظلم و تعدی سے پامال ہو۔ اس لڑائی میں کسی خاص ظلم و ستم یا انسانیت سوز تشدد کا استعمال نہیں ہوا، بلکہ عام حالت مختلف تھی اگر فرانسس کا قدیمی بغض و عناد آڑے نہ آتا، تو ان مفروضہ بے رحمیوں کا کوئی ذکر بھی نہ کرتا اور جنگ روہیلہ ہندوستان کی دوسری چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی طرح ایک بھولی بسری داستان بن کر رہ جاتی۔

البتہ یہ ماننا پڑے گا کہ ہیسٹنگز اُن اعتراضات پر غور کرنے سے قاصر رہا جو خود مختار حکمرانوں کو پیشہ ور سپاہیوں کے طور پر افواج کی امداد دینے کی صورت میں عائد ہو سکتے تھے۔ ایسا کرنے میں خطرہ تھا اور خطرہ بھی حقیقی کہ ایسا کرنے میں اُن کے اعمال و کردار کی بدولت خود ہیسٹنگز کے اپنے لفظوں میں "انگریزی قوم کے قومی کردار پر دھبہ آنے کا خطرہ تھا"۔ بہرحال۔ جو بندوبست اُس نے وزیر کے ساتھ کیا تھا، اُس کی کئی ظاہر مثالیں پہلے سے موجود تھیں۔ ہندوستانی حکمرانوں کو یورپین فوج کی امداد کرایہ پر دینے کا دستور عام تھا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ پلاسی کی لڑائی کے بعد میر جعفر جو بظاہر ہر طرح خود مختار حکمران تھا۔ انگریزوں کے اشارہ پر ناچا کرتا تھا۔ کلائیو کو جب کبھی انگریزی وقار اور مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی کام کرانا ہوتا تھا تو وہ میر جعفر سے جبر یہ اپنی مرضی کے مطابق کروا لیا کرتا تھا۔ انگریزوں کی عزت اُن کے اپنے ہی ہاتھوں میں محفوظ یا غیر محفوظ تھی اور وہ اس کے خود ذمہ دار تھے۔ اس کے مقابل میں ہیسٹنگز نے گو نواب اودھ کو فوج کی امداد دینا منظور کر لیا تھا۔ لیکن وہ اُس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا

یا اُسے کسی بات کے لئے مجبور کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ جس طرح وہ پہلے ایک مرتبہ میر قاسم کے حقوق اور حفظ مراتب کی تائید میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا اُسی بے باکی کے ساتھ اُس نے اصرار کیا کہ شجاع الدولہ کے حقوق و مراتب کا بھی پاس کیا جائے۔ وہ اب تک نام نہاد حلیف تھا۔ ہیسٹنگز یہ چاہتا تھا کہ وہ حقیقی معنوں میں ہمارا دوست بن جائے اور وہ کمپنی کے ساتھ رابطۂ اتحاد قائم کرنا اپنے لئے باعث اطمینان و امتنان سمجھے نہ یہ کہ وہ اس رابطہ کی بدولت اپنے آپ کو ذلیل اور غلط تصوّر کرے۔

اس وجہ سے کرنل چیمپین کو جو انگریزی فوج کی اُس علاقہ میں کمان کر رہا تھا سختی کے ساتھ یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے اختیارات اور طاقت کا استعمال صرف اپنے فوجی فرائض کی بجا آوری تک ہی محدود رکھے ملک کے تمام خارجیہ اور سیاسی تعلقات کا کاروبار ہیسٹنگز کے ذاتی نمائندہ مڈلٹن کے سپرد تھا۔ اور کرنل چیمپین کو ایک سے زیادہ مرتبہ بطور تنبیہ یہ ہدایت کی گئی کہ وہ نہ صرف وزیر کی قدر و منزلت کیا کرے۔ بلکہ ہمیشہ اُس کے اختیارات میں مخل ہوتے یا روہیلہ سرداروں سے سیاسی گفت و شنید کرنے سے احتراز کرے۔ چیمپین کا صرف یہ کام تھا۔ کہ وہ جنگ کرے۔ اب یہ وزیر کا اپنا کام ہے کہ وہ اس فتح سے کیا فوائد حاصل کرے اور اُس سے کیونکر بہرہ ور ہو۔ وزیر اس بات سے بےحد ناراض ہوا کہ چیمپین اور اُس کے عہدے دار اُس سے انعام و اکرام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُن کی خدمات کے عوض گراں بہا رقوم خرچ کر رہا ہے۔ ہیسٹنگز نے نواب کے

اس فیصلہ کی حمایت کی کہ اُس نے چیمپین کا یہ مطالبہ نامنظور کر دیا۔ اُس نے
چیمپین کو لکھا کہ "انعام و اکرام کے خیال ہی کو زہرِ قاتل سمجھ کر ترک کر دو۔"
لیکن ہیسٹنگز کے اس اصرار کا پتہ اُس خط سے واضح ہوتا ہے۔ جو اُس
نے نواب کے مبیّنہ ظلم و ستم کی شکایت کے جواب میں چیمپین کو لکھا
اختیارات پر پابندیاں عاید ہو جانے کی وجہ سے چیمپین لال پیلا تو ہو ہی گیا
تھا۔ اُس کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح ان پابندیوں کے خلاف واویلا
کرے۔ اِس لئے جو سچی یا جھوٹی خبر نواب کے تشدّد کے متعلق سن پاتا۔
اُسے سچ جان کر بڑے زور شور سے اظہارِ افسوس کرنے لگتا۔ کہ "اختیارات
نہ ہونے کے باعث نواب کو ایسی کارروائیوں سے باز رکھنے کے معاملہ
میں بے بس ہوں۔" ہیسٹنگز نے اُسے دنداں شکن جواب دیتے ہوئے لکھا
"بورڈ تمہیں خواہ کسی قسم کے اختیار دے بھی دے تم اُن تاثرات کو دُور
نہیں کر سکتے جن کا تم نے ذکر کیا ہے کیونکہ وزیر کے اعمال پر تمہیں کسی قسم کا
ضبط و اختیار حاصل نہیں۔ البتہ تمہارے صلاح مشورے کا کچھ وزن ہو سکتا
ہے۔ تم کو مشورہ یا صلاح دینے کا حق حاصل ہے۔ اور یہ تمہارا فرض ہے
کہ ہر ایسے معاملہ کے متعلق احتجاج کرو، جس سے عام عملہ پر یا باہمی مفاد کے
کسی معاملہ پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہو۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ
تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ اراکین بورڈ بھی اپنے کامل اختیارات کے ساتھ اگر
یہاں اصالتاً موجود ہوں تو وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ بھی وزیر سے لڑائی
کئے بغیر کسی قسم کا دباؤ اُس پر نہیں ڈال سکتے اور اس قسم کے دباؤ کے

ہم سب خلاف ہیں۔

وزیر پر بے جا دباؤ ڈالنے کی مخالفت اور اُس کے اختیارات میں ناجائز عمل اندازی کو روکنے کے سلسلے میں ہیسٹنگز کا رویہ نہ صرف اپنی آپ مثال ہے بلکہ قابلِ تعریف بھی ہے۔ یہی بات اس راز کی تفسیر ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں میں اُس کا اتنا اثر اور رسوخ کیوں تھا وہ بخوبی جانتے تھے کہ اُن کے حقوق اور حفظ مراتب کے معاملہ میں ہیسٹنگز صرف زبانی جمع خرچ ہی نہیں کرتا بلکہ اُس کے جذبات و خیالات سچے تھے اور اُن کی بنیاد مساوات کے اصول پر قائم تھی۔ لیکن جب اس کا یہ رویہ وزیر کے متعلق تھا تو اُس کے ساتھ ہی کیا یہ بات بھی جائز تھی کہ وہ اُس کی مدد کے لئے کمپنی کے فوجیوں کو بھاڑے کا ٹٹو بنا کر اُس کے پاس رکھے؟ کیا اس سے پہلے کی مثالیں گمراہ کن ثابت نہ ہوئی تھیں؟

اس کے جواب میں ہیسٹنگز غالباً یہ کہتا کہ وہ اپنے خیال کے مطابق نواب کے عام رویہ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ اُسے اُس کی جانب سے کسی ایسی کارروائی کا اندیشہ نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے کمپنی کی بدنامی ہو۔ اور یہ امر واقعہ تھا کہ نواب بھی کبھی اس قسم کی نازیبا حرکت کا مرتکب نہیں ہوا۔ چیمپین کی شکایات محض اُس کی ذاتی چالوں کا نتیجہ تھیں۔ یہ شکایتیں غیر مصدقہ افواہوں کی بنا پر کی جاتی تھیں اور بعد میں یہ ثابت بھی ہو جایا کرتا تھا کہ ان میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ بہرحال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہیسٹنگز کو وزیر پر پورا اعتماد تھا۔ اور وہ بے حد شریف طبیعت

انسان ہونے کے علاوہ بہترین حکمران بھی تھا تو اُس صورت میں بھی شک و شبہ کی خفیف گنجائش رہ جاتی ہے۔ کہ کمپنی کی فوج کو ملازمانہ حیثیت سے وہاں بھیجنے کی خاص وجہ کیا تھی اور کیا یہ حکمت عملی بطور خود بدنامی کا باعث نہ تھی؟ جنگ روہیلہ کے بعد جو تحقیقات ہوئی اُس میں کرنل لینزلی سے پوچھا گیا کہ "جو خدمت کمپنی کی فوج کو سونپی گئی اُس کے متعلق افسران فوج کا کیا خیال تھا۔ آیا وہ اُسے سلطنتِ انگلشیہ کے لئے قابلِ عزت سمجھتے ہیں یا باعثِ ذلت" لینزلی نے فوراً جواب دیا کہ "میں دوسروں کی رائے کے متعلق جوابدہی نہیں کر سکتا۔" تاہم اس سوال سے آسانی سے سمجھ میں آجانے والا نقطۂ نظر ظاہر ہو گیا جو ہیسٹنگز اپنے اس انہماک میں کسی طرح کمپنی کو مالی نفع حاصل ہو قطعاً نظر انداز کر گیا تھا۔

چنانچہ جلد ہی اُسے اس غفلت کی سزا بھگتنی پڑی۔ اُسے یہ خیال تھا کہ چمپین کی بدمزاجی اور افسروں کو انعام و اکرام نہ ملنے کی داستان عام حالات کی طرح بہت جلد فراموش ہو جائیگی اور ڈائرکٹر اُن بے بہا فوائد اور منافعوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو اس جنگ کے نتیجہ کی وجہ سے کمپنی کو حاصل ہوئے ہیں کسی قسم کی دیکھ بھال یا اُن فوائد کی موزونیت پر غور کئے بغیر اُنہیں قبول کر لیں گے۔ لیکن سوء اتفاق سے ادھر روہیلہ جنگ ۱۷۷۴ء کے موسم خزاں میں ختم ہوئی اور اُدھر حکومت بنگال کے نظم و نسق میں بنیادی تبدیلیاں ہو گئیں۔ ہیسٹنگز کے دو یا اڑھائی سال کی ٹھوس دور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب آئندہ چھ سال کے عرصہ میں اُسے لگاتار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور اُسکے مخالفین نے روہیلوں کی لڑائی ہی کو اپنی مخالفت کا سب سے بڑا ہدفِ ملامت بنایا +

نواں باب

مجلس عاملہ کے نئے رکن

۱۷۶۷ء میں دارالعوام نے کمپنی کے کاروبار اور دوسرے معاملات کے متعلق تحقیقات کی تھی اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ہیسٹنگز اور دوسرے لوگوں نے مجلس قانون کے سامنے پیش ہو کر شہادتیں بھی دی تھیں۔ اُس وقت سے لے کر اب تک دارالعوام کی دلچسپی میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ نوابوں کی بے حد و حساب دولت کے تذکروں کے ساتھ کمپنی کی اپنی بدحالی اور مالی مجبوریوں کا عجیب و غریب ذکر اذکار۔ بنگال میں ظلم و استبداد اور بدعملی کے بے چین کر دینے والے افسانے۔ یہ خوف کہ مٹھی بھر منچلے سوداگر بے انداز غیر معلوم اور ان گنت خزانے لوٹ لے جائیں گے۔ غرضیکہ یہ سب خیالات ایسے تھے جن کی وجہ سے عوام کے دلوں میں غصے۔ حسد۔ جوش اور قسمت آزمائی کے ولولے بھڑک اُٹھے تھے۔

عام رجحان یہ تھا کہ کمپنی کی بے شمار ذمہ داریوں اور امکانی منافعوں میں سے

یا تو تاج برطانیہ کو اچھا خاصہ حصّہ ملنا چاہیئے یا سارا انتظام شاہ برطانیہ کے ماتحت کر دیا جائے۔ لیکن کمپنی کا دار العوام میں ابھی کافی سے زیادہ اثر رسوخ تھا۔ اور ہندوستان کے متعلق اُن کی سرپرستی قائم رکھنے کی غرض سے وہاں بھی بد دیانتی کار فرما تھی۔ کوئی ایسی کوشش جس کا مقصد کمپنی کو اپنی مراعات سے یک قلم محروم کر دینا مطلوب ہو وہاں کامیاب نہ ہو سکتی تھی بلکہ ایسی تحریک کی سخت مخالفت کا ہونا یقینی امر تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے۔ جن کا خیال تھا کہ اگر ہندوستان کی بادشاہی اور بنگال کی حکومت تاج برطانیہ کے حوالہ کر دی گئی تو شاہ انگلستان کہیں دار العوام کے قابو سے نکل کر خود مختارانہ حیثیت اختیار نہ کر لے اور اس طرح وہ آزادی جو پچھلی صدی کی کدو کاوش کے بعد حاصل ہوئی ہے ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ الغرض صائب رائے یہی تھی، کہ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے ہر قسم کی احتیاط برتی جائے۔

۱۷۷۲ء میں یہ معاملات زور شور سے سامنے آ گئے۔ کمپنی اپنے تمام ذرائع آمد کا خاتمہ کر کے اپنی ساکھ بھی بگاڑ چکی تھی۔ چنانچہ اُس نے حکومتِ انگلشیہ سے دس لاکھ پونڈ کی رقم بطور قرض طلب کی۔ لارڈ نارتھ نے کہا۔ کہ اتنی بڑی رقم دار العوام کی منظوری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ منظوری چند ضروری شرائط طے کر لینے کے بعد دی جا سکے گی۔ اس درخواستِ قرض کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۷۷۳ء میں 'ریگولیٹنگ ایکٹ' یعنی "قانون انضباط" منظور ہوا۔ ہندوستان میں باقاعدہ حکومت قائم کرنے کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔ جو دار العوام نے اس سلسلہ میں اُٹھایا۔

اس ایکٹ کی رو سے کمپنی کو اپنی تکلیف دہ مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی مہلت مل گئی۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے پندرہ لاکھ پونڈ بطور قرض دے دیا اور چار لاکھ پونڈ سالانہ کا وہ ٹیکس بھی معاف کر دیا جو کمپنی پر پہلے عائد کیا گیا تھا۔ لیکن جب تک قرض ادا نہ ہو کمپنی کی حصہ داری کا منافع دس فیصدی سالانہ سے گھٹا کر چار فی صدی کر دیا گیا۔ نیز کمپنی کے آئین میں کچھ ایسی تبدیلیاں کر دی گئیں جن کے ذریعہ ڈائرکٹروں کی حکمت عملی سرکاری وزرا کے زیر اثر ہو گئی۔

ہندوستان میں بنگال کی حکومت کے لئے جن میں گورنر جنرل اور چار مشیر شامل تھے۔ ایک مجلس عاملہ تجویز ہوئی۔ اُن کو کچھ غیر مشرح اختیارات ایسے بھی دیئے گئے۔ جن کے ذریعہ وہ دوسرے دو صوبوں یعنی مدراس اور بمبئی پر بھی امور خارجہ کے متعلق کچھ ضبط رکھ سکتے تھے۔ پہلے گورنر جنرل اور اُس کے مشیروں کے نام اس قانون ہی میں درج کر دیئے گئے۔ اُن کی میعاد ملازمت پانچ سال مقرر کی گئی۔ اور اُن کی موقوفی کا اختیار صرف تاج برطانیہ کو دیا گیا کہ وہ کمپنی کی درخواست پر اگر چاہے تو انہیں کسی وقت علیحدہ کر دے۔

عدل و انصاف کے اجرا کے لئے ایک عدالت عالیہ جس میں ایک چیف جج اور تین دوسرے جج ہوں۔ بہار اور اڑیسہ کے لئے قائم ہوئی۔ اس عدالت کے اختیارات کی تشریح وضاحت کے ساتھ نہ کی گئی۔

اس کے علاوہ یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ جو مراسلات ہندوستان سے ڈائرکٹروں کو موصول ہوں۔ وہ سب کے سب چودہ روز کے اندر اندر سیکرٹری

آف سٹیٹ کے پاس پہنچ جایا کریں۔ تاکہ ہندوستانی معاملات پر وزارت کا عام ضبط قائم رہ سکے۔

عام طور پر اس قانون کی مذمت کی گئی۔ گو اس سے اُس صحیح کوشش کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ جو مختلف مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ مصالحانہ انداز میں کی گئی۔ اس میں جو نقائص پائے جاتے تھے وہ معلوم ہوتا ہے کہ کم فہمی اور لاپرواہی سے مسودہ تیار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ یہ نقائص کسی بد نیتی یا بد دیانتی کی بنا پر عمداً نہیں رکھے گئے۔ اس قانون کے ذریعہ جن مقاصد کا حصول مدِ نظر تھا اُن میں سے بعض تو بے حد قابل تعریف تھے لیکن ان کی تشریح کچھ صاف اور صریح نہ تھی اور اسی وجہ سے مجوزہ حکومتِ ہند کے ارکان میں سخت اختلاف رائے کا پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ مثلاً تینوں صوبوں کا ایک ضبط کے ماتحت کرنا بلا خوف تردید ایک دانشمندانہ اقدام تھا۔ ہیسٹنگز کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن جو اختیارات گورنر جنرل اور کونسل کو بمبئی اور مدراس کے احاطوں پر نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے دیئے گئے۔ کچھ ایسے مبہم اور غیر واضح تھے کہ وہ سب کے سب بیکار ہو کر رہ جاتے تھے۔ کلکتہ میں نئی عدالت عالیہ کا قیام بھی نہایت عمدہ تجویز تھی۔ کیونکہ کمپنی کے اپنے ملازموں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے جو عدالت کلکتہ میں قائم تھی اُس کے عمال ناتجربہ کار اور مبتدی تھے۔ اور کلکتہ کی بڑھتی ہوئی آبادی اور ضروریات کو پورا کرنے کے ناقابل تھے۔ لیکن اس عدالت کے حدود اختیارات کی تعریف مبہم تھی۔ اور اس وجہ سے گورنر جنرل اِن کونسل سے اکثر

اختلاف رائے پیدا ہو جایا کرتا تھا۔

اس کے علاوہ خود حکومت بنگال کے وضع کردہ آئین سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ یہ بات تو معقول تھی کہ عنان حکومت گورنر جنرل اور اس کے مشیروں کے ہاتھ میں ہو۔ اور ان کا انتخاب تاج برطانیہ خود ہی کیا کرے۔ لیکن گورنر جنرل کو بوقتِ ضرورت خود مختارانہ فیصلہ کرنے کا اختیار نہ دینا نامعقول بات تھی۔ ہیسٹنگز نے گورنر کے خاص اختیارات وغیرہ کی نسبت جو کچھ بھی لکھا تھا اُس پر کوئی غور نہ کیا گیا۔ اُس کی حیثیت وہی رہی جو پہلے تھی۔ اور اُسے اپنے مشیروں پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ جب رائیں برابر ہو جائیں۔ تو وہ ایک رائے زائد دے کر معاملات کا فیصلہ کر لیا کرے۔ اس قسم کے بندوبست سے گورنر جنرل اور اراکین مجلس عاملہ میں کھینچا تانی کا پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ اور پھر مجلس عاملہ کا انتخاب کچھ ایسا غیر موزوں ہُوا کہ یہ مخالفت یقینی ہو گئی۔ ہیسٹنگز کو گورنر جنرل اور اُس کے ساتھی بارول کو رکن مقرر کیا گیا۔ لیکن باقی تین رکن یعنی جنرل کلیورنگ۔ کرنل مانسن اور فلپ فرانسس سیدھے ولایت سے بھیجے گئے۔ انہیں بنگال کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ کمپنی سے ان کا کوئی تعلق پہلے سے نہ تھا۔ اور وہ سب کے سب کمپنی کے ملازمین کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہیسٹنگز کو ان تین مشیروں کے ساتھ ایک ہی سازمیں جوت دیا گیا۔ ایسے مواقع بہت کم نظر آتے تھے کہ وہ ہیسٹنگز سے وفادارانہ تعاون کریں گے۔

لارڈ نارتھ نے ہیسٹنگز کو اس عہدۂ جلیلہ پر مقرر کرنے میں غالباً تین باتوں کو

زیرِ نظر رکھا۔ اوّل تو یہ بات تھی کہ تجربہ اور مہارت کی بنا پر موجودہ نظام کا جاری رکھنا اچھا تھا۔ دوم یہ کہ کمپنی کے ڈائرکٹروں کی اشک شوئی بھی لازمی تھی جو ہیسٹنگز کے حسن انتظام سے خوش تھے۔ تیسرے یہ کہ ہیسٹنگز کی ذاتی قابلیت کا اعتراف بھی ضروری تھا۔ قانون کے پاس ہونے کے مختلف مدارج کے موقع پر لارڈ نارتھ نے ہیسٹنگز کی بے حد تعریف و توصیف کی اور کہا کہ "وہ ایسا شخص ہے کہ ترا گوشت پوست ہونے کے باوجود حرص اور لالچ کا شکار نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ بنگال کے مختلف انقلابات میں مختلف عہدوں پر فائز رہا، لیکن اُس نے کبھی ایک پیسہ کا لالچ اپنے واسطے نہیں کیا۔ اور اگر کوئی شخص اس بات کا مطالعہ کرے کہ اُس نے اپنے عہد حکومت کے پہلے چھ مہینوں ہی میں کیا کچھ کر دکھایا ہے تو وہ یقیناً اُس کی قابلیت اور اہلیت کا قائل ہو جائے گا۔" ظاہر ہے کہ ذاتی قابلیت و اہلیت گو لارڈ نارتھ کے نزدیک کچھ وزن نہ رکھتی تھی لیکن اس معاملہ میں اُس نے ان صفات کو خاص وقعت دی۔

بارول کی تقرری کی وجوہات صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکیں۔ غالباً وزارت نے یہ خیال کیا ہو گا کہ ایک اور آسامی کمپنی کے ملازم کو دی جائے۔ اور بارول کو یونہی چن لیا ہو۔ ہیسٹنگز کا دوست سایکس لکھتا ہے کہ "کسی شریف آدمی نے لارڈ نارتھ سے یہ کہا کہ قابلیت کے لحاظ سے ہیسٹنگز سے دوسرے درجہ پر بارول ہے۔" خیر بارول اب ہیسٹنگز کی خوش اطواری اور اعلیٰ قابلیت سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ اور اسکی حمایت کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ تھا۔ معلوم

ہوتا ہے۔ کہ ہیسٹنگز نے بھی بارول کی ناجائز دولت اندوزی کی بے قاعدگیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اُس سے صفائی کر لی ہو گی۔

باقی تین آسامیاں محض سیاسی ضروریات کے مطابق پُر کی گئیں۔ جنرل کلیورنگ ایک گرم مزاج بوڑھا سپاہی تھا۔ نہایت تنگ دل اور معمولی سمجھ کا آدمی۔ اُس نے جزائر غرب الہند میں کچھ قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں اور ۱۷۵۹ء میں کاڈیلوپ پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ لیکن لارڈ نارتھ کے نزدیک اُس کے اصلی حقوق یہ تھے۔ کہ دارالعوام کے بہت سے ووٹ اُس کے قبضے میں تھے اور خود بادشاہ بھی اُس کا بہت بڑا حمایتی تھا۔ زیادہ تر یہ شاہ جارج سوم کی خواہشات کی تعمیل تھی کہ لارڈ نارتھ نے اُس کی تقرری منظور کرا ہی لی۔ حالانکہ اُس کے مقابلہ میں جنرل ہاملٹن کے حقوق زیادہ قوی تھے۔ جنرل کلیورنگ کو مجلس عاملہ میں دوسری نشست دی گئی۔ تاکہ گورنر جنرل کا عہدہ خالی ہونے کی صورت میں وہ اِس عہدے پر ترقی کر جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُسے کمانڈر انچیف بھی مقرر کر دیا گیا۔

کرنل مانسن نے جنگِ ہفت سالہ کے دوران میں جنوبی ہند میں خدمات انجام دی تھیں۔ معمولی قابلیت کا آدمی تھا۔ اس عہدے کی کوئی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ محض پارلیمنٹ میں کچھ رسوخ ہونے کی وجہ سے لارڈ نارتھ نے اُسے منتخب کیا۔

تیسرا آدمی فلپ فرانسس واقعی شاندار تھا۔ معلوم نہیں کہ لارڈ نارتھ نے کن وجوہات کی بنا پر اُسے چُنا۔ اس کا کوئی اثر و رسوخ نہ تھا اور نہ ہی

اُس کا کوئی ایسا بارسوخ سرپرست تھا جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لارڈ نارتھ نے ایسا کیا ہو۔ اُس کا باپ ہنری فاکس کا پادری تھا اور فاکس ہی کی امداد سے وہ وائٹ ہال میں محرر مقرر ہوا۔ اُس کی قابلیتوں سے پٹ کچھ متاثر ہوا۔ اور اُس کی مدد سے پرائیویٹ سیکرٹری کے مختلف عہدے ملتے رہے۔ ۱۷۶۳ء سے ۱۷۷۲ء تک وہ وزارت جنگ میں کام کرتا رہا، جہاں لارڈ بیرنگٹن سے اُس کا جھگڑا ہو گیا۔ اور اُس نے استعفا دے دیا۔ جب وہ بنگال میں مقرر ہوا وہ بیکار تھا۔ نہ آئندہ خوش حالی کی کوئی اُمید تھی نہ پیسہ پلے تھا اور نہ رسوخ۔ اس لئے ۳۴ سال کی عمر میں اُس کا ہندوستان میں ایک ایسے بڑے عہدے پر مقرر ہو جانا ایک نہایت ہی حیرت انگیز بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ لارڈ نارتھ نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ 'جونیس' کے نام سے جو چٹھیاں شائع ہوئیں اُن کا مصنف یہی شخص تھا۔ اور لارڈ نارتھ نے اُس کو خاموش رکھنے کے لئے اُسے یہ لقمۂ تر دیا۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حقیقت میں یہی شخص 'جونیس' تھا تو اس قسم کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اُس وقت کوئی شخص یہ راز جانتا تھا یا اس کے متعلق کوئی شک رکھتا تھا۔ غالباً اس تقرری کی وجوہات کی اغلب وضاحت یہ ہو سکتی ہے کہ لارڈ نارتھ نے یہ جانتے ہوئے کہ باقی دو تو نرے کاٹھ کے اُلو ہیں۔ اِس لئے معاملہ فہمی۔ دُور اندیشی اور قابلیت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے کسی قابل اور فہیم شخص کو مقرر کر دیا جائے۔ فرانسس وزارت کی مہربانی کی وجہ سے ہمیشہ مطیع رہے گا۔ اور کلیورنگ اور مانسن میں جو کمی ہے اُن کو پورا کرتا رہے گا۔ تاکہ پارلیمنٹ میں اُن کا اثر و رسوخ بدستور

قائم رہے۔ غالباً لارڈ بیرنگٹن ہی نے فرانسس کی رسائی لارڈ نارتھ تک کرائی ہو کیونکہ وہ اُس کا پُرانا ماتحت تھا اور اُس کی لیاقت سے وہ بخوبی واقف تھا۔ پُرانی رنجش بھی دور ہو چکی تھی۔ اِس لئے محض احسان کے طور پر اُس نے فرانسس کو یہ نئی جگہ دلانے میں امداد کی۔

فرانسس بلاشک و شبہ غیر معمولی قابلیت کا مالک تھا۔ اُس کی چند یادداشتیں توضیح کلام اور صحیح استدلال کا بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن وہ اصول پرست مزاج کا آدمی اور تنگ دل شخص تھا۔

جہاں اُس نے کوئی نظریہ قائم کیا یا کسی بات سے اُسے نفرت پیدا ہوئی پھر ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے یا عملی تجربہ اور معاملہ فہمی کی بنا پر ہزار ہا جواز اُس کے خلاف پیدا ہوں وہ کبھی اپنے خیالات کو تبدیل کرنے پر رضامند نہ ہوتا تھا۔ مغرور۔ متکبر۔ ضدی اور کمینہ خو۔ اپنی ہٹ پر قائم اور اپنے مخالفوں کے ہمیشہ درپے آزار۔ بدقسمتی سے جب وہ ہندوستان آیا تو کمپنی کے ملازمین کے متعلق اُس کی رائے پہلے ہی سے بہت بُری تھی اور ہندوستان کے متعلق اُس کے خیالات جو اُس نے کلائو سے حاصل کئے تھے نہایت فرسودہ تھے۔ اس وجہ سے ہیسٹنگز کے متعلق اُس کی رائے پہلے ہی سے خراب تھی۔ ہیسٹنگز نہ صرف کمپنی کا سب سے پُرانا ملازم تھا بلکہ یہ ہیسٹنگز ہی تھا جس نے کلائو کی دو عملی حکومت کی مخالفت کی تھی۔ اِس لئے وہ یہ بات آسانی کے ساتھ ذہن نشین کر چکا تھا کہ ہیسٹنگز۔ باوجود نیک نام اور نیک نہاد ہونے کے پکا ریاکار اور منافق ہے جو خفیہ طور پر جبر ستانی اور غداری سے چشم پوشی کر کے

فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس قسم کا خیال اُس کی اپنی آرزوؤں کا بھی ممد و معاون تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہیسٹنگز کے علیحدہ ہونے کی دیر ہے۔ پھر وہ حکومت بنگال کے نظم و نسق میں خود مختار ہوگا۔ لیکن اُس نے اپنے جذبات کو حب الوطنی اور خدمتِ خلق کے بھیس میں چھپائے رکھا۔ اُس کا دِلی مقصد یہ تھا کہ وہ اس غلیظ اصطبل کو صاف کرے۔ اور جو ناانصافیاں یا ظلم ہیسٹنگز نے کئے یا چھپائے ہیں اُنہیں بے نقاب کرے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت تک بنگال میں بھی ایسی بے انصافیاں ہو رہی تھیں جو ہیسٹنگز کافی اختیارات نہ رکھنے کی وجہ سے دُور نہ کر سکا تھا یا بے حد نرم مزاج اور انسانی کمزوریوں کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اُنہیں برداشت کرکے معاف کر دیا کرتا تھا۔ ہیسٹنگز نے کبھی 'مصلح' ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کبھی اس بات کی شکایت کی کہ دوسرے لوگ اس کی طرح نیک کیوں نہیں ہیں۔

فرانسس کو اپنے طویل بحری سفر کے دوران میں کافی موقع ملا کہ وہ ہیسٹنگز کے خلاف اپنے دونوں ساتھیوں کے سامنے اپنی بد اعتمادی کا اظہار کرے اور اُس کے خلاف زہر اُگل کر اُن کو اپنے فرائضِ منصبی کی ادائگی کی تلقین اپنے طریق پر کرے۔ جونہی اُنہوں نے بنگال کی سرزمین پر قدم رکھا اُن کے بُرے سے بُرے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ اُن کا جذبۂ اصلاح جوش پکڑ گیا اور وہ تینوں ہیسٹنگز کی مخالفت کے لئے متفقہ طور پر آمادہ ہو گئے۔ آنے والی تبدیلیوں کی اطلاع اپریل ۱۷۷۴ء میں موصول ہوئی۔ مزید

تفصیلات بعد میں آئیں۔ ہیسٹنگز کو گورنر جنرل مقرر ہونے پر رہ رہ کر تعجب آمیز خوشی ہوتی تھی۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ اُس کے کاموں کو بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔ لیکن مشیروں کے انتخاب اور اُس کے اپنے اختیارات میں کوئی وسعت نہ ہونے کے باعث اُس کے دِل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ بدقسمتی وینی سٹارٹ کے مایوس کن مشاہدات اُس کے سامنے تھے۔ اگر واقعی مجھ پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو میرے عہدے اور ذمہ داریوں کے متناسب حالی مجھ کو اختیارات کیوں نہیں دیئے جاتے کیا مجھے اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ میرا سلسلہ ملازمت برقرار رہے اور اصلی اختیار و اقتدار دوسروں کو منتقل ہو جائے۔ یہ فرضیہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا تھا۔ عدالتِ عالیہ کے قیام سے بھی اُسے بے چینی ہوئی اُسے آپس کی مخالفت کا امکان بالکل صاف نظر آرہا تھا۔ اور اس کے علاوہ اُسے انگریزی قانون کو اس ملک میں جاری کرنے کے خیال سے بھی نفرت تھی۔ البتہ ایک بات اُس کے لئے کچھ قابلِ تشفی تھی کہ اُس کا پُرانا ہم سبق اور دوست علیجاہ امپے چیف جج مقرر ہو کر آرہا تھا۔ اُس نے امپے کو مبارکباد کا خط لکھتے ہوئے یہ لکھا کہ محض تمہاری تقرری نے مجھے اس نئی عدالت کے قیام کا ہم خیال کیا ہے۔ اسی خط میں اُس نے اپنی حیثیت کے متعلق بھی اپنے افکار کا اشارتاً ذکر کیا اور اُمید ظاہر کی کہ مجھے تمہاری دوستی پر بھروسہ ہے کہ میری اُن مشکلات اور تفکرات کے دُور کرنے میں جن سے واسطہ پڑنے کی توقع ہے تم میری ہر ممکن امداد کرو گے۔"

اِن وسوسوں کے ہوتے ہوئے ہیسٹنگز نے نئے مشیروں کا اعتماد اور خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بہترین ماحول پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ جب ان کا جہاز مدراس پہنچا، تو اُس نے ہر ایک کو ملیحدہ ملیحدہ "خوش آمدید" کے خطوط لکھے۔ کلکتہ میں اُن کے استقبال کے لئے بڑا انتظام کیا۔ اور اُن کی اُسی طرح عزت افزائی کی، جس طرح وینی سٹارٹ اور کلائو کی آمد پر ہوئی تھی۔

نئے اراکین کو خوش کرنے کے لئے یہ انتظامات کافی نہ تھے۔ یہ لوگ ۱۹ر اکتوبر ۱۷۷۴ء کو کلکتہ پہنچے۔ فرانسس لکھتا ہے کہ اُن کا استقبال "نہایت ذلیل اور کمینہ طریق سے ہوا"۔ کیوں کوئی گارڈ آف آنر پیش نہیں کیا گیا؟ اور کیوں سترہ توپوں کی سلامی کی بجائے اکیس توپوں کی سلامی نہیں دی گئی؟ گویا سر مُنڈاتے ہی اولے پڑے۔ اگلے دن نئی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا جس میں نئے آئین کے متعلق شاہی فرمان اور ڈائرکٹروں کا ہدایت نامہ پڑھا جاتا تھا۔ جن میں مختلف احکام وہدایات کے علاوہ یہ بات بھی درج تھی کہ عہدہ داروں کی گذشتہ غلط کاریوں کی تحقیقات کی جائے۔ یاد رہے کہ ہیسٹنگز کے گورنر ہونے کے موقع پر بھی اس قسم کی تحقیقات کے متعلق احکام موصول ہوئے تھے جن کی تعمیل اُس نے یہ خیال کرتے ہوئے معرض تعویق میں ڈال دی تھی کہ اس قسم کی کارروائی سے اُس کی اپنی مجلس عاملہ میں اختلافات بڑھ جائیں گے۔ اور زیادہ ضروری کاروبار مکمل نہ ہو سکے گا۔ لیکن اس مجلس نے فوراً یہ

فیصلہ کر ڈالا کہ اس تحقیقات کو ہر کام پر سبقت دی جائے۔ وہ تو اُسی وقت کام شروع کرنے کو تیار تھے۔ لیکن ہیسٹنگز نے بڑے تدبر سے کام لیتے ہوئے اُن کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ بارول کے آنے تک انتظار کیا جائے۔ بارول اُس وقت کلکتہ میں موجود نہ تھا۔ اس اثناء میں اُس نے یہ وعدہ کیا کہ میں ایک یادداشت تیار کر چھوڑوں گا۔ جس میں اس معاملہ کے متعلق سابقہ حکومت کی حکمت عملی اور انتظامات کی تفصیل درج ہوگی۔

اگلے اجلاس میں یہ یادداشت باقاعدہ طور پر پیش کر دی گئی۔ اور بڑی جنگ شروع ہو گئی۔ نئے اراکین نے روہیلہ جنگ پر سب سے پہلے بحث مباحثہ شروع کر دیا۔ ہیسٹنگز کی بیس سالہ خدمت کے مقابلہ میں انہیں ہندوستان میں آئے ہوئے ابھی ایک ہی ہفتہ ہونے پایا تھا۔ اُنہوں نے بلا حیل و حجت وزیر کے ساتھ بنارس کے معاہدہ اور گفتگو پر اظہار ملامت کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ اُنہیں وہ تمام خط و کتابت دکھائی جائے جو ہیسٹنگز اور وزیر کے درمیان اور مڈلٹن نمائندہ دربار اودھ کے درمیان ہوئی ہے۔ ہیسٹنگز نے اس تعمیل میں لیت و لعل سے کام لیا۔ مڈلٹن سے جو خط و کتابت ہوئی وہ زیادہ تر نجی اور خفیہ قسم کی تھی اور مجلس عاملہ کے سامنے اُسے پیش کرنے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ انتظامیہ امور کے عام اصولوں۔ پرانے دستور اور مڈلٹن سے اخلاص کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہیسٹنگز کا یہ طرزِ عمل بالکل درست تھا کہ وہ یہ خط و کتابت نہ دکھائے۔ جب کثرتِ رائے نے اُس کے خلاف فیصلہ کیا اور اُسے

ان کاغذات کے پیش کرنے پر مجبور کیا گیا تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔
البتہ اُس نے یہ کہا کہ جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے وہ ان کو اس خط و کتابت کی ایک ایک سطر دکھا دے گا۔

بھلا اِس طرزِ عمل سے اُن کی تسلی کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ غیظ و غضب کی حالت میں مشتعل ہو گئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی طاقت کے استعمال پر اُتر آئے۔ بارول اور ہیسٹنگز دونوں اُنہیں بہتیرا سمجھاتے رہے۔ لیکن اُنہوں نے ایک قرارداد اِس مضمون کی منظور کر ہی ڈالی کہ مڈلٹن کو فوراً لکھنؤ سے واپس بلا لیا جائے۔ روہیلہ جنگ کی مذمت کرتے ہوئے اُسے غیر منصفانہ اور غیر سیاسی قرار دیا گیا۔ اور یہ حکم دے دیا کہ اس کے متعلق باقاعدہ تحقیقات کی جائے۔

مڈلٹن کی اچانک واپسی کے حکم سے ہیسٹنگز کی صریح ہتک ہوئی اگر کثرت رائے کا یہی خیال تھا کہ روہیلہ جنگ ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہوئی تو اُس کو اس نمایاں طریق سے ہدف ملامت بنانا بے حد سینہ زوری کی بات تھی۔ مڈلٹن دربار اودھ میں ہیسٹنگز کا ذاتی نمائندہ تھا۔ اُسے وزیر کی منظوری سے مقرر کیا گیا تھا۔ تاکہ اُن دوستانہ تعلقات کو جو بنارس کی ملاقات میں استوار ہوئے قائم رکھا جائے۔ اُس کو واپس بلا لینے کا تو ہیسٹنگز کے اپنے الفاظ میں جو اُس نے لارڈ نارتھ کو لکھے یہ مطلب ہوا کہ ہندوستان بھر میں اس بات کا اعلان ہو جائے کہ میرا اختیار و اقتدار ختم ہے۔ اور اب حکومت کی باگ ڈور نئے آدمیوں کے ہاتھ میں آچکی ہے

جو نئے طریقے استعمال کریں گے"۔ کثرت رائے رکھنے والوں کا طرز عمل صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اُن کے مفروضہ اصولوں کو بھی سمجھا جائے۔ اُنہیں اس بات کا یقین تھا کہ کمپنی کے دوسرے ملازموں کی طرح خود ہیسٹنگز بھی رائج الوقت بددیانتی کے کاموں میں بُری طرح ملوث ہے اور اُنہیں یہ شک تھا کہ وزیر کے ساتھ سارے معاملات میں بددیانتی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اُس نے بے انداز ذاتی فائدہ اُٹھایا ہے۔ مڈلٹن سے جو بھی خط و کتابت ہوئی۔ اُس کے پیش کرنے سے انکار کی صورت میں اُن کے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ اور اُنہیں محسوس ہونے لگا کہ اِس معاملہ میں سخت سے سخت کارروائی کی ضرورت ہے۔

ہیسٹنگز کو اپنی جگہ اپنی راست روی اور شہرت کا گھمنڈ تھا۔ کیونکہ لارڈ نارتھ خود علانیہ اُس کی تعریف کر چکا تھا۔ اِس لئے وہ اپنے مخالفوں کے دلی ارادوں کو نہ سمجھ سکا۔ اُسے یہ اُمید تو ہرگز نہ تھی کہ وہ اُس کی کوئی رعایت کریں گے۔ لیکن یہ بات اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ چھوٹتے ہی اُسے چلتا ہُوا بدمعاش سمجھ کر اُس کے گذشتہ روّیہ کے متعلق گہری چھان بین اور تحقیقات اپنا اوّلین فرض سمجھیں گے۔ یقیناً اُس کو ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل ہونے کی عزّت محض اس بے مروّتی کے واسطے نہ بخشی گئی تھی۔ ان حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے وہ اس معاملہ کی اہمیّت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ کہ مڈلٹن سے خط و کتابت پیش کرنے سے

انکار کرنے کی صورت میں اُن کے دلوں پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ اگر اُسے اپنے انکار کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تو وہ شاید کوئی اور طریقہ اختیار کرتا۔ کیونکہ اس خط و کتابت میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی۔ بعد میں اُس نے ساری خط و کتابت کی نقل اتروا کر لارڈ نارتھ کے ملاحظہ کے لئے بھیج بھی دی

مڈلٹن کی باز طلبی کی خبر سُنکر نواب مذبر آبدیدہ ہوگیا۔ ہیسٹنگز اُس کا دوست تھا۔ اور اُس نے اُسی وقت یہ پیشین گوئی کی کہ ہیسٹنگز کے زوال کے بعد سب سے پہلے مجھ ہی پر نزلہ گرے گا۔ افسوس ہے کہ وہ کثرت رائے رکھنے والے اراکین کے بغض و عناد کا تماشہ دیکھنے کے لئے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ جنوری ۱۷۷۵ء میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ مرنے سے پہلے وہ اپنے بیٹے آصف الدولہ کو ہیسٹنگز کی نگرانی اور حفاظت میں دے گیا۔

ہیسٹنگز اب نئے نواب کی کچھ زیادہ مدد کرنے کے ناقابل تھا۔ کثرت رائے والے رکن بے حد بے لگام ہو چکے تھے۔ وہ اُن کی حرکات مذبوحی کے خلاف واویلا کرتا رہتا۔ کیونکہ خود اُن کو روکنے کی طاقت اُس کو نہ تھی اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ جو عہد نامے وزیر اودھ سے ہو چکے ہیں۔ اُس کی موت کے بعد منسوخ سمجھے جائیں۔ اور اگر اُس کا فرزند انگریزی راج کا خواہشمند ہے تو اُسے نئے عہد نامے کرنے چاہئیں۔ آصف الدولہ کمزور اور غفلت شعار نوجوان تھا۔ جسے زبردست امداد اور رہنمائی کی ضرورت تھی

نہ یہ کہ اُس پر نئی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا جائے۔ لیکن ان لوگوں کا خیال بالکل برعکس تھا۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ کمپنی کے بریگیڈ کے اخراجات اب دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار کے عوض دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ دیا کرے اور اس کے علاوہ بنارس کی ریاست کے تمام اضلاع جن پر نواب کی جانب سے راجہ چیت سنگھ حکمران ہے کمپنی کے حوالہ کر دیئے جائیں۔ اس شرارت آمیز جبر و تشدد اور غارت گری کی مثال دوسرے ہندوستانی راجاؤں نوابوں کے ساتھ مبینہ تشدد کے مقابلہ میں جو ہیسٹنگز سے منسوب کئے جاتے ہیں کہیں نہیں ملتی۔ فرانسس جو ہیسٹنگز کے خلاف الزام لگانے میں پیش پیش تھا اس ظلم و دراز دستی کا براہِ راست ذمہ دار تھا۔

کمپنی کی فوج کے اخراجات بڑھانے کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے آصف الدولہ کے ذرائع آمد کو بھی محدود کر دیا۔ اور اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اُنہوں نے اس بدبخت نواب کو اور طریقوں سے لوٹنے گھسوٹنے کے سامان پیدا کر دیئے شجاع الدولہ ایک بیکراں خزانہ چھوڑ مرا تھا۔ جس کی مجموعی تعداد بیس لاکھ اشرفی بتائی جاتی ہے۔ بیگماتِ اودھ یعنی نواب کی والدہ اور مرحوم نواب کی بیوہ نے اس رقم کا دعوے کیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ کمپنی کی فوج کی کئی مہینوں کی تنخواہ اور کمپنی کے دوسرے مواجبات یعنی روہیلہ جنگ کے اخراجات وغیرہ ابھی بقایا میں تھے اور فوج غدر کرنے پر آمادہ تھی۔ اگر نواب آصف الدولہ کچھ تھوڑا سا مستقل مزاج بھی ہوتا تو وہ اس بات پر زور دے سکتا تھا کہ سب سے پہلے ان ضروری ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل

کی جائے۔ شریعت اسلامیہ کی رُو سے بیگمات اودھ کو اس خزانہ کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ اپنے مصارف کے لئے بے انداز جائداد کی مالک بھی تھیں۔ انگریزوں کے ریذیڈنٹ برسٹو نے جو مڈلٹن کا جانشین ہوا۔ آصف الدولہ کو مضبوط رہنے کی صلاح دینے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے جو کمپنی اور اودھ کی فلاح و بہبود کے لئے اس وقت ایک ضروری بات تھی اپنے ذمہ یہ بات لی کہ وہ نواب کی جانب سے بیگمات اودھ سے تبادلہ خیالات کر کے صورت مفاہمت پیدا کرے۔ خدا معلوم اس ساز باز کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی لیکن برسٹو نے بہت ہی بُرا فیصلہ کرایا۔ سارے دعوے کے مقابلہ میں آصف الدولہ صرف پانچ لاکھ اشرفی لینے پر رضامند ہو گیا۔ اور برسٹو نے کمپنی کی جانب سے اس راضی نامہ پر مہر تصدیق ثبت کرانے کا ذمہ لیا۔

ہیسٹنگز اور بارول دونوں اس غیر سیاسی ساز باز کے خلاف چیختے چلاتے رہے لیکن کسی نے ایک نہ سنی اور نہ اُنہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ بعد میں اس سودے بازی کی وجہ سے کیا کیا طوفان اور فساد اُٹھیں گے۔ نواب کی فوجوں نے تنخواہ نہ ملنے کے باعث غدر برپا کر دیا۔ اس غدر کو قتل عام کے ذریعہ دبایا گیا امن امان قائم کرنے کے لئے نواب نے کمپنی سے فوجی امداد طلب کی۔ اس کے اخراجات بے حد زیادہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ نواب مقروض ہو گیا۔ صوبہ اودھ کی اس وقت کی بدسلیقگی کی وجہ سے اس سرزمین میں ناجائز منافعہ اندوزی، بدنظمی اور انتہائی مصیبت کا دروازہ کھل گیا۔ اور پورے اسّی سال بعد ان تکالیف کا خاتمہ غدر اور اشتمال ملک کی صورت میں ہوا +

دسواں باب

نند کمار کی ناکامی

جنگ روہیلہ کے اسباب و علل کی تحقیقات کے سلسلہ میں کثرت رائے رکھنے والے اراکین مجلس کو ہیسٹنگز کے خلاف بہت کم مواد مل سکا اس بات نے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ فوجی افسروں پر بڑی سختی کے ساتھ جرح و قدح کرنے کے باوجود ہیسٹنگز کے خلاف اُنہیں کوئی وزنی شہادت نہ مل سکی۔ البتہ روہیلوں کے متعلق اُنہیں کافی سے زیادہ واقعات ایسے معلوم ہوئے جن سے وہ محض بے خبر تھے۔ لیکن ان رکنوں کے عام رویہ سے بنگال بھر میں یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ ہیسٹنگز اپنا پہلا اقتدار کھو چکا ہے۔ اور اب اُس کی ذات پر نہ صرف کھلے بندوں حملہ کیا جا سکتا ہے بلکہ اُس سے آئندہ کے لئے بہتیرا فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ افواہ عام طور پر سارے ملک میں پھیل گئی کہ صوبوں کے نئے حکمران ہیسٹنگز کو بد دیانت اور بے ایمان سمجھتے ہیں۔ اور اُس کے خلاف اس قسم کی شہادت حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان نئے حکمرانوں کو ہندوستان میں آئے ہوئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ

نہ گذرا تھا۔ اس لئے اُنہیں یہ تجربہ کیسے ہو سکتا تھا کہ سچائی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بھی ان حالات میں اور اس ملک میں اس قسم کی شہادت آسانی سے مہیا ہو سکتی ہے۔ تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھے ہوئے اُنہوں نے ہیسٹنگز کے خلاف ہر قسم کے اتہام و افترا پردازی کی خبر کو خواہ وہ کسی مقصدانہ ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو سچ سمجھ کر جمع کرنا شروع کیا۔ اس قسم کی خبروں سے اُن کے ذاتی تعصبات کی تصدیق ہوتی رہی اور ہیسٹنگز کے مفروضہ جرم کی تفتیش و تحقیق میں اُن کی سرگرمی بڑھتی چلی گئی۔ کلیورنگ اور مانسن فطرتاً بُرے آدمی نہ تھے لیکن وہ متعصب، بے خبر اور بیوقوف ضرور تھے۔ اُس کے ساتھ ہی فرانسس جیسا حاسد آدمی اُن پر حاوی تھا۔ تانہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے ملک کے بدنام سے بدنام اور کمینے سے کمینے پاجی اور شہدے محض ذاتی بغض و عناد کی بنا پر جو من گھڑت افسانہ بھی گھڑ کر لاتے مخالف عنصر اُسے بڑے شوق اور متانت سے سُنتا اور من و عن قبول کر لیتا۔

ہیسٹنگز بھی اپنی جگہ خوب چوکس تھا اور وہ بخوبی سمجھتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہی آلہ کار جو اُس نے محمد رضا خاں کے خلاف استعمال کیا تھا۔ اب اُس کے اپنے خلاف استعمال ہونے والا تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۷۷۵ء میں مجلس عاملہ کے اجلاس میں فرانسس نے ایک خط پیش کیا۔ جس کی بابت اُس نے کہا کہ "یہ خط مجھے راجہ نند کمار نے کونسل میں پیش کرنے کی غرض سے دیا ہے۔" اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے اس کے نفس مضمون کا کوئی علم نہیں۔ لیکن خود اُسی کی تحریک پر اُسے کھول کر پڑھا گیا۔ اس خط میں ہیسٹنگز کے خلاف کئی الزامات کے علاوہ

رشوت ستانی کے چند مخصوص الزام بھی درج تھے۔ اس خط میں بیان کیا گیا تھا کہ " ہیسٹنگز نے مجھ سے اور مانی بیگم سے ساڑھے تین لاکھ روپیہ اُسے نوجوان نواب کا سرپرست اور میرے لڑکے کو دیوان مقرر کرنے کے سلسلہ میں وصول کیا۔" فرانسس کو اس خط کے مضمون کا پتہ تھا اور بعد میں اُسے اس بات کا اعتراف بھی کرنا پڑا۔ مانسن اور کلیورنگ بھی اس راز سے آگاہ تھے اور ہیسٹنگز خود بھی اس سے بے خبر نہ تھا۔

دو دن بعد ایک اور خط موصول ہوا جس میں سابقہ الزامات کی تصدیق کرتے ہوئے نند کمار نے اس امر کی اجازت طلب کی کہ مجھے کونسل بورڈ کے سامنے پیش ہو کر ناقابل تردید تحریری شہادت پیش کرنے کا موقع دیا جائے جو میرے قبضہ میں ہے۔ مانسن نے تجویز کی کہ اُسے مجلس عاملہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ ہیسٹنگز غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اپنی مسلمہ بُردباری اور متانت کے خلاف چلّا اُٹھا کہ "میں ملزم کی حیثیت سے ایسے بورڈ کے اجلاس میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اور نہ میں اراکین مجلس کو اپنا جج سمجھتا ہوں۔ اس موقع پر میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں جنرل کلیورنگ، کرنل مانسن اور مسٹر فرانسس کو اس اتہام اور افترا پردازی کا ذمہ دار سمجھتا ہوں۔" وہ الفاظ جن میں اُس نے اِس اجلاس کی یادداشت کو ختم کیا۔ اُس کے اندرونی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ " اِس نظام حکومت کے صدر اعلیٰ کو جو آپ سب سے اونچی حیثیت رکھتا ہے اور جسے مجلس قانون ساز دار العوام نے مقرر کیا ہے اس بات پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ اسی کونسل میں وہ ایک ایسے

پاجی کی موجودگی میں جسے آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبی آدم میں کمینہ ترین شخص ہے۔ اپنے خلاف توہین آمیز اتہامات سُنے۔ "کیا مجھے اس غرض سے وہاں بٹھلایا جاتا ہے کہ زمانے کے بدترین اور کمترین انسان جو اس کے اشاروں پر چل کر میرے خلاف یہاں شہادت دینے آئیں۔ اُن کی یاوہ گوئی اپنے کانوں سے سُنوں!؟ "میں ہرگز ایسا کرنے کو تیار نہیں۔ اگر تم کو یہ شوق چرایا ہے تو اپنی ایک کمیٹی بنالو اور ان معاملات کی تحقیقات جس طریق سے چاہو کرلو۔ لیکن گوش ہوش سے یہ بات سن لو کہ میں نند کمار کے سامنے بورڈ میں ہرگز نہ آؤں گا۔ اور نہ اُسے بورڈ میں بیان دینے کی اجازت دوں گا اور نہ ایسا کرنے کا آپ کو کوئی حق حاصل ہے۔ اور نہ اس کارروائی سے کوئی مقصد پورا ہوسکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ آپ ایسا بیہودہ اصرار کرکے مجھے بدنام کریں اور میری ہتک کریں۔"

مخالف عنصر کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ ہیسٹنگز کو بدنام اور بے عزت کیا جائے۔ اُن کی پیش کردہ تجویز کثرت رائے سے منظور ہو گئی اور سیکرٹری کو حکم دیا گیا کہ وہ نند کمار کو طلب کرے۔ اس مرحلہ پر ہیسٹنگز نے مجلس عاملہ کا اجلاس بند کردیا اور بارول سمیت کمرے سے باہر چلا گیا۔

مخالف عنصر نے نند کمار کے بیانات قلمبند کرنا شروع کیے۔ اُس نے ایک دستاویز پیش کی جو مانی بیگم کا خط بتایا جاتا تھا۔ جس پر اُس کی مُہر بھی لگی ہوئی تھی۔ اس خط میں اُن مختلف رقوم کا ذکر تھا جو مانی بیگم نے وقتاً فوقتاً ہیسٹنگز کو دیں اور اُس نے قبول کیں۔ نند کمار پر معمولی سی جرح کے

بعد از اکثریت نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہیسٹنگز نے واقعی یہ رقوم منی بیگم سے وصول کی ہیں اور اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ یہ تمام رقوم کمپنی کے خزانے میں داخل کر دے۔ اس مضمون کی قرار داد پاس کر کے اُس کی ایک نقل افسرانِ قانون کو بھیج دی گئی کہ وہ یہ بتائیں کہ یہ رقوم کس طریق سے وصول کی جائے۔

ہیسٹنگز کو پورا یقین تھا کہ منی بیگم کا یہ خط جعلی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ یہ جعل ثابت کر سکے گا۔ ایسا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ کیونکہ کمپنی کے قانونی مشیروں نے لندن سے لکھ بھیجا کہ نند کمار کی دی ہوئی اطلاع بظاہر جھوٹی ہے۔ اور اس معاملہ میں مزید کارروائی کی ضرورت نہیں اصل بات یہ ہے کہ نند کمار کے فردِ جرم میں صرف ایک بات سچی تھی اور وہ یہ کہ ہیسٹنگز کو مرشد آباد کے دوران قیام میں منی بیگم نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی رقم دو ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے مصارفِ خاص کے طور پر دی تھی اور یہ کوئی چوری چھپی کی بات نہ تھی۔ اس رقم کا اندراج باقاعدہ طور پر نواب کے بہی کھاتہ میں درج تھا۔ اور اگرچہ یہ رقم کہیں زیادہ تھی لیکن نوابوں کے مسلمہ معمول کے مطابق یہی منظور کی جاتی تھی۔ اور اس سے پہلے کلائیو و ملیرلیٹ بھی یہی رقوم وصول کر چکے تھے۔ اس کے سوا نند کمار کے بیان میں اور کوئی بات سچی نہ تھی۔

لیکن اس دروغ بافی اور افترا پردازی سے بچنے سکے لئے ہیسٹنگز مجبور تھا۔ نند کمار کی لگاتار محنت اور ایک بدنام یورپین منچلے فاؤک کی بدولت

کثرت رائے والے اراکین نے کلکتہ کی گلی گلی کی خاک چھان ماری کہ جو کیچڑ بھی مل سکے وہ ہیسٹنگز پر اُچھالا جائے۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "منادی ہو چکی ہے اور عنقریب کلکتہ کا شہر اطلاع دینے والوں اور شکایتیوں کے جم غفیر سے بھر جائے گا۔ جو اپنی اپنی مفروضہ شکایتوں کی فوری دادرسی کے لئے یہاں آ رہے ہیں۔ نند کمار اپنا دربار آراستہ کئے بیٹھا ہے۔ زمینداروں اور اُن کے مختار کاروں کو بلواتا ہے۔ ڈرا دھمکا کر یا دم دلاسہ دے کر اُن سے شکایات حاصل کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی خود ساختہ جعلی شکایتوں کے علاوہ اس طریق سے بہت سی شکایتیں حاصل کر لے گا۔ جو طریق کار اس سلسلے میں ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اُس کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ جنرل کلیورنگ بڑھے فاؤک کی امداد سے اس گندے مواد کے جمع کرنے کے لئے کد و کاوش کرتا ہے۔ مانسن یہ شکایات موصول کرتا ہے اور سُنا گیا ہے کہ ان میں مرچ مسالہ لگانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اور فرانسس انہیں لکھتا ہے۔" کیا سلطنتِ برطانیہ نے یہ نظام حکومت بنگال کے لئے اسی غرض کے لئے وضع کیا تھا اور یہ اختیارات مملکت ہندوستان کے باقی حصّوں پر بھی حاوی کرنے کے لئے انہیں سپرد کئے گئے تھے"؟

ہیسٹنگز بچارا خود بے اختیار تھا۔ اُس کے چیدہ چیدہ افسروں کو علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اب روز مرہ اُس کی بے عزتی اور بے حرمتی کی جانے لگی۔ ایک موقع پر اسی مخالف عنصر نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا، کہ

و تغلب اور خیانت کا کوئی ممکن طریقہ ایسا نہیں جس پر عالی مرتبت گورنر جنرل نے عمل نہ کیا ہو یا اُس سے پرہیز کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہو۔" اب تو وہ کچھ مایوس سا ہو گیا۔ ۲۷ مارچ ۱۷۷۵ء کو اس نے اپنے دو پرانے دوستوں مسٹر گریہم اور کرنل میکلین کو جو انگلستان جا چکے تھے لکھا کہ اگر مجھے ولایت کے آنے والی ڈاک سے یہ ظاہر ہو گیا کہ روہیلہ جنگ کا خیال وہاں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا یا میرا یہاں رہنا حکومتِ وقت کو پسند نہیں تو مَیں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ میں مستعفی ہو جاؤنگا۔ اُس صورت میں میری کوئی اُمید باقی نہیں رہے گی اور میں یہی مناسب سمجھوں گا کہ اس قابلِ نفرت ماحول کو خیرباد کہوں۔ پیشتر اس کے کہ میرے دشمنوں کو مجھ پر ناجائز غلبہ پانے کا موقع ملے۔" اُنہوں نے اپنے دوستوں کو لکھا کہ وہ اُس کے معاملہ میں جو مناسب سمجھیں کریں۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے لارڈ نارتھ سے مؤدبانہ التجا کی کہ "یا تو مجھے واپس بلا لیا جائے یا مجھے حالات کے موافق اختیارات دیئے جائیں"۔ وہ لکھتا ہے کہ "حقیر سے حقیر خدمتگار بھی جو روزانہ مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے مجھ سے زیادہ خوش ہے لیکن مجھے ایسے انتظامات کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے جو خود مجھے ناپسند ہیں۔ جو حقیقی تباہی کا موجب ہوں گے۔ لیکن میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے یہ سب کچھ دیکھنے پر مجبور ہوں"۔

لارڈ نارتھ سے اُسے حمایت کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ کمپنی کے ایک ملازم کی مدبران انگلستان کو کیا پروا تھی۔ وہ کس منہ سے اس بات کی اُمید

رکھ سکتا تھا کہ جنرل کلیورنگ جیسے آدمی کا مقابلہ کرے۔ جس کا پارلیمنٹ میں کافی رسوخ تھا اور جسے خود بادشاہ کی حمایت حاصل تھی۔ ہیسٹنگز کی اصلی طاقت انگلستان کی بجائے بنگال میں تھی۔ جہاں اُسے یہ عذاب مل رہا تھا۔ جہاں وہ محض اپنے دشمنوں کے رحم پر زندہ تھا، اور جہاں اُسے سوائے بدنامی اور بے عزتی کے کچھ حاصل ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ محض دھوکا ہی تھا۔ مخالف عنصر کو گو مجلس عاملہ میں پورا اقتدار حاصل تھا اور بہت سے ابن الوقت اُن کے حمایتی بھی تھے۔ لیکن وہ بنگال کے حالات سے محض ناواقف تھے۔ وہ یہاں کی آب و ہوا، اور یہاں کے باشندوں کی فطرت سے محض ناآشنا تھے۔ ہیسٹنگز کا تجربہ اور واقفیت کا پلّہ اُن کے مقابلہ میں بہت بھاری تھا۔ کلیورنگ اور مانسن ہندوستان میں بوڑھے ہو کر آئے تھے۔ یہاں کی مخالف آب و ہوا سے اُنہیں تکلیف ہوتی تھی۔ اُن کے مزاج چڑچڑے ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر انہیں جسمانی روگ لگ گئے۔ دیسی آدمیوں سے لین دین کے معاملے میں تینوں کے تینوں اپنی حدود سے باہر نکل گئے۔ نند کمار جیسے آدمیوں پر سادگی سے اعتبار و اعتماد کر کے وہ شرمناک حادثے کا شکار ہو گئے اور کلکتہ والوں کو اس واقعہ سے بے حد خوشی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہیسٹنگز کے اثر و رسوخ سے اور اپنے آلہ کار دوستوں کی انتہائی بے قدری سے بالکل بے خبر تھے۔ گورنر جنرل کے خلاف ان کمینوں نے جس شرمناک طریق سے حملے کئے اُس سے رائے عامہ بالکل خلاف ہو گئی

اِدھر تو ملک کے غنڈے اور بازاری آدمی اپنی شرمناک اور فضول خوش گپیوں میں مصروف تھے اُدھر ملک کے وفادار اور ہیسٹنگز کے با اعتبار دوست خفیہ طور پر ہیسٹنگز کی امداد میں مصروف تھے۔ بنگال سے اُس کے پچیس سالہ تعلقات تھے۔ برسوں سے وہ اعلیٰ عہدے پر سرفراز تھا۔ سب لوگ اُس کی خوش اخلاقی اور انصاف پسندی سے خوش تھے۔ بہتیرے آدمی اُس کے ذاتی دوست تھے اور شکرگذاری یا جلب منفعت کی اُمید میں یہ نہیں چاہتے تھے کہ مقابلہ کے بغیر میدان چھوڑ دیا جائے۔ سب کے سب بڑے خلوص کے ساتھ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ مخالف عنصر کے بے کار معاون ہاتھ ملتے رہ گئے۔

معاملات کی رو میں نمایاں تبدیلی ۱۹ر اپریل کو ظاہر ہوئی۔ جب ایک شخص کمال الدین نامی جو ہیسٹنگز پر تہمت لگانے والوں کی صفِ اوّل کا آدمی تھا نند کمار اور فاؤک کے خلاف ایک استغاثہ دائر کرنے کے لئے ہیسٹنگز کے سامنے پیش ہُوا۔ اُس نے اپنی رام کہانی غیر متعلقہ الفاظ اور مبہم طریق سے سُنائی۔ حاصل کلام یہ تھا کہ ہیسٹنگز اور فاؤک دونوں نے اُسے ایک درخواست پر دستخط کرنے کے لئے دھمکی دے کر مجبور کیا۔ جو ہیسٹنگز اور بارول کے خلاف تھی اور اس میں کئی الزامات اُن دونوں کے خلاف عائد کئے گئے تھے۔ ہیسٹنگز نے اُس پر پوری جرح قدح کی اور یہ معاملہ چیف جسٹس کے سپرد کر دیا۔ سر ملیجاہ امپے اور دوسرے ججوں نے سرسری تحقیقات کی۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی نند کمار اور فاؤک کے

خلاف زبردست شکوک وشبہات موجود ہیں۔ اور اُنہوں نے ہیسٹنگز اور بارول سے پوچھا کہ آیا وہ چالان پیش کرنے کو تیار ہیں۔ کمال الدین ناقابلِ اعتبار آدمی تھا۔ اور ہر وقت اپنے بیانات سے پھر سکتا تھا۔ لیکن یہ دونوں راضی ہوگئے اور ملزموں کی ضمانتیں ہوگئیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ کمال الدین جو اب تک مخالف عنصر کا زبردست حامی تھا یکایک اُن کے مخالف کیوں ہوگیا؟ اس کا باعث تو معلوم نہیں ہوسکا لیکن یہ مان لینا بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ اُس کے ضمیر کی آواز نے اُسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو۔ اس شخص کا چال چلن یا ضمیر ایسا نہیں تھا کہ بیرونی لالچ کے بغیر وہ کوئی اچھا کام کرسکے۔ بس یوں سمجھئے کہ کسی نہ کسی طرح اُس پر قابو پالیا گیا۔ ہیسٹنگز کے کسی خیر خواہ نے رسائی حاصل کرکے اُسے اپنی طرف کرلیا ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہیسٹنگز کے علم سے یہ بات کی گئی ہو۔ ہندوستان میں بڑے آدمیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُن کی چشم پوشی کے بغیر بھی ایسے کام ہوجایا کرتے ہیں۔ لیکن یہ کام ہیسٹنگز کے مخالفوں کو زک پہنچانے کے لئے عمداً کیا گیا ہوگا۔

ہیسٹنگز کے جوابی حملہ کی ابتدا اس واقعہ سے ہوئی۔ چند ماہ کے بعد عدالت نے دونوں ملزموں کو صرف بارول کے خلاف سازش کرنے کے جرم میں مجرم قرار دیا۔ لیکن اس مقدمہ کے فیصلے سے بہت پہلے ایک اور حیرت انگیز چالان کے پیش ہونے کے امکانات نظر آچکے تھے۔ ۶ مئی ۱۷۷۵ء کو نند کمار کو جعلسازی کے جرم میں گرفتار کرکے تا سماعتِ

مقدمہ قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ میکالے لکھتا ہے کہ مخالف عنصر کے اراکین کا غم و غصہ اب اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہیسٹنگز کے خلاف اُن کے سب سے بڑے گواہ پر ضرب کاری لگ چکی تھی۔ وہ اب قید خانہ میں تھا۔

ہیسٹنگز خود لکھتا ہے کہ "اُسے (نندکمار کو) پھانسی ملنے والی ہے" کیونکہ ان دنوں جعلسازی کی سزا موت تھی۔ کثرت رائے رکھنے والے اراکین کے لئے اب یہ ناممکن تھا کہ وہ دور دراز فاصلے پر رہنے والے ڈائرکٹروں کو اس کے متعلق شکایتاً کچھ لکھیں۔ جیساکہ انہوں نے اس سے قبل یہ سفارش کی تھی۔ کہ نندکمار کے لڑکے کو کوئی اعزاز یا خطاب دیا جائے۔ قانون نے اپنا سنگلاخ رستہ طے کیا۔ نندکمار، امپے اس کے تین ججوں اور جیوری کے سامنے پیش ہوا۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ اُس کا جُرم ثابت ہوگیا سزائے موت کا حکم صادر ہوا۔ اور اُسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ ہزاروں اطلاعیں دینے والے دُم دبا کر بھاگ گئے۔ اُس روز سے ہیسٹنگز کو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو تو اور بات ہے۔ لیکن ہندوستانیوں میں سے پھر کسی کو یہ ہمت نہ پڑی کہ وہ اُس کے خلاف لب کشائی کریں۔

اِس غیر معمولی واردات کی حقیقت کیا ہے؟ میکالے کہتا ہے کہ "سوائے بیوقوفوں اور سوانح لکھنے والوں کے کسی شخص کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس مقدمہ میں اصل مستغیث خود ہیسٹنگز ہی تھا۔ گو اس فیصلہ کو آجکل کے مصنفین کچھ حیرت و تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن

اُس زمانے میں عام خیال یہی تھا کہ نند کمار کو پھانسی محض اس وجہ سے دی گئی کہ اُس نے گورنر جنرل کی ذات پر ناپاک حملہ کرنے کی جرأت کی تھی۔ تاہم ایسا گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہیسٹنگز بذات خود اس مقدمہ کا سب سے بڑا محرک تھا یا اس نے جج امپے کے ساتھ سازش کر کے یہ کام کرایا۔ عام خیال یہ ہے کہ اگر نند کمار ہیسٹنگز پر تہمتیں نہ لگاتا تو اُسے پھانسی کی سزا نہ ملتی۔ اُس کا چالان تو غالباً ضرور ہو جاتا لیکن اُسے تختہ دار پر نہ لٹکایا جاتا۔

ہمیں اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اصل واقعات کیا تھے۔ اصل میں یہ چالان ایک دیوانی مقدمہ بازی کا شاخسانہ تھی جو ۱۷۷۲ء میں یعنی کئی برس پہلے شروع ہوئی۔ بلاقی داس نامی ایک ساہوکار کے وارثان نے نند کمار کے خلاف ایک دعوے کیا جو متوفی نے اُسے بطور قرض دے رکھا تھا۔ ایک وکیل موہن پرشاد اس مقدمہ کی پیروی مدعیوں کی طرف سے کر رہا تھا۔ نند کمار نے درستی دعوے سے انکار کیا اور اس لئے نند کمار اور متوفی کے درمیان جو لین دین ہوا تھا اس کے سارے حساب کتاب کی طویل پڑتال کی ضرورت پیش آئی۔ جب اس سلسلہ میں تمام متعلقہ کاغذات کی پڑتال ہو رہی تھی۔ مدعی نے یہ بیان کیا کہ ان کاغذات میں سے ایک تمسک جس پر بلاقی داس کے دستخط بتائے جاتے ہیں اور جو ایک رقم کی ادائیگی کی رسید ہے جعلی ہے۔ عدالت نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ معاملہ نازک صورت اختیار کر لے گا یہ سفارش کی کہ اس معاملہ میں ثالث

مقرر کر دیا جائے۔ بے حد تاخیر کے بعد نند کمار ثالثی کرانے پر راضی تو ہو گیا لیکن اُس نے اپنا ثالث نامزد کرنے میں پھر کافی دیر لگا دی۔ یہ مقدمہ ابھی چل ہی رہا تھا کہ ۱۷۷۴ء میں کلکتہ میں نئی عدالت عالیہ قائم ہو گئی۔

نند کمار کی ٹال مٹول والی چالوں سے تنگ آ کر موہن پرشاد نے اس قضیہ سے بہت پہلے یعنی مارچ ۱۷۷۴ء میں نند کمار پر دباؤ ڈالنے کی نیت سے یہ دھمکی دی کہ اُس کے خلاف فوجداری کارروائی شروع کر دی جائے گی۔ لیکن استغاثہ تیار کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ تمسک یا رسید جس کی نسبت جعلی ہونے کا خیال تھا حاصل کی جائے یہ رسید دوسرے کاغذات متعلقہ کے ساتھ عدالت میئر کے محافظ خانہ میں داخل دفتر ہو چکی تھی۔ جب موہن پرشاد نے اس دستاویز کے حاصل کرنے کی درخواست دی تو عدالت نے اس دستاویز کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور صرف اس کی نقل حاصل کرنے کی اجازت دی۔

جب نئی عدالت کا قیام عمل میں آیا تو معلوم ہوتا ہے کہ موہن پرشاد کو از سر نو یہ معاملہ زیر بحث لانے کا خیال پیدا ہوا۔ کیونکہ نند کمار اب تک اُس دیوانی مقدمے کے فیصلے میں تاخیر کرا رہا تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۷۷۵ء میں عدالت عالیہ میں اصل دستاویز کی حوالگی کے متعلق درخواست گذاری گئی۔ اور اُس پر مطلوبہ حکم حاصل کیا گیا۔ اس حکم کی تعمیل میں (عدالت ماتحت کی جانب سے) کچھ تاخیر ہوئی۔ اس لئے ۲۴ مارچ کو پھر عدالت عالیہ میں ایک اور درخواست دی گئی۔ جس پر فوراً یہ حکم دیا گیا کہ مطلوبہ

کاغذات ایک ماہ کے اندر اندر سائل کے حوالہ کئے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ تب کہیں جاکر یہ استغاثہ دائر ہوا۔ اور اس کا یہ نتیجہ نکلا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ان واقعات سے مصنفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نند کمار کے خلاف فوجداری مقدمہ کا ایسے وقت دائر ہونا جو ہیسٹنگز کے لئے نہایت ہی موزوں موقع تھا محض حسن اتفاق ہے۔ وہ یہ نکتہ بھول جاتے ہیں کہ اس طولانی فوجداری جھگڑے کی تفصیلات کا علم اگر خود ہیسٹنگز کو نہیں تو اُس کے خیر خواہوں اور متوسلین کو تو ضرور ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ خود ہیسٹنگز کو بھی اس کا علم ہو۔ کیونکہ موہن پرشاد اکثر اوقات گورنر جنرل کی باریابی حاصل کرتا رہتا تھا۔ اور نند کمار نے بھی ہیسٹنگز کے خلاف اسے وجہ عداوت قرار دیا۔ خیر جو کچھ بھی ہو یہ امر یقینی ہے کہ ہیسٹنگز کے مقامی حمایتیوں کو موہن پرشاد کے ذریعہ اس مقدمہ کے ضروری واقعات ضرور معلوم ہو گئے ہونگے۔ جونہی نند کمار نے ہیسٹنگز کی کھلم کھلا مخالفت کرنی شروع کی تو ان لوگوں نے بھی مستعدی کے ساتھ اس مقدمہ کے متعلق دیکھ بھال شروع کی اور فوجداری کارروائی کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اب تک تو اس معاملہ میں تجاہل عارفانہ ہی برتا جا رہا تھا اور مدعی خود بھی صرف اتنا ہی چاہتا تھا کہ اس ذریعہ سے نند کمار پر دباؤ ڈال کر اپنا دیا ہوا روپیہ وصول کر لیا جائے۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ اس ذریعہ کو کام میں لا کر نند کمار کو پھانسی

لگوادے گا۔ اگر ہیسٹنگز کی ذات کا سوال بیچ میں نہ آ پڑتا تو یہ فوجداری مقدمہ کبھی کامیاب نہ ہوتا، بلکہ ساری کارروائی بیچ ہی میں رہ جاتی۔ جونہی نند کمار کو یہ معلوم ہو جاتا کہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے وہ فوراً دیوانی مقدمہ میں راضی نامہ کر لیتا۔ اور مدعی کو اپنے ساتھ ملا کر تمام گواہوں کے بیانات بدلوا لیتا۔ مگر جب خود گورنر جنرل کے حمایتی اس بلا میں کود پڑے تو پھر آپس کے راضی نامہ یا صلح صفائی کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہی۔

اس مقدمے میں ہر قسم کی امداد دینے سے پہلے ہیسٹنگز کے حمایتیوں نے اس مقدمے کی متوقع کامیابی کے ہر پہلو کو بھی بغور جانچ لیا ہو گا۔ ہندوستان میں اکثر اوقات جج کے رجحان کو زبردست شہادت کے مقابلہ میں زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نند کمار کے خلاف جو مقدمہ تھا وہ مضبوط تھا لیکن فولاد نہ تھا۔ اگر کوئی ناموافق جج ہوتا تو اس میں بریت بھی ممکن تھی۔ یہ سب کو معلوم تھا کہ جج امپے ہیسٹنگز کا پرانا دوست ہے۔ اس لئے وہ نند کمار کی ناجائز رعایت کیوں کرتا۔ اس کے علاوہ جیوری بھی رعایت کیوں کرتی۔ کیونکہ ایک عرصہ سے اس شخص کی شہرت بے حد خراب تھی۔ اور انگریزوں میں تو گورنر جنرل کے خلاف اس کی افتراپردازی کے باعث عام ناراضگی تھی۔ اس لئے ان تمام واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مقدمہ کی کامیابی کے آثار بہت اچھے تھے۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ اس معاملہ کے متعلق ہیسٹنگز اور امپے کے

درمیان پہلے سے ساز باز ہو چکی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں تو امپے کو کچھ کہنا کہلانا ہی غیر ضروری تھا۔ نند کمار کے خلاف مقدمہ مضبوط تھا۔ اب ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ امپے نند کمار کی ناجائز رعایت نہ کرے۔ اس کے لئے ہیسٹنگز کے قدیم دوستانہ تعلقات ہی کافی ضمانت تھے۔

غرضیکہ اس معاملہ میں ہیسٹنگز کی ذات پر کوئی خاص دھبہ نہیں آتا۔ اُس نے نند کمار کے خلاف یا تو خود اپنے دوستوں کے ذریعہ ایک حربہ استعمال کیا۔ ولی اللہ یا کسی احمق کے سوا کوئی دوسرا شخص ایسا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ مقدمے کی سماعت یا اُس کے فیصلہ میں کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہوئی۔ اگرچہ موجودہ زمانے کے جج اس وقت کی شہادت کو جو اس مقدمہ میں پیش ہوئی مدِ نظر رکھتے ہوئے شاید سزائے موت کا حکم صادر نہ کرتے۔ لیکن یہ شہادت جرم کے ارتکاب کو صاف طور پر ثابت کرتی تھی۔ امپے یا اس کی یورپین جیوری کے متعلق خواہ کچھ بھی خیال کیا جائے۔ اُس کے ہم جلیس ججوں کی دیانت و امانت پر کسی صورت میں بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ ارتکاب جرم کی نسبت تو کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ سوال صرف اتنا ہے کہ آیا 'سزائے موت' کا حکم جائز تھا یا نہیں؟ اگر اس نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو موجودہ مورخین (ٹامسن اور گیرٹ) کے الفاظ میں اس سارے معاملہ کی حقیقت اس

سے زیادہ نہ تھی کہ یہ "معقولیت کی بگڑی ہوئی تصویر تھی"۔

نند کمار اور اُس کے ساتھیوں کے نزدیک جعلسازی ایک خفیف جرم تھا۔ میکالے لکھتا ہے کہ" اُن کے خیال میں یہ جرم ایسا ہی تھا جیسے کوئی یارک شائر کا شہسوار کوئی عیب دار گھوڑا اچھی قیمت پر بیچ دے"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزی قانون جس میں جعلسازی کی سزا موت تھی برسوں پہلے لارڈ میئر کلکتہ کی عدالت میں استعمال ہوتا تھا۔ لیکن مقامی مقدموں میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی جس میں واقعی ایسے جرم کی پاداشں میں سزائے موت دی گئی ہو۔ نند کمار خواہ کیسا ہی بُرا آدمی ہو۔ اور اپنی دوسری بداعمالیوں کے لئے سزائے موت کا مستحق بھی ہو۔ لیکن اُسے محض اس جُرم میں قابلِ گردن زدنی گردان لینا کہ اُس نے بلاقی داس کے وارثوں کو دھوکا دے کر چند ہزار پونڈ کی رقم بٹورنے کی کوشش کی۔ کسی صورت میں بھی قرینِ انصاف معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے بنیادی طور پر اُس زمانے کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اُسے پھانسی صرف اس قصور پر دی گئی کہ اُس نے گورنر جنرل کی توہین کرنے کی دیدہ دلیری کی تھی۔

نند کمار کو بے انصافی سے تختۂ دار پر لٹکا دینے کا اثر اوروں کے علاوہ ہیسٹنگز پر بھی منردر ہُوا۔ کیونکہ اُس نے کئی بار اس امر کی شکایت کی کہ لوگوں کو ایسی سزائیں دی جاتی ہیں۔ جن کی اہمیت سے وہ ناواقف ہیں۔ اور جنہیں اُن کی رسوم وعادات سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ تاہم اُس نے

سزائے موت کے حکم میں تخفیف کرنے کی کوئی کارروائی نہ کی۔ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ عبادت نفلی سمجھی جاتی۔ یقینی طور پر اُس پر کوئی اخلاقی پابندی یا منصبی مجبوری عاید نہ ہوتی تھی۔ جس کی بنا پر وہ التوائے قتل کے معاملہ پر غور کرتا۔ یہ ذمہ داری مخالف عنصر کے اراکین کی تھی۔ اُنہوں نے اُس پر اعتماد اور بھروسہ کیا تھا۔ اُنہوں نے ہی اُسے اس مشکوک خدمت پر مامور کر کے فائدہ اُٹھایا۔ اُنہوں نے ہی ہیسٹنگز کی کھُلے بندوں بے عزتی کرائی۔ لیکن جب اُس کی اپنی جان پر آبنی تو ان میں سے کسی نے اُس کے بچانے کے لئے اُنگلی تک بھی نہ اُٹھائی۔ اُس کے وکیل نے ایک عرضداشت ججوں کے سامنے پیش کی کہ انگلستان میں اپیل کرنے کے لئے مہلت دی جائے۔ اور اس عرضداشت کی ایک نقل فرانسس کو بھی دی گئی۔ کہ شاید وہ کونسل میں پیش کر کے سفارش بھی کر دادے۔ اگر ایسی سفارش ہو جاتی تو شاید ججوں کو اس درخواست کے مسترد کرنے میں دقّت ہوتی۔ لیکن کثرت رائے والے رکنوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے کہ نہ بابا ہمارا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد نند کمار نے بھی بڑی عاجزی کے ساتھ کئی درخواستیں اُن کے پاس بھیجیں۔ لیکن اُنہوں نے اُس کے مرنے سے پہلے اُنہیں کھولنا بھی پسند نہ کیا۔ معلوم نہیں اُنہوں نے ایسی بے اعتنائی کیوں برتی۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس اچانک انقلاب کی وجہ سے اُن کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ ششدر سے ہو کر رہ گئے۔ شاید اُنہیں یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ ایک مکّار شیطان سے واسطہ پڑ گیا تھا جس کا زیادہ

ساتھ دینا اب مناسب نہ ہوگا۔ یا ممکن ہے کہ وہ اپنے کئے پر آپ ہی
نادم ہوں کہ نند کمار کی قدر و قیمت عوام الناس کے نزدیک کیا
ہے۔ اُن کی نیت خواہ کچھ ہی ہو۔ وہ "چڑھ جا۔ بیٹا سولی پر رام بھلی
کرے گا" کے اصول پر کاربند رہے۔ اور اس طرح اپنے ایک ساتھی کا
ساتھ چھوڑ کر بنگال کے لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار و اعتماد کھو بیٹھے۔
ہیسٹنگز کی قدر و منزلت زیادہ بڑھ گئی۔ اُس نے ایک بڑے آدمی
سے جس نے اُسے نقصان پہنچایا تھا جائز بدلہ لیا۔ محبت کے بدلے
اُس نے زیادہ عزت و توقیر حاصل کی۔

گیارھواں باب

ہیسٹنگز پھر اقتدار حاصل کرتا ہے

نند کمار کے مقدمہ کی سماعت اور اُس کی موت کا واقعہ ہیسٹنگز اور مجلس عاملہ کے مخالف عنصر کی باہمی جنگ کے لئے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اگرچہ اُسے مجلس عاملہ پر پورا قابو پانے کے لئے ایک سال اور لگ گیا۔ لیکن آئے دن جس شرمناک طریق سے اُس کی ہتک کی جاتی تھی اور اُس کی ذات پر حملے کئے جاتے تھے یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ مخالف عنصر کو بڑا دھکا لگ چکا تھا اور ہیسٹنگز خوش تھا۔ اُس کے دشمنوں کو اس پر پوری فتح حاصل نہ ہوسکی۔ جس کی اواخر ماہ مارچ میں اُسے توقع تھی۔ وہ اس وقت کی مایوسیوں اور نا اُمیدیوں سے آزاد ہو چکا تھا اسلئے اُس نے استعفٰے دینے کا خیال ترک کردیا اور ۱۸ر مئی کو اُس نے اپنے ایجنٹوں کو لکھا کہ ۲۷ر مارچ کے خطوط میں جن ارادوں کا اظہار کرچکا ہوں انہیں ترک کرتا ہوں۔ انگلستان کی پہلی ڈاک خواہ کوئی اطلاع لائے لیکن اب میں پختہ ارادہ کرچکا ہوں کہ اپنی اپیل کے فیصلہ کا انتظار کروں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ

جن کا طریق عمل ایسا وحشیانہ ہو ایسے ذمہ دار عہدوں پر زیادہ عرصہ تک برقرار نہیں رکھے جا سکتے۔"

درمیانی عرصے میں یہ لوگ حسب معمول اپنے عہدوں پر متمکن رہے اور جو کچھ ہیسٹنگز نے کیا تھا۔ وہ برابر اس پر نکتہ چینی کرتے رہے۔ اور جن لوگوں کی اُس نے حمایت و حفاظت کی تھی اُنہیں دُکھ اور نقصان پہنچاتے رہے۔ ملک کا نظم ونسق دھڑا بندی کا شکار ہو چکا تھا۔ اور اب تو بڑے بڑے زمیندار بھی کسی نہ کسی دھڑے سے تعلق رکھنے لگے۔ ہیسٹنگز نے جس محنت اور جانکاہی سے جدید نظام کو چلایا تھا۔ اُس میں بھی تزلزل پیدا ہو گیا کیونکہ مخالف عنصر نے اُس کے سابقہ احکام کو منسوخ کرتے یا رائج کردہ دستور کو معطل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

سب سے پہلے تو اُنہوں نے مالگذاری کی وصولی کے طریقے پر اعتراض کیا۔ ۱۷۷۲ء کے پنج سالہ بندوبست کی بنا پر جو زیادہ سے زیادہ مالیانہ کسانوں نے ادا کرنا منظور کیا تھا پورے طور پر وصول نہ ہو سکا۔ اور بقایا جات بہت زیادہ جمع ہو گئے۔ مخالف عنصر بُری طرح ہیسٹنگز پر یہ الزام لگاتے تھے کہ اُس نے لگان کی تشخیص صحیح اندازہ سے زیادہ کی۔ جس کا وصول کرنا مشکل ہو گا۔ اور پھر اس بات پر بھی لعنت ملامت کرتے تھے کہ پورا مالیانہ وصول کیوں نہیں کیا گیا۔ نہ معافی دینے پر رضامند ہوتے تھے ہیسٹنگز نے اس بات کا اعتراف کیا کہ واقعی اس معاملہ میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ اور اُن کی نامہذب نکتہ چینی کو بڑی خوش اخلاقی اور تحمل کے ساتھ سُنتا

رہا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی اُس نے بڑی چالاکی کے ساتھ معاملات مال میں اُن کی قطعی لاعلمی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ کونسل کا ہر ایک رکن مالگذاری کی تشخیص اور وصولی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ اس مطالبہ کا جواب ان رُکنوں نے نہایت ہی کمزور طریقے سے دیا کہ "اس وقت اگر ہمیں اراضی کا دوبارہ بندوبست کرنے کے اختیارات دیئے گئے تو ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ وہ پورے ایک سال تک اس سلسلے میں کوئی ٹھوس تجویز پیش نہ کر سکے۔ آخر فرانسس نے کمپنی کے دو ملازموں پی ایم ڈاکرے اور جان شور کے مشورے کی بنا پر جن کا شکریہ ادا کرنے کی تکلیف بھی اُس نے گوارا نہ کی دوامی بندوبست کی ایک تجویز کونسل کے سامنے پیش کی۔ اس سے تو مہینے قبل ہیسٹنگز نے بارول کی مدد سے اپنی مخصوص مستعدی اور سرگرمی سے ایک اور تجویز تیار کر لی تھی۔ جو اس تجویز سے کہیں زیادہ ٹھوس اور بہتر تھی۔ اس میں دو پشتوں تک کی اجارہ داری۔ عام نیلام اور زمینداروں کو بولی دینے کی صورت میں خاص مراعات کے متعلق قواعد و شرائط موجود تھیں۔ یہ تجویز ڈائرکٹروں نے منظور نہ کی اور اس لئے اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ سکیم اُس نے اُس وقت تیار کی جب تند کمار کی مخالفت اپنے پورے زوروں پر تھی۔ اور جب اس کے دشمنوں کی تہمت بازی کے طفیل اُسے ہر وقت اپنی موقوفی کا خطرہ دامنگیر رہتا تھا۔ اس سے اس کی ہمت حوصلہ دماغی قابلیت اور ان تھک سرگرمی کا ثبوت ملتا ہے۔ بہت کم

لوگ ایسے ہیں جو ایسے حالات میں اس قسم کی حوصلہ شکنی کے باوجود مالیات کے نظم و نسق کے خشک معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے لئے وقت نکال سکیں۔

ہیسٹنگز کے اپنے لفظوں میں "تفرقہ بازی" ہی ایک ایسا اصول تھا جس پر کاربند رہتے ہوئے مخالف عنصر نے اپنا شرپسندانہ کام جاری رکھا۔ بینک جو اُس نے قائم کیا تھا بند کر دیا گیا۔ عدالتوں کی نگرانی موقوف ہوئی جن افسروں کو اُس نے مقرر کیا تھا ہٹا دیئے گئے۔ اور جہاں تک اُن سے ممکن ہو سکا اُنہوں نے پھر وہی دوعملی جاری کر دی جس کا اُس نے خاتمہ کیا تھا۔ آخری تبدیلی میں ہمیں کلاؤ کا اثر و رسوخ فرانسس کے ذریعہ کارفرما ہوتا ہُوا نظر آتا ہے۔ لیکن فرانسس صرف اس لئے کلاؤ کا طریق عمل دوبارہ جاری کرنے کا متمنی تھا۔ کہ وہ سراسر ہیسٹنگز کی حکمت عملی کے خلاف تھا۔ اُسے اس بات کی مطلق پروا نہ تھی کہ یہ طریق عمل بنگال کے بدلے ہوئے حالات میں کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ کٹھ پتلی نواب کی حکومت کی تجدید کا بہانہ محض تاریخی غلطی تھی۔ اس سے کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ فرانسیسی اور ولندیزی کمپنیاں یہ بات تسلیم کر چکی تھیں کہ انگریزی کمپنی کو حکومت کے سب اختیارات حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں عام نظام کے متعلق بھی نقصانات کا اندیشہ تھا۔ تاہم مخالف عنصر کے لئے یہ ثابت کرنا آسان تھا کہ ہیسٹنگز نے فوجداری عدالتیں کھول کر ملک کے سارے فوجداری نظام کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔ اُس سے نواب کے حقوقِ نظامت پر دستبرد کی گئی ہے۔ اس لئے اس ظلم کی دادرسی کے طور پر

جو ہیسٹنگز نے کیا تھا۔ اُنہوں نے نواب کو نظامت کے کل اختیارات واپس دے دیئے یعنی تمام عملہ پولیس اور فوجداری عدالتیں اُس کے ماتحت کردیں۔ اور یہ خیال کرکے کہ محمد رضا خاں ہیسٹنگز کا پُرانا دشمن ہے اُسے گوشۂ خلوت سے واپس بلاکر یہ محکمے اُس کے سپرد کردیئے۔ وہ نام کو تو نواب کا وزیر تھا۔ لیکن اصل میں مخالف عنصر کا گماشتہ تھا۔ جو اپنی مفروضہ خود مختاری کے پردے میں بلا روک ٹوک اپنے وسیع اختیارات استعمال کرتا تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا ہیسٹنگز اپنی بے بسی اور یہ دیکھنے کے باوجود کہ اُس کے قائم کردہ انتظامات کو کس بے دردی سے ملیا میٹ اور منسوخ کیا جا رہا ہے۔ برابر مستقل مزاجی کے ساتھ اڑا رہا۔ ڈائرکٹروں کے پہلے فرمان جو روہیلہ جنگ کے اسباب کے اختلاف کے متعلق موصول ہوئے۔ اُس میں اُس پر الیسی لے دے کی ہوئی تھی۔ اور اُس کی بعض کارگواریوں کی ایسی مذمت کی گئی تھی کہ اُسے کوئی شک وشبہ نہ رہا، کہ وہ سب کے سب اُس کے مخالف ہوگئے ہیں۔ "یہ خط مخالف عنصر کی چاپلوسی اور میری مذمت سے پُر ہے۔ مگر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ جن لوگوں نے یہ خط لکھنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے کہ وہ اس طریق سے مجھے ہتھیار ڈال دینے کا اشتعال دیں گے تو انہیں بہت بڑا دھوکا ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ بربادی یا قوت کچھ ہی ہو۔ میں اس سانحہ کا منتظر رہوں گا اور اگر میری قسمت میں زوال ہی لکھا ہے تو میں اپنی شکست اپنے آپ تو

نہ کبھی مانوں گا اور نہ اس کی توقع رکھوں گا۔"

ڈاکٹر اب اس شدید اختلاف رائے سے کما حقہٗ آگاہ ہو چکے تھے اس لئے اُنہوں نے اس خط میں باہمی تعاون کے لئے پُرزور تنبیہ بھی کی۔ اس بیہودگی کا وقتی اثر تو کچھ ہوا۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "جب یہ خط پڑھا گیا تو ہر ایک رکن کے دماغ پر یہ اثر تو ضرور ہوا کہ سب کے سب بے اختیار کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ اس پورے دو سال کے عرصہ میں باہمی تعاون کا صرف یہی مظاہرہ مَیں نے اس مجلس عاملہ میں پہلی مرتبہ دیکھا۔"

اس مدت میں گو ہیسٹنگز اپنی حکمت عملی پر تو عمل پیرا نہ ہو سکا لیکن حکومت کی مشین کی بنیادی کمانی وہی تھی۔ وہ مجلس عاملہ کے کسی اجلاس سے غیر حاضر نہ ہُوا۔ اور برابر کاروبارِ حکومت کو اپنی نگرانی میں چلاتا رہا اور اکثر اوقات مخالف رکنوں کی بے جوڑ تجاویز کو کسی نہ کسی طرح عملی جامہ پہنا کر جیسے وہ خود بھی پسند کریں۔ وہ بڑی محنت سے کام کرتا رہا۔ اگر وہ چاہتا تو وہ سارے کاروبار میں نہ حل ہونے والی گڑبڑ مچا سکتا تھا۔ لیکن اس میں حسن انتظام کا جو فطرتی مادہ موجود تھا۔ اُس کا تقاضا یہی رہا کہ حکومت کی گاڑی میں روڑے نہ اٹکائے۔ وہ اپنی ذاتی رائے کو غالب رکھنے میں تو کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ "غلط روی بھی کچھ نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اور تعطل کی حالت سے مفادعامہ کا خون ہوتا ہے۔" وہ نہایت صبر کے ساتھ مخالف عنصر کے فیصلوں پر ہی عمل کرتا رہا۔ مخالف عنصر کو بھی اس بات کا احساس تھا اور وہ اکثر افسوس کیا کرتے تھے کہ وہ اُسکے

محتاج ہیں۔ اُس کے علم و تجربہ، اُس کی جفاکشی اور عام کاروبار میں انتہائی باقاعدگی کا مقابلہ اُن میں سے کوئی بھی نہ کرسکتا تھا۔ کلیورنگ جو اُس کی جگہ لینے کا متمنّی تھا اکثر سوچا کرتا تھا کہ وہ یہ کام کر بھی سکے گا یا نہیں۔ اُس کی طبیعت پر آب و ہوا کا اثر بہت پڑ رہا تھا۔ اور وہ اپنے مستعفی ہونے کے سوال پر کئی مرتبہ فرانسس سے تبادلہ خیالات بھی کرچکا تھا۔

ہیسٹنگز بغیر شکست مانے برابر محنت سے کام کرتا رہا۔ اس وقت اُس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا۔ کہ کہیں مجلس اور عدالت عالیہ کے درمیان کوئی شدید اختلاف پیدا نہ ہوجائے۔ اور اُسے روکا جائے اُس نے پہلے ہی یہ خطرہ محسوس کیا تھا۔ کیونکہ عدالت عالیہ کے دیوانی عدالتوں سے جو اُس نے خود ہی قائم کی تھیں کوئی معیّن روابط قائم نہ تھے اور نہ ہی یہ بات واضح تھی کہ عدالتِ عالیہ کے دائرۂ اختیار کی حدود کیا ہیں۔ خاص تکلیف دہ بات یہ تھی کہ عدالت عالیہ اُن استغاثوں کی سماعت کی مدعی تھی جو مالگذاری وصول کرنے والوں کے خلاف دائر ہوں یعنی سوال یہ تھا کہ زمینداروں کے ظلم و تعدی کے خلاف جو وہ لگان وصول کرنے کے لئے کیا کرتے تھے۔ عدالت عالیہ کو دست اندازی کرنے کا حق حاصل تھا یا نہیں۔ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ "عدالتِ عالیہ کو انگریزی رعایا یا اُن کے ملازمین پر پورا قانونی اختیار حاصل تھا"۔ لیکن یہ بات غیر یقینی تھی کہ ان اختیارات کی زد میں کون کون لوگ آتے ہیں۔ ہیسٹنگز کے نزدیک شک و شبہ کی گنجائش کو دور کرنے کا بہترین

طریقہ یہی تھا کہ تینوں صوبوں کے تمام باشندوں پر عدالت کے اختیارات حاوی ہوں۔ اور اس اصول میں کوئی استثنانہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ عدالت ہائے ماتحت جو اس نے قائم کی تھیں۔ اُن کے تعلقات کی تشریح کردی جائے۔ جج امپے سے مشورہ کرنے کے بعد اُس نے عدل و انصاف کے بہترین اجرا کے لئے منجملہ اور تجاویز کے یہ تجویز بھی کی۔ کہ تمام دیوانی عدالتوں پر نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے عدالت عالیہ کے ججوں کو اراکین مجلس عاملہ کے ساتھ شامل کرکے ایک سب سے بڑی عدالت بنادیا جائے۔ جو اس کا انتظام کرے۔ یہاں ہمیں پھر ہیسٹنگز کی ان تھک سرگرمی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر اس کی تجویز یا اسی قسم کے کسی اور لائحہ عمل کو قبول کرلیا جاتا تو عدالت عالیہ اور مجلس عاملہ میں جو شدید اختلاف بعد میں پیدا ہوا کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اس نے ۱۷۷۶ء کے شروع میں یہ تجویز انگلستان بھیجی۔ لیکن اسے منظور نہ کیا گیا۔

مخالف عنصر نے اس تجویز پر بڑی طویل اور ادبی نکتہ چینی تو کی لیکن اپنی کوئی تجویز پیش نہ کرسکے۔ اب ایک طرف تو وہ دل چھوڑے بیٹھے تھے۔ اور دوسری جانب اپنی صحت بھی خراب کرچکے تھے۔ مارچ ۱۷۷۶ء میں فرانسس نے ایک نہایت مایوس کن خط میں کلیورنگ اور مانسن کی قابل رحم حالت یوں بیان کی ہے کہ "کلیورنگ کا بدن تو پھوڑوں سے بھر چکا ہے۔ اور مانسن اپنی جان بچانے کے لئے سمندر کی سیروسیاحت

کو چلا گیا ہے۔ فرانسس بھی گرمی کی شدت بڑی طرح محسوس کرتا تھا۔ بارول کے متعلق بھی وہ لکھتا ہے کہ مردوں کے برابر ہے۔ وہ زندہ تو ہے لیکن موت اُسے شاید قبول نہیں کرتی۔ ہیسٹنگز البتہ ہم سب سے زیادہ مضبوط ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ قدرتی موت نہیں مرے گا۔" حقیقت یہ ہے کہ ہیسٹنگز اپنی محتاط اور اعتدال پسند زندگی کی وجہ سے بنگال کی آب و ہوا کے لئے اپنے مخالفین کی بھرپور زندگی کے مقابلہ میں زیادہ موزوں تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "میں رات کا کھانا نہیں کھاتا۔ دس بجے سو جاتا ہوں۔ شراب نہیں پیتا۔ بلکہ سوائے چائے اور پانی کے دیگر مشروبات سے کچھ واسطہ ہی نہیں۔" ان عادات کا فرانسس سے مقابلہ کرو جو اُن دونوں سے زیادہ دیر تک زندہ رہا۔ اُس نے اپنی طاقت عیش و عشرت میں کھو دی۔ ساری ساری رات بارول کے ساتھ جوا کھیلنے میں مصروف رہتا۔ ایک شام کا تو یہ ذکر ہے کہ اُس نے بارول سے بیس ہزار پونڈ کی رقم جیت لی۔ بارول ان سب میں بڑا نواب تھا اور اس قسم کی فضول خرچی کی توفیق رکھتا تھا۔

۱۷۷۶ء کے موسم گرما میں مانسن بڑی طرح بیمار پڑا، اور کوئی دو مہینے سے زیادہ عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد ۲۵ ستمبر کو چل بسا۔ ہیسٹنگز لارڈ نارتھ کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے وقت خشکی جھاڑتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس واقعہ سے مجھے اپنی حیثیت کے مطابق اپنے قانونی اختیارات استعمال کرنے کا موقع مل گیا ہے۔" بارول کی امداد اور اپنے

کاسٹنگ ووٹ کے بل بوتے پر اب وہ کونسل کا مالک تھا لیکن کب تک؟ مانسن کی وفات کے بعد وہ جنرل کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ "پھوڑوں سے بھرپور ہونے کی وجہ سے وہ بیمار تو ہے۔ لیکن اُس کی حالت خطرناک نہیں ہے۔" اُسے دوسری موت کی اُمید نہ تھی۔ مانسن کا جانشین کوئی ایک سال تک پہنچنے والا تھا۔ وہ لازمی طور پر کلیورنگ کا دوست ہوگا جو یقیناً اُس کی ٹولی کو مضبوط کرنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ ان حالات میں ہیسٹنگز کو عارضی طور پر اختیارات حاصل ہونے کی کوئی خاص خوشی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن اُس نے پہلے سے بھی زیادہ مستقل مزاجی کے ساتھ یہ تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اپنے دوست گریسیم کو لکھتا ہے کہ "مصیبت کے دو سال گزارنے کے بعد میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ کہ یا تو بادشاہ سلامت کا خاص وضع کردہ قانون یا موت ہی مجھے اس عہدے سے ہٹائے گی۔"

اُس کو اس بات کا کوئی خیال ہی نہ تھا۔ کہ بادشاہ اور وزرا کی دلی آرزو یہ ہے کہ کسی طریق سے اُسے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور وہ اس خیال میں کسی حد تک تقریباً کامیاب بھی ہو چکے تھے۔ بنگال میں تو اُس کے اپنے مخالف بیمار پڑے تھے۔ اور انگلستان میں وہ خود تباہی کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ ۱۷۷۵ء کے وسط میں بنگال کونسل میں آپس کے شدید اختلافات کی خبریں حکام بالادست کو انگلستان میں ملیں۔ وہ یہ بات بھی بھانپ چکے تھے کہ آپس کی مصالحت ممکن نہیں۔ اس لئے

ضروری تھا کہ حکومت کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک فریق کو واپس بلا لیا جائے۔ سوال یہ تھا کہ کس فریق کو واپس بلایا جائے؟۔ ہیسٹنگز یہ جانتا تھا کہ اس کا اپنا پلّہ کمزور ہے۔ لیکن اُسے یہ یقین بھی نہ آتا تھا کہ ایسے لوگوں کی حمایت کی جائے گی جن کے "اعمال ایسے وحشیانہ ہیں"۔ اُس کو لارڈ نارتھ اور اُس کے سیکرٹری رابنسن پر پورا بھروسہ تھا۔ جنہوں نے اُسے حوصلہ افزا خطوط لکھے تھے۔ اُسے یہ خیال تھا کہ لارڈ نارتھ کاغذات کا بغور ملاحظہ کرنے کے بعد ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ کثرت رائے رکھنے والے اراکین نے احمقانہ اور ناموزوں وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور اس طرح اُسے اُس کی حمایت جس کا وہ بجا طور پر مستحق ہے مل جائے گی۔ یہ سراسر غلط اندازہ تھا۔ حقیقت حال پر اس جھگڑے کے فیصلہ ہونے کا تو کوئی امکان ہی نہ تھا یہ ایک مانی ہوئی بات تھی کہ لارڈ نارتھ اپنے نامزد اراکین کے خلاف کبھی نہ جائے گا۔ کلیورنگ اور اُس کے دونوں ساتھیوں کے خلاف اُن کے غیر معقول اور معاندانہ رویہ کی وجہ سے کوئی ناراضگی ہو بھی تو اُس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہیسٹنگز کے مقابلہ میں اُن کا ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ کلیورنگ کے ذاتی رسوخ کی وجہ سے جو اُسے پارلیمنٹ میں حاصل تھا اور خود بادشاہ کی مہربانی کے باعث یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ محض انصاف یا ہیسٹنگز کی اعلےٰ قابلیت کے باعث کلیورنگ سے بگاڑ پیدا کیا جائے۔ اُس کے علاوہ ابھی تک یہ چہ میگوئیاں بھی جاری تھیں کہ کمپنی کو محض تجارتی اغراض کے لئے قائم رکھا جائے۔ لیکن ممالک محروسہ پر تاج برطانیہ کی طرف سے قبضہ کر لیا جائے۔

اس قسم کی حکمت عملی پر عمل در آمد کرنے کے لئے کیورنگ جو خود سپاہی اور شاہی ملازم تھا ہیسٹنگز کی نسبت جو کمپنی کا ملازم تھا زیادہ موزوں تھا۔
بہر حال اس کے متعلق فیصلہ ہونا ضروری تھا اور ہیسٹنگز کی علیحدگی ہی ضروری معلوم ہوتی تھی۔ ایسا فیصلہ کرنا تو آسان تھا لیکن اس پر عمل کرنا آسان نہ تھا۔ لارڈ نارتھ کا وضع کردہ "ریگولیٹنگ ایکٹ" جو مختلف الخیال فریقوں کے آڑے آ رہا تھا۔ اب خود اس کے لئے رکاوٹ کا باعث بن گیا۔ کونسل کے اراکین کو صرف تاج برطانیہ ہی کمپنی کی درخواست پر موقوف کر سکتا تھا اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ خود کمپنی ہی اپنی مرضی سے ہیسٹنگز کی علیحدگی کی درخواست کرے وہ کمپنی کا ملازم تھا۔ اور اس نے کمپنی کا حق ملازمت بہترین طریقے سے ادا کیا تھا۔ حالانکہ کثرت رائے رکھنے والے تو کھلم کھلا کمپنی سے اپنی نفرت کا اظہار کر چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ہیسٹنگز اور بارول دونوں کی علیحدگی کی تجویز مسترد کر دی۔
کمپنی کے غیر معقول رویہ کی وجہ سے ناکام ہو کر اب لارڈ نارتھ نے رشوت کے ذریعہ کام نکالنا چاہا۔ اس کے گماشتوں نے اب ڈائرکٹروں اور چند مالکوں کو بہلانا پھسلانا شروع کیا۔ ان کی کوشش کی کامیابی کا کچھ اثر ان فرمانوں سے مترشح ہوتا ہے جو ڈائرکٹروں نے بنگال کے متعلق جاری کئے۔ ان میں ہیسٹنگز کی سخت مخالفت کی گئی۔ ہیسٹنگز کے حامی مسٹر میکلین نے جو انگلستان میں تھا دوستوں کے ساتھ چھوڑ جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں روٹیاں اور مچھلیاں بٹتے ہوئے دیکھ کر ہمیشہ خوفزدہ

رہتا ہوں۔"

۱۷۷۶ء کے موسم بہار میں لارڈ نارتھ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور ۹ر مئی کو ہیسٹنگز اور بارول کی علیحدگی کی قرارداد جو پہلے نامنظور ہو چکی تھی دوبارہ قلیل المیعاد اطلاع پر ڈائرکٹروں کی مجلس میں پیش ہوئی۔ یہ قرارداد گیارہ دس کی کثرت سے منظور ہو گئی۔ یعنی صرف ایک رائے کی کثرت سے یہ قرارداد پاس ہوئی۔ تجویز یہ تھی کہ جھٹ پٹ اس معاملہ کا قطعی فیصلہ کرنے کی غرض سے اگلے ہی دن بادشاہ کی منظوری کے لئے کاغذات بھیج دیئے جائیں۔ لیکن میکلین اور ہیسٹنگز کے دوسرے دوست چوکس تھے۔ جونہی رائے زنی کے فیصلہ کا اعلان ہوا انہوں نے ایک اور عرضداشت پر دستخط کرا کر یہ مطالبہ کیا کہ مالکان کمپنی اس معاملہ پر غور کریں۔ ڈائرکٹروں کو یہ درخواست منظور کرنی پڑی۔ چنانچہ ۱۶ر مئی کو مالکان کمپنی کا اجلاس ہوا لیکن یہ اجلاس کسی وجہ سے برخاست کرنا پڑا اور ۱۸ر مئی کو رائے شماری ہوئی۔ اجلاس مکمل تھا۔ دونوں طرف کے حمایتی زوروں پر تھے اور حکومت نے بھی اپنا پورا رسوخ استعمال کر رکھا تھا۔ ہیسٹنگز کا معاملہ کمپنی کا اپنا معاملہ تھا۔ مالکان کو اس بات کا احساس تھا کہ ہیسٹنگز کی ذات کے علاوہ کمپنی کا سارا مفاد خطرہ میں ہے۔ ہیسٹنگز کی علیحدگی اور کلیورنگ کا گورنر جنرل ہو جانا کمپنی کے خاتمہ کے مترادف تھا۔ مالکان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے ان کو فرداً فرداً رشوت دینا بھی ناممکن تھا۔ وہ سب کے سب ہیسٹنگز کی امداد پر تل گئے اور انہوں نے ۱۰۶ کی کثرت رائے

سے جو دو اور ایک کی نسبت رکھتی تھی ڈائرکٹروں کے فیصلے کو مسترد کر دیا۔
گورنمنٹ اس فیصلہ پر بہت دق ہوئی۔ جو کچھ انہوں نے ڈائرکٹروں کو رشوت دینے میں خرچ کیا تھا وہ سب رائگاں گیا۔ میکلین لکھتا ہے کہ "فیصلہ کی کثرت رائے کو دیکھ کر اُن کے چھکے چھوٹ گئے۔ لارڈ نارتھ اب انڈیا ہاؤس یا ڈائرکٹروں یا مالکوں کا ذکر کرتے ہوئے گھبراتا ہے"۔
لارڈ نارتھ نے اب یہ رائے قائم کی کہ ہندوستان کے معاملات کے سلجھانے کے لئے صرف پارلیمنٹ (دارالعوام) ہی فیصلہ کر سکتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ "کمپنی کے فرمان کی میعاد گزرنے سے پہلے ہی کمپنی کے تمام مقبوضات اُس سے لے لینے چاہئیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے دارالعوام کا اجلاس کرسمس سے پہلے ہی بُلا لیا جائے۔ اس عرصہ میں مالکان جو چاہیں کرتے رہیں۔ جتنی بیہودگی وہ کریں گے اُتنا ہی اچھا ہوگا۔
اس قسم کی دھمکیوں سے پہلے تو میکلین کچھ خائف نہ ہوا۔ اُسے یہ خیال تھا کہ باقی وزرا کمپنی کے خلاف اس حد تک جانے کو تیار نہ ہوں گے۔ مگر جوں جوں موسم گرما گذرتا گیا اُس کے وساوس بڑھتے گئے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس ماہ اکتوبر کے لئے بُلایا گیا۔ جس میں معاملاتِ ہند پر بحث مباحثہ کرنے کی تجویز تھی۔ وزرات کے خلاف کامیابی کے ساتھ لڑنے کے آثار کم تھے۔ اگر ہیسٹنگز کو پارلیمنٹ کے کسی جدید قانون کی بنا پر علیحدہ نہ بھی کیا جائے تو اس بات کی اُمید بہت کم تھی کہ وہ اپنی مجلس عاملہ میں خود مختارانہ طور پر کوئی کام کر سکے۔ اس لئے جب وزارت نے اپنے ناگزیر

سیکرٹری مسٹر رابنسن کے ذریعہ راضی نامہ کے لئے ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ میکلین نے یہ مناسب جانا کہ ہیسٹنگز کے لئے اس وقت آبرو کے ساتھ مستعفی ہو جانا بہتر ہوگا۔ چند ہفتوں کی گفت و شنید کے بعد یہ بات طے پائی کہ وہ اس صریح شرط پر مستعفی ہو جائے کہ کمپنی کے تمام ملازمین خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا انگریز جو اس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے علیحدہ کئے گئے ہیں دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر بحال کر دیئے جائیں اور ہیسٹنگز کا واپس آنے پر اُس کی شان کے مطابق استقبال کیا جائے۔ اور اگر اُس کی خدمات کی قدردانی کے لئے شکریہ کی قرارداد پیش ہو تو اُسے منظور کر لیا جائے۔ یہ تجویز بھی تھی کہ اُسے آئرلینڈ کے علاقہ کا لارڈ بنا دیا جائے۔ لیکن اس کے متعلق کوئی واضح فیصلہ نہ ہو سکا۔ تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اُسے خطاب کا لالچ رشوت کے طور پر دے کر استعفا دینے کے لئے مجبور کیا گیا ہے۔

جب یہ شرائط طے پا گئیں تو میکلین نے ڈائرکٹروں کو لکھا کہ ہیسٹنگز نے اپنی کونسل کے شدید اختلافات کو ختم کرنے کی نیت سے مجھے اس بات کا اعلان کرنے کی ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہونے پر آمادہ ہے۔ ڈائرکٹروں کو اس امر کے متعلق شبہ تھا کہ آیا میکلین کو اس قسم کی کارروائی کرنے کا کوئی حق بھی تھا یا نہیں میکلین کو زیادہ تر اُس کی زبانی ہدایات اور ۲۷ر مارچ والے خط پر بھروسہ تھا۔ کچھ تامل کے بعد اُنہوں نے میکلین کی یقین دہانیوں کو قبول کر لیا۔ اور ۱۶ر اکتوبر کو ہیسٹنگز کی مفروضہ خواہشات کی اطلاع اُنہوں نے سیکرٹری

آف سٹیٹ کو دے دی۔

اس پر ہیسٹنگز کے بعض دوست میکلین سے ناراض ہو گئے۔ اُن کا یہ خیال تھا۔ کہ شکست کا اعتراف غیر ضروری تھا اور میکلین کو ایسی عرضداشت پیش کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ میکلین نے جواب دیا۔ کہ "پھر ہیسٹنگز مجھ سے برگشتہ ہو جائے گا۔ استعفا اُس نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہوًا ہے"۔ اس میں کلام نہیں کہ میکلین کی نیت بالکل صاف تھی۔ مانسن کی بیماری اور موت کی خبر ابھی انگلستان نہ پہنچی تھی۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیسٹنگز کو بنگال میں زیادہ عرصہ تک رہنے میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اُسے زیادہ نقصان پہنچے گا۔ اس کے علاوہ نا اتفاقی جاری رہے گی اور آخر وزارت تنگ آ کر انتہائی کارروائی کرنے پر مجبور ہو گی کہ پارلیمنٹ سے نیا قانون منظور کرا کر اُسے بے عزتی کے ساتھ نکال باہر کرے اس سے تو یہی بہتر صورت ہے کہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ سبکدوش ہو جائے کیونکہ وزارت کی نیت بد نہ تھی۔ وزیر تو صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ الگ ہو جائے۔ اور اگر وہ خود استعفا دے دے تو وہ شکرگزار بھی ہونگے۔ اُس کے ایک دلی دوست نے اُسے سمجھایا کہ تم نے اُنہیں ایک پریشان کن پیچیدگی سے بچا لیا ہے۔ دارالعوام کی گرما گرم بحث سے اُنہیں محفوظ کر لیا ہے۔ اب تم اُنہیں بنگال کے معاملہ میں غلطیوں پر غلطیاں کرنے کے لئے چھوڑ دو اور مقرر کردہ میعاد قانون گزرنے دو۔ تاکہ تم جب واپس آؤ تو وہ تمہیں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں"۔

وزارت کی پہلی قدر افزائی تو یہ تھی کہ نومبر کے گزٹ میں کلیورنگ کو آرڈر آف بارتھ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ ہیسٹنگز پر کوئی شاہی نوازش نہ ہوئی۔ میکلین نے اس امتیازی سلوک کو حال ہی کے راضی نامہ کے اصلی مقصد کے منافی پایا۔ اُس نے فوراً ہیسٹنگز کو لکھا کہ جب تک تمہیں کوئی برابر کا اعزاز عطا نہ ہو تم ہرگز استعفا نہ دینا۔ یہ مشورہ غیر ضروری تھا۔ کیونکہ کلیورنگ نے خود ہی اپنی درازدستی اور جلدبازی کے باعث ایسی گنجائش ہی نہ رہنے دی کہ ہیسٹنگز اپنی رضامندی سے استعفا دے سکے۔

جو باتیں میکلین نے لارڈ نارتھ سے طے کر لیں اُن کی اطلاع نجی طور پر ہیسٹنگز کو ۱۴ر جون ۱۷۷۷ء کو مل گئی۔ وہ اس فیصلہ سے خوش تو نہ ہوا۔ لیکن اُس نے لارڈ نارتھ کو لکھا کہ "میں اِن کا پابند تھا۔ اور ان کی تصدیق کرنے کو تیار تھا۔" ۱۹ر جون ۱۷۷۷ء کو اس گفت و شنید کی مکمل اطلاع سرکاری مراسلوں کے ذریعہ واضح ہوئی۔ یہ مراسلہ کونسل ہی میں کھولا اور پڑھا گیا۔ جس کے بعد کونسل کا اجلاس کسی قرارداد کے منظور کئے بغیر ملتوی ہو گیا۔ اگلے روز جمعہ کا دن تھا۔ جو ریونیو بورڈ کے اجلاس کے لئے مقرر تھا۔ ہیسٹنگز نے اس کی اطلاع باقاعدہ طور پر دے رکھی تھی اور وہ بارول سمیت ریونیو کونسل چیمبر میں (ایوان محکمہ مال) گیارہ بجے آ گیا۔ بارول نے اُسے ایک اطلاع نامہ دکھایا۔ جس پر کلیورنگ نے بطور گورنر جنرل دستخط کر رکھے تھے۔ جس میں مجلس عاملہ کا اجلاس اس

غرض کے لئے طلب کیا گیا تھا کہ ہیسٹنگز سے عنان حکومت کا جائزہ کلیورنگ لے لے۔ عین اُسی وقت ہیسٹنگز کو کلیورنگ کی ایک چٹھی ملی جس میں اُس نے بحیثیتِ گورنر جنرل یہ لکھا تھا کہ " ہیسٹنگز، فورٹ ولیم اور خزانۂ سرکار کی چابیاں کلیورنگ کے حوالہ کر دے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ جب ہیسٹنگز اور بارول دونوں ریوینو بورڈ کے اجلاس کا انتظار کر رہے تھے۔ کلیورنگ اور فرانسس جنرل کونسل کے اجلاس میں مصروف تھے جہاں کلیورنگ نے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھا کر بحیثیت صدر مجلس کام کیا۔

ہیسٹنگز نے حسب معمول اپنی قوت فیصلہ اور مستعدی سے کام لیا۔ اُس نے فوراً کرنل مارگن کمانڈر فورٹ ولیم کو لکھا کہ " تم پر میرے سوا کسی اور کی اطاعت واجب نہیں "۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے عدالت عالیہ کے ججوں سے درخواست کی کہ وہ اس امر کے متعلق اپنا فیصلہ دیں کہ " آیا جنرل کلیورنگ گورنر جنرل ہے یا نہیں "۔ عدالت عالیہ تک پہنچنا ایک نہایت ہی بیباک مستعدی کا کام تھا۔ کلیورنگ اور فرانسس کی مجال نہ تھی کہ وہ عدالت کے فیصلہ کے خلاف کوئی چون و چرا کرتے لیکن اُنہیں بہت کم اُمید تھی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہو گا۔ کیونکہ ہیسٹنگز کے مستعفی ہونے سے پہلے کلیورنگ کا جلد بازی میں گورنر جنرل بن بیٹھنا ایک نہایت ہی نامناسب حرکت تھی۔ ججوں نے اُسی روز شام کے چار بجے ایک اجلاس کیا اور اگلے روز بالاتفاق یہ فیصلہ سُنایا کہ ہیسٹنگز ابھی تک

گورنر جنرل ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ فوت ہُوا نہ اُسے موقوف کیا گیا ہے اور یہ بھی حقیقت نفس الامری ہے کہ اُس نے ابھی تک استعفا بھی نہیں دیا۔

یہ فیصلہ حاصل کرتے ہی ہیسٹنگز نے اپنے مخالفین کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اُس نے بارویل کی مدد سے ایک قرارداد منظور کی کہ کلیورنگ گورنر جنرل کے عہدے کا حلف لے کر اپنی جگہ خالی کر چکا ہے۔ اور وہ اب مجلس عاملہ کا رکن اوّل نہیں رہا۔ اب کلیورنگ کو عدالت عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ ججوں نے اپنی صائب رائے اور اعتدال پسندی سے یہ فیصلہ کیا کہ مجلس عاملہ کو مجلس کے کسی رکن کی جگہ خالی کرا دینے کا اختیار حاصل نہیں۔ فریقین اپنے اپنے دعاوی انگلستان بھیجیں اور تا فیصلہ اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہیں۔ یعنی وہی صورت رہے۔ جو مراسلوں کے موصول ہونے سے پہلے قائم تھی۔ اس مشورے پر عمل کیا گیا اور اُس کو غیر معمولی اتفاق رائے کے ساتھ ایک قرارداد کی صورت دے کر منظور کر لیا گیا۔

اس طرح یہ جھگڑا ختم ہُوا۔ ہیسٹنگز اس کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ " یہ چہار روزہ تشنج ایسا تھا کہ اس سے ہندوستان میں ہمارے اقتدار اور مفاد کی بنیادیں ہل جاتیں " کلیورنگ کے غیر معقول تجاوز کی وجہ سے اُس کا اصلی مقصد فوت ہو گیا۔ کیونکہ ہیسٹنگز اس بات پر اڑ گیا کہ اُس سے عنانِ حکومت زبردستی چھیننے کی جو غیر مہذبانہ کوشش کی گئی ہے۔ اُس کی

وجہ سے وہ اب کسی قرار و مدار کا پابند نہیں رہا۔ وہ ایک بدمزاج اور چڑچڑے سپاہی کی زبردستی کا شکار بن کر بدنامی کے ساتھ نکلنے کو تیار نہیں۔ وہ صرف اُسی صورت میں استعفا دینے پر تیار ہوگا کہ یہ معاملہ محض اس کی اپنی رضا و رغبت پر چھوڑ دیا جائے۔ اُس نے اپنے اس پختہ ارادہ کی اطلاع لارڈ نارتھ کو دیدی۔ اور جب یہ خط لارڈ نارتھ کو ملا وہ خود کچھ ایسی پیچیدگیوں میں مبتلا تھا کہ اُس نے اُسے اپنی مرضی پر عمل کرنے کی اجازت دیدی۔

ہیسٹنگز کو اب اپنے طویل صبر کا صلہ ملا۔ ۱۷۷۷ء کے موسم گرما میں کلکتہ میں یہ خبر موصول ہوئی کہ بیرونس امہوف کا طلاق منظور ہو گیا ہے اور اب وہ اُس سے شادی کر سکے گا۔ اس خاتون کے متعلق فرانسس لکھتا ہے کہ "میرے تعلقات بھی اچھے تھے اور مجھے اُمید تھی کہ مجھے بھی شادی کے موقع پر بُلایا جائے گا۔" تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُسے دعوت نامہ بھیجا گیا یا نہیں۔ شادی ۸ر اگست کو ہوئی۔ اور اُس کے تین ہفتے بعد ایک موت بھی ہو گئی جو ہیسٹنگز کے لئے کم خوش کن نہ ہوئی ہوگی۔ ۳۰ر اگست کو فرانسس اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے۔ "سر جان کلیورنگ کئی گھنٹوں کی غشی کے بعد ٹھیک ڈھائی بجے فوت ہو گیا اور نہایت سادگی سے اور خانگی طور پر آٹھ بجے شام دفن ہوا"۔

بارھواں باب

ہیسٹنگز اور فرانسس

ہیسٹنگز نے کلیورنگ کی موت پر جھوٹے مُنہ سے بھی افسوس کا
اظہار نہ کیا بلکہ اس خبر سے اُسے گونہ اطمینان سا ہوگیا۔ وہ اس خیال
ہی سے خوف زدہ تھا کہ اُس کا حریف گورنر جنرل بن جائے کیونکہ وہ جانتا
تھا کہ "اس صورت میں کلیورنگ اپنی طاقت اور اختیار کا استعمال صرف
اُن لوگوں کو دبانے اور نقصان پہنچانے میں صرف کرے گا۔ جنہوں نے
کسی وقت بھی مجھ سے کسی قسم کا لگاؤ یا ہمدردی کا اظہار کیا ہو یا اُن کاموں
کے بگاڑنے میں مشغول ہو گا جو مَیں نے اپنے زمانہ میں مکمّل کیئے ہیں" وہ
اب یہ سمجھنے لگا کہ سیاسی رسّہ کشی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اُس کی اپنی
پنجسالہ میعاد میں اگر اُسے مزید توسیع نہ ملے تو صرف دو سال باقی تھے
یہ خیال اغلب تھا کہ اس میعاد کے گذرنے کے بعد نئے آدمی ہی اِن
تمام عہدوں کو پُر کرنے کے لئے بھیجے جائیں گے اور درمیانی عرصے میں

اگر وزارت چاہے بھی تو مجلس عاملہ میں مخالفین کی کثرت رائے ممکن نہیں۔ اِس لئے باقی عرصۂ ملازمت میں وہ فرانسس کی مخالفت سے بے پروا ہوکر اپنے اختیارات کا پورا استعمال کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔

اس سے ایک سال قبل مانسن کی وفات پر اُسے یقین تھا کہ اُس کا عارضی اقتدار صرف چند روزہ ہے۔ اِس لئے اُس نے اپنے اختیارات منوانے کی کوئی زبردست کوشش کبھی نہ کی تھی۔ لارڈ نارتھ کو اُس نے لکھ بھیجا تھا کہ "میرا ارادہ ہے کہ ہر قسم کے اختلافات سے پرہیز کروں کیونکہ چند مہینوں میں شاید نئی تبدیلیاں ہو جائیں۔ اور اُن کی وجہ سے امور سلطنت میں کمزوری یا عدم توجہی پیدا نہ ہو جائے"۔ جب تک کلیورنگ زندہ رہا اور کثرت رائے رکھنے والے مخالفین کی تعداد پوری ہو جانے کا کھٹکا لگا رہا۔ وہ اسی عام اصول پر کاربند رہا۔ لیکن اس عام قاعدے میں اُس نے صرف ایک استثنا روا رکھا اور اُس کی اطلاع لارڈ نارتھ کو بھی دے دی۔ یہ "امینی دفتر" کا قیام تھا۔ جس کا کام یہ تھا کہ وہ صوبوں کے نئے بندوبست مالی کے لئے ایسا مسالہ مہیا کرے۔ جس کی مدد سے ۱۷۷۲ء کے پنجسالہ بندوبست کی بجائے کوئی نیا انتظام ممکن ہو جائے۔

جب ہیسٹنگز خود اقلیت میں تھا تو اُس نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ میں نئے بندوبست کے متعلق نہ کوئی تجویز پیش کروں گا اور نہ ہی کسی ایسی تجویز سے دلچسپی رکھوں گا۔ کیونکہ اُس کے لئے ایسا کرنا بے فائدہ

ہو گا۔ لیکن جب مانسن کا کانٹا نکل گیا تو اُسے اپنے خیالات پر عملدرامد کرنے کا موقع مل گیا۔ اُس نے خیال کیا کہ " ایسے اہم اور ضروری معاملہ میں جنرل کلیورنگ کی ردّی اور فضول تجویز سے اپنی رائے کے ہوتے ہوئے اتفاق کر لینا نہایت کمینہ جرم ہو گا۔" اُس کے خیال کے مطابق " سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسی اطلاعات مہیّا کی جائیں۔ جن کی بنا پر زمین کی اصلی قیمت معلوم ہو سکے۔ تاکہ مالگذاری سرکار کی ادائیگی کا بوجھ برابر برابر ساری رعایا پر پڑے۔" 'امینی دفتر' کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ اس قسم کی معلومات جمع کرے۔ زمین کی صحیح پیمائش اور گرداوری جو عہد انگلشیہ میں بندوبست مال کے بنیادی اصول قرار دیئے گئے ہیں۔ اُس وقت " تکلیف دہ۔ مہنگے اور غیر یقینی " سمجھے جاتے تھے۔ اس کی بجائے " امینی دفتر " نے گذشتہ حسابات کی جانچ پڑتال شروع کی۔ خیال یہ تھا کہ اگر مختلف زمینداریوں کی اصلی جمع کا پتہ کئی سال کے حسابات کے دیکھنے سے چل جائے۔ تو اس کے ذریعے اُن کی مناسب قیمت کی تشخیص آسانی سے ہو جائے گی۔

' دفتر امینی ' کے قیام سے ہیسٹنگز کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ زمین کے اصلی کاشتکاروں کو زمینداروں کی لوٹ کھسوٹ اور دست درازی سے محفوظ کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ " زمینداروں کا مفاد تو اسی میں ہے کہ وہ کاشتکاروں سے جتنا لگان بھی وصول کر سکتے ہوں کریں۔ اور ان کے لئے یہ بات نقصادہ ہے کہ انہیں کاشتکار کے ساتھ ایسے مواعید کا پابند کیا جائے کہ کاشتکار مقررہ لگان ادا کر کے اُن زمینوں پر قابض رہ سکیں۔ اِس قسم کے کام کی

تکمیل کی ذمہ دار خود حکومت ہے۔ میں صرف یہ تجویز کرتا ہوں کہ ایسے اقدام کے لئے مسالہ مہیا ہو جائے۔"

دفتر امینی کا قیام حقیقت میں وہ پہلی کوشش ہے جو ہندوستان میں انگریزوں نے اراضی مالگذاری کی وصولی اور تشخیص کے کام کو کسی ٹھوس اور بااصول طریقے سے مکمل کرنے میں کی۔ اس لحاظ سے یہ بات بطور خود دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس کے علاوہ یہ ہیسٹنگز کی دانائی۔ دُوراندیشی اور انتظامی قابلیت کی بہترین مثال بھی ہے۔ کیونکہ دفتر امینی کے بہترین قیام اور اُس کی کارکردگی کی کامیابی ہیسٹنگز ہی کی بیدار مغزی پر دلالت کرتی ہے۔

فرانسس اور کلیورنگ نے حسب معمول اپنی خودسری کا ثبوت دیتے ہوئے۔ اس دفتر کے قیام کی مخالفت کی اور اس کے کاموں میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ کلیورنگ نے تو یہاں تک دھمکی دی کہ صوبائی کونسل کے کسی رکن نے اگر اس دفتر کے احکام کی تعمیل کی تو اُس کے خلاف کارروائی ضابطہ کی جائے گی۔ اس حکم سے ہیسٹنگز کو اچھا خاصہ عذر مل گیا کہ وہ کلیورنگ کے آوردوں کو ہٹا کر اپنے آدمی ان کونسلوں میں داخل کر دے۔ وہ لکھتا ہے کہ" میں اختیارات کی باگ ڈور گورنگ۔ روزدیل اور جیمز گرانٹ جیسے کمبختوں کے حوالہ کرنا نہیں چاہتا۔ جو میرے وضع کردہ لائحہ عمل کو بیکار بنا کر رکھ دیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ عملے میں اس قسم کے آدمی کم ہیں۔"

فرانسس نے امینی دفتر کے خلاف اپنے دلائل میں ایڈم سمتھ اور

مونٹیکیو جیسے مصنفین کا حوالہ دیا اور شکایت کی کہ اس کے ذریعہ محتاج اور لالچی سیاہ ضمیر افسروں کے کئی گروہ سارے ملک میں پھیل جائیں گے" ہیسٹنگز اس ادبی مباحثہ کی پروا نہ کرتے ہوئے برابر اپنی تجاویز کو بروئے کار لانے میں مشغول رہا۔ اُس نے تین چیدہ افسر مسٹر اینڈرسن۔ بوگلے اور کردفنٹس اس کام کے لئے منتخب کئے۔ انہوں نے اپنا کام ۱۷۷۶ء کے آخر میں شروع کیا اور ۱۷۷۸ء کے موسم بہار میں ختم کر لیا۔ اور ایک رپورٹ بھیج دی۔ یہ دستاویز پہلی مفصل اور ماہرانہ رپورٹ ہے۔ جو انگریز افسروں نے مالیات ہند پر لکھی۔ اس سے پورا فائدہ نہ اُٹھایا جا سکا کیونکہ ڈائرکٹروں نے ہیسٹنگز کی طویل المیعاد اجارہ داری کی تجویز کو مسترد کر دیا اور حکم دیا کہ سالانہ تشخیص کا مضرت رساں طریقہ پھر سے جاری کیا جائے۔ تاہم یہ بات خاص توجہ اور غور کے قابل ہے۔ کہ کمپنی کے ملازمین محض تجارتی سٹہ بازوں کی حیثیت سے کس طرح تدریجی طور پر بغیر احساس کے ذمہ دار اور منتظم افسروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ یہ صرف ہیسٹنگز ہی کی قیادت کا نتیجہ تھا۔

ڈائرکٹروں کو جب دفتر امینی کے قیام کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اسے رشوت ستانی اور بددیانتی کا ادارہ قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی اور اپنے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ "سوائے انتہائی کمینگی اور بددیانتی کے جذبات کے ہیسٹنگز نے اور کس خیال سے ایسا کرنا مناسب سمجھا ہو گا" یہ ہے اُس غیر معمولی طرز

عمل کا ایک نمونہ جو انگلستان کے حاکم نے ہماری مملکت کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں اپنے سب سے اعلیٰ نمائندے کے خلاف اختیار کر رکھا تھا۔ ہیسٹنگز نے جواباً لکھ بھیجا کہ "آپ اپنے اس ہتک آمیز رویہ سے جو آپ اپنے اُس نمائندہ کے خلاف روا رکھتے ہیں۔ جو آپ کے مفاد اور ہندوستان بھر میں آپ کے قومی وقار کا محافظ ہے۔ خود نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے جملہ مفاد کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں۔" لیکن اب وہ اُن کی مذمت سے بے پروا ہو چکا تھا۔ اور اُن کی جھاڑ جھپاڑ سننے کی اُسے عادت ہو گئی تھی۔ کلیورنگ کی موت کی وجہ سے وہ بنگال میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ پاتا تھا۔ اسلئے جب کبھی وہ مناسب حال موقع پاتا تو وہ اُن کے احکام کی تعمیل کی پروا بھی نہ کرتا تھا۔ مانسن کے مرتے ہی اُس نے لکھنؤ میں برسٹو کی جگہ اپنے پُرانے نامزد مڈلٹن کو دوبارہ مقرر کر دیا۔ اسی طرح اُس نے بنارس سے مخالف عنصر کے مقرر کردہ حمایتی فاؤک کو بھی جو جنرل کلیورنگ کے دوست فاؤک کا بیٹا تھا واپس بلا لیا۔ ۱۷۷۸ء میں اُس نے اعلیٰ عملے میں اور بھی طوفانی تبدیلیاں کیں۔ اُس نے دوسری بار محمد رضا خاں کو موقوف کر دیا۔ اور جب ڈائرکٹروں نے اُسے ان احکامات کو منسوخ کرنے کے لئے لکھا تو اُس نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا واقعی وہ اسی اکھڑ مزاجی کے مستحق تھے۔

فرانسس کو ہیسٹنگز کے با اقتدار ہو جانے پر بے حد مایوسی ہوئی اور وہ برابر بے دردی سے اُس کی مخالفت کرتا رہا۔ اُس کے ساتھ ایک

اور نیا رکن بھی جس کا نام وہیلر تھا اور جو مانسن کی جگہ مشیر بنا کر بھیجا گیا تھا شامل ہو گیا۔ یہ شخص مارچ ۱۷۷۷ء میں کلکتہ پہنچا تھا۔ متلون مزاج کمزور اور محض موم کی ناک تھا۔ نہ اُس کا کوئی اصول تھا اور نہ کوئی ارادہ۔ اصل میں کمپنی کا ایک ڈائرکٹر تھا جس کی رائے ہیسٹنگز کے خلاف حاصل کرنے کے لئے وزارت نے بطور رشوت یہ وعدہ کیا تھا کہ اُسے ہندوستان کی مجلس عاملہ کا رکن بنا دیا جائے گا۔ بنگال میں پہنچتے ہی اُس نے یہ ظاہر کیا کہ میں تو غیر جانب دار رہوں گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت جلد فرانسس کے اثر میں آ گیا۔ ہیسٹنگز مناسب حقارت کے ساتھ اُس کے متعلق لکھتا ہے کہ" اس کی حیثیت اب اور آئندہ کے لئے صفر کے برابر ہو گی۔ یا اُسے فرانسس کی آواز کی ایک گونج سمجھا جائے گا۔ یعنی اُس کے حق میں کا صرف ایک زائد ووٹ"۔ ہیسٹنگز کو بارول کی حمایت اور اپنے کاسٹنگ ووٹ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس نئے گٹھ جوڑ کی مطلق پروا نہ تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ" میں وہی تجاویز پیش کروں گا جو مجھے متفق الرائے مجلس عاملہ میں پیش کرنی چاہئیں۔ بلکہ ان میں سے بعض تو زیادہ زبردست تجاویز ہونگی اب ان کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اُن کی منظوری میں روڑے اٹکا سکیں۔ اُن میں۔ اور کلیورنگ کی مخالفت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ بادشاہ کا منظور نظر۔ خطاب یافتہ اور میرا نامزد جانشین تھا۔ اور یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں کوئی جانتا بھی نہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ وہ اُس حکمت عملی کے حامی ہیں جس کو کلیورنگ خود زندہ ہونے کی وجہ سے زندہ رکھتے

میں کامیاب رہتا تھا۔

ہیسٹنگز کو بنگال کی مجلس عاملہ میں ابھی بہت سے مقابلے درپیش تھے۔ لیکن اب وہ زمانہ نہ تھا کہ اُسے بے عزّتی کا سامنا کرنا پڑے یا وہ اپنے آپ کو کمزور پائے۔ جیسا کہ مخالف عنصر کی کثرت رائے کے زمانے میں اکثر ہوا کرتا تھا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کلیورنگ عین مناسب وقت پر فوت ہوا۔ ایک سال کے اندر اندر فرانس اور انگلستان کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد ہی فرانس۔ ہالینڈ اور ہسپانیہ کے اتحادِ ثلاثہ کے مقابلہ میں تنہا انگلستان کو لڑنا پڑ گیا۔ لیکن ان سب خطرات کے باوجود اُس کی نئی مملکت ہند پر آنچ نہ آنے پائی۔ یہ سب کچھ کبھی ممکن نہ ہوتا اگر کلیورنگ مر نہ گیا ہوتا۔ اور ہیسٹنگز کو پوری دلیری اور پورے اختیارات کے ساتھ عمل کرنے کا موقع نہ ملتا۔

اب ہیسٹنگز کی کہانی کی خاص دلچسپی داخلی سیاست کو چھوڑ کر خارجی گٹھ جوڑ اور جنگ کے میدان میں نکل آتی ہے۔ اب تک تو وہ زمانہ صلح کا حاکم اور ناظم تھا۔ جو خوفناک گڑبڑیں سے کچھ ان گھڑ و نظام پیدا کرنے کی کوشش میں کامیاب نظر آیا۔ اب وہ ایک دلیر اور خوش تدبیر وزیر جنگ کی حیثیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جو جنگی مہموں کی تجویزیں سوچتا ہے۔ جنگ کے لئے لشکر بھیجتا ہے۔ اور اُن کو میدان جنگ میں قائم رکھنے کے لئے اُن کی رسد رسانی اور دیگر انتظامات کے ذرائع مہیا کرتا ہے۔

اِس نئی تبدیلی کے پہلے تین سالوں میں فرانسس بنگال میں رہا اور

پُرانی شکر رنجیوں کو تازہ کرتا رہا۔ کاروبار کے ہر میدان میں ہیسٹنگز کی ہر تجویز کی مخالفت کیا کرتا۔ آپس میں سمجھوتہ ہونے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ فرانسس 'میں نہ مانوں' قسم کا انسان تھا۔ خفیہ طور پر یا علانیہ غرضیکہ ہر طریق سے وہ گورنر جنرل کے ہر کام میں رکاوٹ پیدا کیا کرتا تھا۔ ہیسٹنگز کے اپنے لفظ ہیں کہ "میری عدول حکمی کی ترغیب دینا۔ میرے خلاف عام نفرت و حقارت پھیلانا ہونے والی تبدیلیوں کی اُمید کو تازہ رکھنا۔ غیر ملکی ریاستوں کو میرے خلاف چالیں سمجھانا اور اُن کو مجھ سے تعلقات پیدا کرنے سے روکنا اُس کا کام تھا۔"

اس لگاتار مخالفت سے آخر اُس کا مطلب کیا تھا؟ کیا دونوں کی باہمی رقابت کی تہ میں کوئی اصولی مخالفت تھی؟ یا محض نجی جھگڑے سے کچھ زیادہ اختلاف تھا۔ کیا یہ دو شخصیتوں کی باہمی مخالفت تھی یا محض حکمت عملی کا اختلاف؟ ہیسٹنگز کے دوسرے حالات بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی جائے۔

فرانسس کہتا ہے کہ "جب میں پہلے پہل بنگال میں آیا تو بارول کے متعلق میری رائے بہت خراب تھی لیکن ہیسٹنگز کی طرف وہ پہلے ہی سے مائل تھا۔" اس کے رویہ سے اس دعوے کی کہیں بھی تصدیق نہیں ہوتی۔ وہ تو شروع ہی سے نکتہ چینی اور مذمت کا عادی تھا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ وہ شروع ہی سے ہیسٹنگز کے خلاف تعصب رکھتا تھا۔ جو ممکن ہے کہ کلائیو نے اس کے دل میں پیدا کیا ہو۔ اور بعد میں ہیسٹنگز سے ملنے پر اور اُس کو واقعی زبردست حریف پا کر یہی تعصب مستقل نفرت کی صورت میں تبدیل ہو

گیا ہو۔ کیونکہ ہیسٹنگز یقینی طور پر اس سے زیادہ لائق اور علم و تجربہ کے لحاظ سے افضل تھا۔ فرانسس خود بھی کلیورنگ۔ مانسن اور بارول کو اپنا ہم پلّہ نہ سمجھتا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ اُن پر چھا سکتا ہے۔ لیکن ہیسٹنگز اُس کی ہمسری سے کہیں بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ اور جب تک وہ گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز تھا فرانسس کی آرزوؤں کا پورا ہونا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ ہیسٹنگز کمپنی کا ملازم تھا۔ اور اس لحاظ سے بھی فرانسس کو ناپسند تھا۔ غرضیکہ آپس کی مخالفت کی ابتدائی وجوہات بہت سی تھیں۔ حکمت عملی میں شدید اختلافات کی وجہ غالباً اسی مخالفت دلی کا نتیجہ تھی۔ گو بعض اختلافات اتنے گہرے نہ تھے کہ اُن کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے۔ البتہ ایک دوسرے کی آپس میں سخت مخالفت سدِّ راہ تھی۔ اُن کے اختلافات بہت سے امور کے متعلق ایسے گہرے اور یادگار کے قابل نہ تھے کہ اُن کی وجہ سے اُن کے افتراق و نفاق کو کوئی اہمیت دی جاتے۔ اُن کے سیاسی اصول تو بڑی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اگر اُنہیں آزادی کے ساتھ آپس میں تبادلہ خیالات کا موقع ملتا تو وہ سمجھ لیتے کہ وہ بڑی حد تک ہم خیال ہیں۔ لیکن تقاضائے وقت اور آپس کی واقفیت نے اُن کے باہمی اختلافات کو نرم کرنے کی بجائے بے حد سخت کر دیا۔ فرانسس کا تحکمانہ مزاج اور تنگدلی آپس کی صلح صفائی کے آڑے آجاتی تھی۔ وہ عام اصولوں پر کاربند رہنے پر برابر اڑا رہا لیکن ہیسٹنگز اپنی قوت فیصلہ اور تجربہ کی بنا پر اس بات کا قائل تھا کہ عملی صورت

میں ان اصولوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور کرنی پڑتی ہے۔
فرانسس کے خیال کی بنیادی تمہید یہ تھی کہ بنگال کی حکومت کا کام جو کمپنی کے ملازمین کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے اصولاً خراب ہے۔ اور بدی کا موجب ہے۔ کیونکہ وہ تاجر ہیں اور غیر ملک کے رہنے والے ہیں۔ بحیثیتِ تاجر اُن کا اصل مقصد نفع اندوزی ہے نہ کہ حکومت کی خیر طلبی۔ اور غیر ملکی ہونے کی حیثیت سے وہ حکومت کرنے کے ناقابل ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "یورپین نظام حکومت کے ماتحت بنگال ترقی نہیں کرسکتا" اس کے لئے وہ یہ حل پیش کرتا تھا کہ کمپنی کی دلچسپی صرف تجارت تک محدود رہے۔ شاہ انگلستان کو بنگال کا بادشاہ بنا دیا جائے اور حکومت کا اصلی کام نواب اور مقامی افسروں کے سپرد کر دیا جائے۔ برطانیہ اور بنگال کے درمیان سیاسی تعلق صرف یہ رہے کہ وہاں برطانیہ کی فوج رہا کرے۔ اور اُس کے عوض خراج وصول کیا جائے۔ اس نظریہ کی بنا پر قدرتی طور پر اُسے یہ خواہش ہوئی کہ نواب کے اختیارات کی تجدید ہو، اور کلائو کی دوعملی دوبارہ رائج ہو۔ اسی وجہ سے وہ ہیسٹنگز کی قائم کردہ عدالتوں کو ناپسند کرتا تھا۔ کیونکہ وہ غیر ملکی تاثرات کی مکمل بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح وہ بندوبست دوامی کا زبردست حامی تھا۔ کیونکہ اگر مطالبہ قائم کر دیا جائے تو پھر تفصیلی تحقیقات۔ محاصل کے جمع کرنے والوں پر کڑی نگرانی یا کاشتکاروں کو زمینداروں کی دستبرد وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے انتظام وغیرہ کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ سارا کام آسانی کے ساتھ نواب کے حوالہ کیا جا سکتا تھا۔ جو انگریزی حکام کی دخل اندازی کے

بغیر ایک مقررہ رقم تاجِ برطانیہ کے خزانہ میں داخل کر دیا کرتا۔
یہ تھے فرانسس کے خیالات۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ خیالات ہیسٹنگز کے خیالات سے قطعاً مختلف ہیں۔ اُس کو کبھی اس بات کا احساس ہی نہیں ہُوا کہ ہیسٹنگز کو اُس کے نظریہ سے کیسی ہمدردی تھی۔ اور نہ اُسے اُن تلخ تجربات کو سمجھنے کی توفیق ہوئی جو ہیسٹنگز کو پیش آئے اور جن کی وجہ سے اُسے عملی طور پر چند مختلف نتائج سے سابقہ پڑا۔ کیونکہ ہیسٹنگز فرانسس کی نسبت اس نظریہ سے زیادہ آشنا تھا۔ کہ ایک تجارتی کمپنی کے لئے اتنی وسیع سلطنت پر حکمرانی کرنا کس قدر مشکل ہے۔ اور وہ اس کام کے لئے کس قدر نااہل ہے۔ وہ سلطنت انگلشیہ کی مملکت کا بنیادی اور ناقابل علاج نقص یہی سمجھتا تھا کہ کمپنی اور باشندگانِ بنگال کے مفاد آپس میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ فرانسس کی طرح اُسے بھی غیر ملکی حکمت پر اعتماد نہ تھا اُسے کمپنی کے ملازموں کی بددیانتی اور بے ایمانی کا خوب علم تھا۔ اور وہ دل سے چاہتا تھا کہ ملک کے نظم و نسق میں اُن کا عمل دخل کم سے کم ہو۔ فرانسس کی طرح وہ بھی دل و جان سے اس بات کا آرزومند تھا کہ ملک کی رسوم اور طریق معاشرت بحال رہے اور غیر ملکی خیالات اور طریقوں کو لوگوں پر خواہ مخواہ نہ ٹھونسا جائے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ ایک ناقابل علاج حقیقت تھی کہ انگریز بنگال کے بادشاہ ہیں اور بادشاہت کے دعوے کے ساتھ ہی ذمہ داری عاید ہو جاتی ہے۔ جب تک انگریز اپنی بادشاہی سے دستبردار نہ ہوں اور اُس کے ساتھ خراج کا مطالبہ بھی جو فرانسس لینا

چاہتا تھا قطعاً ترک نہ کر دیں۔ یہ ضروری تھا کہ یا تو کمپنی یا خود بادشاہ سلامت کھلم کھلا اس ملک کا بادشاہ ہونے کا اعلان کریں۔ اور اس کی ذمہ داریاں بھی اپنے سر لیں۔ اصلی طاقت اپنے قبضہ میں رکھنے اور ذمہ داری کا بوجھ نواب اور مقامی حکومت کے کندھوں پر ڈال دینے کا طریقہ پہلے تجربہ کے بعد تباہ کن ثابت ہو چکا تھا۔ ایک کمزور نواب میر جعفر اور ایک مضبوط نواب میر قاسم دونوں کی آزمائش کی جا چکی تھی۔ اور وہ دونوں کے دونوں ناکام ثابت ہو چکے تھے۔ پہلا تو ضبط قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اور خراج کی رقم اس سے وصول نہ ہوتی تھی۔ دوسرا اتنا ناکام ثابت ہوا کہ خود انگریزی طاقت کو اس سے خطرہ پیدا ہو گیا اور دونوں کی حکمرانی میں غیر سرکاری افراد نے صوبہ بھر کو جی بھر بھر کر لوٹا۔

ہیسٹنگز نے اپنے ابتدائی زمانۂ ملازمت میں یہ سب کچھ دیکھ رکھا تھا۔ اور ان ہی باتوں کے طفیل کافی تکلیف اٹھا چکا تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی اس بات پر رضامند ہونے کو تیار نہ تھا کہ یہ تجربہ دوبارہ دُہرایا جائے۔ وہ جانتا تھا کہ جو طرز حکومت فرانسس جاری کرنا چاہتا ہے۔ تمام نمائشی اور خفیہ طریقوں کی طرح نجی لوٹ مار غبن اور تخلیب کے لئے محض پردے کا کام دے گا۔

اگرچہ تجربہ اُسے یہ بات سکھا چکا تھا کہ فرانسس کی تجاویز کو مسترد کرنا ضروری ہے وہ غیر ملکی حکومت کا فرانسس کی طرح اصولی طور پر مخالف تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ اوّل تو حکومت بنگال میں جہاں تک ممکن

ہو سکے زیادہ سے زیادہ ہندوستانی اور کم سے کم یورپین ملازم ہوں۔ دوم یہ کہ سلطنتِ انگلشیہ صرف بنگال کے صوبوں تک ہی محدود رہے اور اس میں مزید توسیع نہ کی جائے۔ یہی حقیقت ہے کہ "فرانسس اس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا کہ ہیسٹنگز کے خیالات بہت بڑی حد تک اُس کے اپنے خیالات کے مطابق ہیں"۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ الگ کیوں رہے۔ سپروائزروں یعنی نگران افسروں کی تقرری پر ہیسٹنگز کا اعتراض۔ انتظامی معاملات میں انگریزوں کی مخالفت۔ محکمہ مال کا انتظام کلیتہً دیسی افسروں کے سپرد کر دینے کی خواہش سوائے اس کے کہ ایک بورڈ بطور نگران کلکتہ میں رہے۔ ان سب باتوں کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ فرانسس نے یہ سب باتیں نظر انداز کر دیں۔ اور اس لئے مالی معاملات میں ہیسٹنگز کے نظریہ کو بالکل غلط سمجھا۔ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ اس کی بنائی ہوئی دوامی بندوبست کی سکیم محض اس لئے مسترد کی گئی ہے کہ ہیسٹنگز یہ چاہتا ہے کہ ملک سے زیادہ سے زیادہ مالیانہ وصول کرے اور ہر وقت دخل اندازی بھی کر سکے۔ وہ یہ نکتہ نہ سمجھ سکا کہ ذمہ دار حکومت خراج لینے والی حکومت سے بالکل مختلف ہے اور اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عام کاشتکاروں کو زمینداروں کی ظلم و تعدی سے محفوظ کرے۔ اور آئندہ کے اضافۂ دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہونے کی حکمت عملی اختیار نہ کرے۔ ہیسٹنگز کے خیالات کے متعلق جس غلط فہمی میں وہ مبتلا تھا اُس کا مؤثر نمونہ ہیسٹنگز کی قائم کردہ عدالتوں کے

متعلق اُس کی رائے سے واضح ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہیسٹنگز نے صدیوں کی دانائی اور تجربہ کو قربان کر کے چند غیر ملکی لوگوں کے بیہودہ اصولوں کے سامنے بہت بُری طرح سر جھکا دیا ہے" ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ہیسٹنگز نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ بڑی سردردی سے غیر ملکی اثر اور دباؤ سے ہمیشہ احتراز کرتا رہا۔

ہیسٹنگز کی خارجی حکمت عملی کے متعلق فرانسس کی غلط فہمی گو بہت زیادہ نہ تھی لیکن یہ اختلاف رائے کسی حد تک قابل درگذر بھی ہے ہیسٹنگز زائد علاقہ کے الحاق کا خواہشمند نہ تھا اور کمپنی کی بادشاہت کو بنگال کی حدود سے آگے نہ بڑھانے کا حامی تھا۔ فرانسس اُس کی یہ حکمت عملی بھی نہ سمجھ سکا۔ تاہم ہیسٹنگز انگریزوں کے اثر ورسوخ کی توسیع کا مخالف نہ تھا۔ اُس نے اپنے بعض دوستوں کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ "میرا مقصد یہ ہے کہ انگریزوں کے اثر ورسوخ کو ہندوستان کے ہر اُس حصے میں پہنچا دوں جو ہمارے مقبوضات سے بہت زیادہ دُور نہ ہو۔ وہ مزید فتوحات کے ذریعہ یا زیادہ علاقہ فتح کر کے یہ مقصد حاصل نہیں کرنا چاہتا" بلکہ اُس کا خیال یہ تھا کہ دوستانہ معاہدات کے ذریعہ باہمی تعاون اور مساوات کے اصولوں پر (جیسا کہ اُس نے شجاع الدولہ نواب اودھ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا) یہ اثر وسیع کیا جائے۔ فرانسس کے نزدیک اس قسم کے غیر ملکی معاہدات کی رغبت ہی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ہیسٹنگز اصل میں ناقابلِ علاج توسیع پسند انسان ہے۔ اور وہ کمپنی کی بے آئین

حکومت کا دائرہ اور وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اور جب فرانس سے جنگ کا اندیشہ پیدا ہوا اور کمپنی کے مقبوضات بھی معرضِ خطر میں آ گئے تو ہیسٹنگز کی دفاعی سرگرمیوں کی وجہ سے فرانسس کی غلط فہمیوں اور جائز اختلاف میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ہیسٹنگز کے نزدیک سب سے بڑی حفاظت یہ تھی کہ حملہ کر دیا جائے۔ فرانسس اس رائے سے متفق نہ تھا۔ وہ غیر متحرک حکمت عملی کے حق میں تھا۔ فن حرب میں یہ ایک بنیادی اختلاف تھا۔ اور آئندہ سالوں میں جو فوجی اور سیاسی اقدام بھی کئے گئے اُن سب میں یہ اختلاف نمایاں رہا۔ بلکہ یہ اختلاف بڑھتا ہی چلا گیا۔ جس کی وجہ زیادہ تر پُرانی دشمنی اور فرانسس کی مخالفت کی عادت تھی لیکن اس معاملہ میں دھڑابندی کا سوال ہرگز نہ تھا۔

آئندہ باب میں ہم ذکر کریں گے کہ خارجی حکمت عملی کے متعلق فرانسس کے خیالات ہر موقع پر بیہودہ یا دور از کار نہ ہوتے تھے +

تیرھواں باب

ہیسٹنگز برٹش مقبوضات سنبھالے رکھتا ہے

جب سلطنت برطانیہ اور اُس کی اپنی امریکی نوآبادیات کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو فرانسیسیوں نے اچھا موقع پاکر یہ مناسب سمجھا کہ وہ اپنے اُن نقصانات کی تلافی کر لیں جو انہیں ہفت سالہ جنگ میں اٹھانے پڑے تھے۔ ہندوستان میں جیسا کہ ہیسٹنگز پہلے ہی بھانپ چکا تھا۔ اُن کو کامیابی کی اُمید اس طرح ہو سکتی تھی کہ وہ ملک کی کسی بڑی طاقت سے اتحاد پیدا کر لیں۔ اُسے ۱۷۷۷ء کے موسم گرما میں یہ سُن کر تشویش ہوئی کہ فرانس کا ایک سفیر مسمی شوبلیر ڈی سینٹ لیوبن پونا میں آیا ہے اور مرہٹوں کے حکمران فریق نے اُس کی خوب آؤ بھگت بھی کی ہے۔ اُس کو یقین تھا کہ فرانسیسیوں نے آخر کار وہ حربہ استعمال کر لیا ہے جس کے ذریعہ وہ انگریزوں سے زیادہ زبردست ہو جانے کی توقع رکھ سکتے ہیں"۔ اس لئے اُس نے اس قسم کی ملاقات کے خطرناک نتائج سے بچنے کے لئے فی الفور مختلف

تدابیر پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرہٹے اوّل اوّل شمالی ہندوستان میں آئے تھے اور روہیلکھنڈ اور اودھ کے علاقوں کو خوفزدہ کر گئے تھے۔ لیکن ۱۷۷۳ء میں پونا دربار کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے انہیں واپس بلا لیا گیا تھا۔ ۱۷۷۷ء میں سینٹ لیوبن کی آمد کے وقت کی صورتِ حالات سمجھنے کے لئے درمیانی عرصہ کے چند حالات کا مختصراً ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۷۷۳ء میں نرائن راؤ پیشوا قتل کر دیا گیا۔ اور اس وجہ سے مرہٹوں میں باہمی نفاق پیدا ہوا۔ اُس کا چچا رگھوناتھ راؤ جسے عام طور پر رگھوبا کہتے ہیں تخت نشین ہوا۔ یہ شبہ کیا جاتا ہے۔ کہ اسی شخص کی سازش سے پہلا پیشوا قتل ہوا۔ رگھوبا کو عام طور پر لوگ پسند نہ کرتے تھے۔ اور جب اگلے سال مقتول پیشوا کی بیوہ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو اس معصوم بچے کو پیشوا بنا کر اس کا اعلان کر دیا گیا۔ رگھوبا کی حمایت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اسلئے اس نے بمبئی میں کمپنی کے نمائندوں سے امداد چاہی۔

اگرچہ بمبئی کسی زمانے میں سب سے بڑا احاطہ شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت تک کلکتہ اور مدراس سے بہت پیچھے رہ گیا تھا کیونکہ مرہٹوں کی زبردست ملی بھگت کی موجودگی میں سیاسی ترقی یا الحاق علاقہ کا امکان بہت کم تھا۔ پونا میں باہمی نااتفاقیوں کی وجہ سے ناجائز نفع اندوزی کا

ایک سود مند موقع مل گیا کہ کرناٹک اور بنگال کے تجربوں کو پھر دُہرایا جائے۔ بمبئی کی مجلس عاملہ کو بسین کی بندرگاہ کا لالچ تھا۔ اس کے علاوہ سالسٹ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی جو بمبئی کے قرب میں تھے اُن کی نظروں میں تھے۔ رگھوبا یہ سارا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دینے پر رضامند تھا بشرطیکہ وہ اُس کو اپنے دعاوی قائم کرنے کے لئے فوج کی امداد دیں۔ گورنر جنرل بنگال سے مشورہ کئے بغیر جس کے ماتحت اُنہیں ایسے معاملات کے سلجھانے کے لئے کر دیا گیا تھا۔ بمبئی کے عاملین نے ماہ مارچ ۱۷۷۵ء میں رگھوبا کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا اور اس طرح کمپنی کے گلے ایک ایسی لڑائی ڈال دی جس کے لئے مرہٹوں کی ساری ملی بھگت متفق ہو گئی۔

ہیسٹنگز کو جب اس کا پتہ لگا تو اُس نے اس کی بے حد مذمت کی کہ یہ سازباز بے حد غیر معقول۔ غیر سیاسی۔ غیر منصفانہ اور غیر قانونی ہے۔ کثرت رائے نے پہلی مرتبہ اُس سے اتفاق کیا۔ بمبئی کی مجلس عاملہ کے صدر اور اراکین کو قطعی احکام بھیج دیئے گئے کہ وہ فوراً اس عہد نامہ کو منسوخ کریں اور اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ اس کے ساتھ ہی حکومت بنگال نے کرنل اپٹن کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ پونا پہنچ کر حکمران فریق سے صلح کی گفت و شنید کرے۔ ہیسٹنگز حسبِ معمول شاید بمبئی کے حکام کو اپنا فیصلہ آپ کر لینے کی اجازت دے دیتا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ چونکہ لڑائی شروع کر بیٹھے ہیں اس لئے اچانک لڑائی ترک کر دینا قرینِ مصلحت

نہ ہوگا۔ اور نہ ہی یہ مناسب ہوگا کہ اگر کوئی فوائد حاصل ہو چکے ہوں تو اُن سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن اُس کی رائے کسی نے نہ مانی۔ اور بمبئی کے حکام کو جو سالسٹے کا جزیرہ فتح کر چکے تھے۔ اور اراس کی لڑائی جیت چکے تھے اپنی مرضی کے خلاف مزید جنگ آزمائی سے رکنا پڑا۔

نہایت طویل اور ناتسلی بخش گفت و شنید کے بعد اپٹن نے مرہٹوں کے ساتھ پورن دہر کا عہد نامہ کیا۔ اس عہدنامہ کی رو سے یہ قرار پایا کہ انگریز اس جزیرے کو اپنے قبضہ میں رکھیں اور اُن کو تاوان جنگ بھی دیا جائے لیکن وہ رگھوبا کو موقوف کردیں۔ اُس سے جو معاہدے ہوئے ہیں انہیں منسوخ کیا جائے اور آئندہ اُس کی کبھی مدد نہ کریں۔ اس عہدنامہ پر مرہٹوں کی جانب سے دو وزیروں یعنی سکھ رام باپو اور بالاجی جناردھن نے جسے نانا فرنویس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دستخط کئے۔ نانا فرنویس معصوم بچے پیشوا کی جانب سے حکومت کر رہا تھا۔

جن لوگوں کا اس معاملہ سے براہ راست تعلق تھا وہ اس عہد نامے سے ناخوش ہوئے اور اس کی شرائط کی تعمیل بھی پورے طور پر نہ ہوئی۔ بمبئی کی مجلس عاملہ حکومت بنگال کی دخل اندازی سے ناخوش تھی۔ اور ڈائرکٹروں کی شہ پاکر جنہوں نے رگھوبا کی کچھ تائید کی تھی وہ برابر اُس سے اچھا سلوک کرتی رہی اور اُسے اپنی پناہ میں رکھا۔ مرہٹہ سرداروں نے اپنی جانب سے زرتاوان ادا کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور کمپنی کی بار بار مذمت کرنے سے باز نہ آئے۔ ہیسٹنگز کو یقین ہوگیا کہ یہ صلح دیرپا نہ ہوگی۔

سینٹ لیوبن کی آمد کے وقت کمپنی اور مرہٹہ بلی بھگت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کی یہ صورت تھی۔ ہیسٹنگز کو معلوم کرکے اگر تعجب نہیں تو یہ تشویش ضرور ہوئی کہ لیوبن کا استقبال بڑی شان و شوکت سے ہوا ہے اور نانا فرنویس نے جس عہد نامہ پورن دھر پر دستخط کئے تھے خاص طور پر اس کی بڑی خاطر مدارات کی ہے۔ چونکہ غالب گمان یہ تھا کہ فرانس سے لڑائی چھڑنے والی ہے۔ ہیسٹنگز نے یہ فیصلہ کیا کہ فرانسیسیوں کا جو رسوخ مرہٹہ حکومت کے مرکز میں قائم ہو چکا ہے اس کی بیخ کنی کی جائے اور آئندہ حکمت عملی کا سب سے پہلا اصول یہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ۲۶ر جنوری ۱۷۷۸ء کو ایک طویل اور مفصل یادداشت اس معاملے کے متعلق مجلس عاملہ میں پیش کی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فرانسیسی خطرہ کے متعلق ہیسٹنگز کا ادعا بالکل درست تھا۔ فرانس کے مقابلہ میں اس کا یہ خیال تھا کہ بنگال پر کامیاب سمندری حملہ ناممکن ہے اور اپنی اس رائے کی حمایت میں اس نے زبردست اور معقول وجوہات دیں۔ دوسری طرف اس کا خیال تھا کہ اگر فرانسیسی مرہٹہ بلی بھگت سے رابطہ پیدا کرلیں تو وہ معمولی سی کوشش اور خرچ سے کل مرہٹہ طاقت کے مکمل وسائل کی امداد حاصل کرلیں گے۔ اور خشکی کے ذریعے بنگال پر حملہ آور ہونے کی دھمکی دیں گے۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک ہزار یورپین فوج سے بھی کچھ کم مقامی سپاہیوں کو یورپین طریق سے مسلح کرنے کے بعد مرہٹوں کے علاقہ میں ان کا دوست یا حلیف ہونے کی حیثیت سے قدم جمانے کے قابل ہو گئی۔ تو خواہ سارے ہندوستان کی طاقتوں کو

اکٹھا بھی کر دیا جائے۔ اُن کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گی۔ اور اُن کی ہستی کا انحصار محض اُن کے رحم پر ہوگا۔ بلکہ بنگال کا علاقہ بھی اُن کی تاخت وتاراج سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔"

ہیسٹنگز نے ابھی یہ یادداشت مجلس عاملہ کے سامنے ہی رکھی تھی۔ کہ بمبئی سے ایک خط موصول ہوا جس میں ضروری تجاویز درج تھیں۔ پورن دھر کے عہدنامہ کی رو سے کمپنی رگھوبا کی حفاظت یا امداد کے حق سے محروم ہو چکی تھی لیکن مجلس عاملہ بمبئی نے اب اطلاع دی کہ پونا میں ایک بارسوخ فریق نے جس میں سکھو رام وزیر بھی جس نے عہدنامہ پورن دھر پر دستخط کئے تھے شامل ہے یہ درخواست کی ہے کہ انہیں رگھوبا کی بحالی میں امداد دی جائے۔ مجلس عاملہ کا یہ خیال تھا۔ کہ اس قسم کی امداد دینے سے بے حد فائدہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فریق نانا فرنویس کے سخت خلاف ہے۔ اور وہ فرانسیسیوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اس سے عہدشکنی بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ سکھو رام خود شیر خوار پیشوا کا وزیر اعلیٰ ہے اور مرہٹہ حکومت کا سردار ہے۔ اُنہوں نے رگھوبا کے دعووں کی حمایت کرنے کی منظوری طلب کی۔

اس پر مجلس عاملہ میں ایک دلچسپ بحث شروع ہوگئی اور فرانسس نے اس بحث میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھلائے۔ اُس نے فرانسیسی خطرے کو معمولی سی بات بتا کر ٹالنے میں تو یقیناً غلطی کی لیکن اُس کا یہ خیال درست تھا کہ سکھو رام کی نیت اور ارادوں کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہمارے ذرائع محدود ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر رگھوبا کے امدادی فریق کو

اپنی کمزوری کا احساس نہ ہوتا تو وہ کمپنی کی امداد ہی کیوں طلب کرتا۔ وہ اس بات کے سخت مخالف تھا کہ کمپنی خواہ مخواہ مرہٹوں کے اندرونی جھگڑوں میں دخل دے کر کوئی مصیبت مول لے۔ اُس کا خیال تھا کہ کمپنی کو صرف اپنے علاقوں کی حفاظت و صیانت پر ہی اپنی تمام توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے۔ اور یہ بات قطعاً غلط ہے کہ وہ خطرناک خارجی پیچیدگیوں میں پھنس کر آنے والے خطرہ کا پیش از وقت مقابلہ کرنے کے لئے جارحانہ کارروائیوں پر اُتر آئے۔

ہیسٹنگز فرانسیسی خطرے سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ نانا فرنویس کو نکال کر پونا میں فرانسیسیوں کی بجائے اثر و رسوخ کے قائم کرنے کا بہترین موقع ہے۔ اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ بمبئی کی مجلس عاملہ ایک عرصہ سے رگھوبا کے دعوے کی امداد کر رہی ہے۔ اور اس سلسلہ میں ڈائرکٹر بھی اُس کی حوصلہ افزائی کر چکے ہیں۔ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ بمبئی کی مجلس عاملہ کے اراکین اپنی مرضی سے تو رگھوبا کی بحالی کا خیال ترک نہ کریں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ اُن سے اتفاق کیا جائے تاکہ دو صوبوں کے درمیان شدید اختلاف رائے پیدا نہ ہو۔ بارول کی امداد اور اپنے کاسٹنگ ووٹ (زائد رائے) کے زور سے وہ اپنی بات منوا سکتا تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ بمبئی کونسل کی تجویز منظور کی جائے اور اس کام کے لئے اُنہیں دس لاکھ روپے کی امداد دی جائے۔ فوجیں جمع کی جائیں تاکہ بوقتِ ضرورت اُنہیں ہندوستان کے دوسرے سرے پر بطور کمک بھیجا جا سکے۔

جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا یہ فیصلہ افسوسناک تھا۔ اس کے یہ معنی تھے

کہ بمبئی کی مجلس عاملہ سے اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں اُس فوجی مہارت اور سیاسی تدبر کی توقع کی گئی۔ جس سے وہ عاری تھے۔ لیکن ہیسٹنگز اُن کی شرمناک حماقت اور نااہلیت کا صحیح اندازہ اُس وقت نہ کر سکا۔ جو بعد میں ان سے ظاہر ہوئی۔

بمبئی کی پیشکردہ تجویز منظور ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ اُن کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑنے لگا۔ پونا کی غیر معلوم سازشوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ کوئی مرہٹہ سردار بھی حقیقت میں رگھوبا کی حمایت کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ گو ایک سیاسی انقلاب کی وجہ سے نانا فرنویس کا اقتدار عارضی طور پر کم ہو گیا تھا۔ لیکن نیا فریق بھی سینٹ لیوبن کی خاطر مدارات برابر کرتا رہا۔ اب بمبئی کونسل کنایتہً یہ ظاہر کرنے لگی کہ اُن کی اصلی تجویز کو ترک کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ ادھر ہیسٹنگز نے کرنل لیزلی کے ماتحت چھ پلٹنیں ہندوستان کے اُس پار بھیجنے کو تیار کر لیں۔ اور ماہ مئی کے آخر میں اُنہوں نے دریائے جمنا کو پار کر کے آہستہ آہستہ بندیل کھنڈ میں بڑھنا شروع کیا۔ فرانسس نے جو اس مہم کا سخت مخالف تھا ہر موقع پر اس مہم کو مکمل طور پر منسوخ کرنے کی ترغیب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور جب جنرل برگاین کے سارا ٹوگا (امریکہ) کے مقام پر ہتھیار ڈال دینے کی خبر کلکتہ پہنچی تو اس نے کہا کہ امریکہ کا یہ تباہ کن واقعہ اس ملک میں کرنل لیزلی کے لئے ایک بہت برا شگون ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ " امریکہ کے اس منحوس واقعہ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کی جارحانہ کارروائی کا موسم ہی نہیں رہا۔ ہمیں اپنے دفاعی انتظامات مستحکم

کرنے چاہئیں اور ہمیں اپنی فوج اس طریق سے منقسم اور کمزور نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اسی پر بنگال کی حفاظت کا دارومدار ہے۔" لیکن ہیسٹنگز کی رائے اس کے بالکل مخالف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ " اب وہ وقت نہیں رہا کہ ہم محض دفاع میں مصروف رہیں یا ایسی مہم کو منسوخ کردیں جس کو ہم شروع کرچکے ہیں۔ سارے ہندوستان کی نظریں ہم پر جمی ہوئی ہیں۔ اس کے برخلاف اگر واقعی یہ بات سچ ہے کہ انگریزی فوج اور اثر کو مغربی دنیا میں نیچا دیکھنا پڑا ہے تو جن لوگوں پر سلطنت برطانیہ کے مفاد کی ذمہ داری مشرقی دنیا میں عاید ہوتی ہے۔ اُن کو لازم ہے کہ وہ اُس قومی نقصان کو یہاں پورا کریں۔"

ماہ جولائی کے شروع میں اس سے بھی زیادہ بڑی خبر کلکتہ میں یہ آئی کہ فرانس نے اعلان جنگ کردیا ہے۔ جس سرگرمی اور مستعدی سے ہیسٹنگز نے ضروری کارروائی کی اُس کا اندازہ ذیل کے فوری انتظامات سے ہو سکتا ہے جو اُس نے کئے:۔

(۱) ۱۰ر جولائی کو فرانسیسی نوآبادی چندرنگر پر قبضہ کرلیا گیا اور مدراس والوں کو یہ حکم بھیجا گیا کہ وہ فوراً پانڈی چری اور ماہے پر قبضہ کرلیں۔

(۲) مدراس کونسل کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ حیدرعلی والئے میسور سے دوستانہ معاہدہ کرلے۔

(۳) ہندوستانی سپاہیوں کی نو نئی پلٹنوں کی بھرتی کا حکم دیدیا گیا۔

(۴) دو جہاز چالیس چالیس توپوں والے بحری فوج کی امداد کے لئے سر ایڈورڈ ورنن کے ماتحت تیار کئے گئے۔

(۵) تین مہینے کی خوراک اور رسد کا سامان فوج کے استعمال کیواسطے فورٹ ولیم میں جمع کیا گیا۔

(۶) راجہ چیت سنگھ والئے بنارس کو جو کمپنی کا باجگذار تھا حکم دیا گیا کہ وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے کمپنی کی امداد کے لئے تین نئی پلٹنیں ہندوستانی سپاہیوں کی قائم کرے۔

(۷) الیگزانڈر ایلیٹ کو جو ہیسٹنگز کے چیدہ افسروں میں سے تھا، راجہ برار کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

فرانسس ایسے موقع پر سوائے اظہار افسوس کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے بہتیری تجویزوں کی مخالفت کی۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی ان ساری تجاویز کو ناکافی بھی بتایا کرتا تھا کہ ہمارے وسائل ختم ہو چکے ہیں۔ فرانسیسی حملہ یقینی طور پر ہونے والا ہے اور ملک مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔" ہیسٹنگز بالکل ٹھنڈا تھا۔ اور اُسے اعتماد بھی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بنگال خود تو ہر طرح محفوظ ہے۔ اور گذشتہ چھ سال میں اس صوبہ کی خوش حالی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ بوقتِ ضرورت وہ دوسرے دو صوبوں کی مدد بخوبی کر سکے گا۔ ۱۷۷۲ء میں وہ ایسی حکومت کا سردار بن کر آیا تھا جو قرض کے بارگراں سے دبی جاتی تھی۔ ۱۷۷۶ء میں یہ تمام قرض اُتر چکا تھا اور اب خزانہ میں ڈیڑھ کروڑ روپیہ فاضلہ موجود تھا۔ جو کمپنی کے کاروبار میں لگایا جا سکتا تھا۔ ۱۷۷۷ء کے آخر میں اُس نے یہ اطلاع دی، کہ گورنمنٹ کی مالی حالت نہایت اچھی ہے۔ اور جب سے وہ معرض وجود میں آئی ہے، اُسے ایسی خوش حالی پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اندریں حالات اُسے مالی پریشانی تو بالکل نہ تھی اور لڑائی جاری کرنے کے لئے کافی وسایل بھی مہیّا تھے۔ نہ اُس کو فرانسس کی طرح یہ خوف لاحق تھا کہ بحری راستہ سے بنگال پر حملہ ہو جائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اس کو تو زیادہ فکر مرہٹوں کی تھی۔ پونا میں فرانسیسی رسوخ کی بیخ کنی نہ ہو سکی۔ بمبئی میں رگھوبا کی بحالی کی تجویز التوا میں تھی۔ نانا فرنویس بڑے بڑے مرہٹہ سرداروں مادہو جی سندھیا۔ تکاجی ہلکر کی حمایت سے آہستہ آہستہ طاقت پکڑ رہا تھا اور لیزلی بجائے اس کے کہ بہادری سے آگے بڑھ کر بمبئی والوں کو کمک پہنچائے ابھی تک بندیل کھنڈ کے جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا تھا اور اپنی قسمت پر افسوس کر رہا تھا۔ اس لئے کسی اور نقل و حرکت کی ضرورت تھی۔

برار کے مرہٹہ راجہ سے دوستانہ تعلقات تھے۔ کئی سال سے ہیسٹنگز کی اِس راجہ کے وکیل کلکتہ کے ساتھ گہری خط و کتابت تھی۔ اگر اس کی دوستی زیادہ مضبوطی کے ساتھ حاصل ہو جائے تو دوسرے مرہٹہ سرداروں کی طاقت کا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے فرانس کی لڑائی کا اعلان ہوتے ہی ہیسٹنگز نے اپنے ایک بااعتماد اور ذاتی دوست الیگزانڈر ایلیٹ کو ایک دوستانہ معاہدہ کرنے کے لئے ناگپور بھیج دیا۔ بمبئی کے حکام نانا فرنویس کے مخالف فریق سے ابھی تک سازباز میں مصروف تھے۔ اُنہیں اس نئی گفت و شنید کی اطلاع دی گئی اور یہ ہدایت بھی کی گئی کہ وہ اپنی تجاویز کے متعلق ایلیٹ سے مشورہ کر لیا کریں۔ ہیسٹنگز کو اس سفارت کی کامیابی کی بڑی

اُمید تھی۔

تاہم سب کچھ بگڑ گیا۔ الیٹ ناگپور کے رستے ہی میں مر گیا۔ ہیسٹنگز کے لئے سرکاری اور نجی لحاظ سے یہ ناقابل تلافی نقصان تھا۔ بددل لینزلی مارا مارا پھر رہا تھا۔ اور ماہ اکتوبر تک بڑی مشکل سے بندیل کھنڈ کی حدود سے باہر نکل سکا۔ ہیسٹنگز کو بامرِ مجبوری اس کی جگہ گوڈرڈ ایک قابل اور ہوشیار سپاہی کو مقرر کرنا پڑا۔ گوڈرڈ بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور اُس کو کوئی ایسی سخت رکاوٹ پیش نہ آئی جس کی کرنل لینزلی شکایت کیا کرتا تھا۔ لیکن کئی مہینے فضول اسی طرح گذر گئے اور خرچ بھی بے شمار ہؤا۔ ان سب پر طرّہ یہ ہؤا کہ بمبئی کے حکام پُوناوالوں کی منت سماجت پر ایک ایسی احمقانہ مہم اپنے آپ ہی شروع کر بیٹھے جس کا نتیجہ بڑی زبردست تباہی کی صورت ظاہر ہؤا۔ اُنہیں یہ علم تھا کہ گوڈرڈ ہندوستان کا علاقہ پار کر کے اُن کی مدد کو آرہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہیسٹنگز نے اپنا خاص نمایندہ راجہ برار کے دربار میں گفت و شنید کرنے کے لئے بھیج رکھا ہے۔ اُن کے پاس اس امر کی بھی کافی شہادت موجود تھی کہ نانا فرنویس کا رسوخ پونا میں بہت زیادہ ہے اور رگھوبا کے حق میں سرگرم دلچسپی بہت کم ہے۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے وہ رگھوبا کے دعاوی کی حمایت میں اپنی مختصر سی فوج کو حرکت میں لے آئے۔

اس فوج کی کمان کرنل ایمبرٹن کے ہاتھ میں تھی جو ہندوستان میں اجنبی ہونے کے علاوہ صحت کے لحاظ سے بھی کمزور تھا۔ ولندیزی طریق سے

دو شہری مشیر اور ساز و سامان کی باربرداری کے لئے اُنیس ہزار بیلوں کا قافلہ اپنے ہمراہ لئے ہوئے وہ کوئی چار ہزار سپاہیوں کی معیت میں گھونگے کی رفتار سے یعنی کوئی دو میل روزانہ سفر کے حساب سے پُونا پر حملہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ ۱۱ر جنوری کو جب اُس کی فوج پونا سے کوئی سولہ میل کے فاصلہ پر پہنچی تو اچانک ہل چل مچ گئی۔ ایک مرہٹہ لشکر نے کوئی پچاس ہزار کی تعداد میں نمودار ہو کر اُن کی پیش قدمی کو روک دیا۔ ایجرٹن اب اتنا بیمار تھا کہ فوج کی کمان نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے مزید ہدایات اور کمان وغیرہ کا کام دونوں شہری مشیروں کے سپرد ہوا۔ اُنہوں نے بڑے زور شور سے فوراً باقاعدہ پسپا ہونے کا حکم دیا۔ بعض فوجی افسر جارحانہ پیش قدمی کے حق میں بھی تھے۔ مشیروں کے مشورے پر ہی عمل کیا گیا۔ رسد کے ذخیرے اور توپیں وہیں چھوڑنی پڑیں۔ اور تجویز یہ ہوئی کہ رات کے اندھیرے میں چوری چھپے کھسک جائیں۔ لیکن مرہٹوں نے اس نقل و حرکت کو فوراً بھانپ لیا اور اُن کا تعاقب کر کے اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اس مٹھی بھر فوج کے سرداروں کو مجبور کیا کہ وہ ورگاؤں کے ذلیل اور قابل شرم معاہدہ پر دستخط کریں۔ اس معاہدہ کی رُو سے کمپنی کو سالسٹ کا جزیرہ جو عہد نامہ پورن دھر کی شرائط کے بموجب اس شرط پر حاصل ہوا تھا کہ وہ رگھوبا کا ساتھ چھوڑ دیں واپس کرنا پڑا۔ نیز یہ قرار پایا کہ گوڈرڈ کی فوج کو بنگال واپس بھیج دیا جائے۔ یرغمال کے طور پر کئی افسر قید ہوتے۔ اور کمپنی کو جنگ میں زیادتی کرنے کے جرم کا اقبال کرنا پڑا۔

ہیسٹنگز نے جب اس معاہدے کی شرائط کا مطالعہ کیا تو وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ اُس نے اور بمبئی کونسل دونوں نے فی الفور اس عہد نامے کو مسترد کر دیا۔ لیکن محض شرائط کے رد کر دینے سے یہ تباہ کن بدنامی تو نہ مٹ سکتی تھی۔ یہ کلنک کا ٹیکا تو بغیر جنگ کے نہ اُتر سکتا تھا۔ اور جنگ بھی ساری مرہٹہ ملی بھگت کے خلاف۔ کیونکہ اب سارے مرہٹہ سردار فہمند نانا فرنویس کے جھنڈے تلے متفق ہو کر جمع ہو گئے تھے۔ راجہ برار نے بھی جو اب تک کمپنی کا دوست تھا مُنہ پھیر لیا۔ اور کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آیا۔ ہندوستان کے دیگر اطراف و جوانب میں بھی ملکی طاقتیں بھی ناراضگی کی آگ اُگل اُگل کر خوش ہونے لگیں۔ خدا بھلا کرے حکومت مدراس کے اپاہج پن کا کہ اُس کی طفیل ہیسٹنگز کو مقامی حکمرانوں کے متفقہ اتحاد سے دھمکیاں ملنی شروع ہوئیں۔

فرانسس نے درگاؤں کے معاہدہ کی خبر شکست خوردہ جذبات کے ساتھ سُنی۔ خفیہ طور پر تو وہ اس بربادی پر خوش تھا۔ وہ تو برابر مرہٹوں کے معاملات میں دخل انداز ہونے کی مخالفت کرتا رہا تھا۔ اور اُس نے پیشینگوئی کر رکھی تھی کہ اس کارروائی سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ واقعات کی بنا پر اُس کی رائے درست نکلی۔ اب جملہ حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اُس کی رائے یہ تھی کہ جن شرائط پر بھی ممکن ہو صلح کر لی جائے یعنی ذلیل اطاعت!

ہیسٹنگز صلح تو کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس قسم کی ذلیل صلح کا کسی قیمت پر بھی روادار نہ تھا۔ جس کے ذریعہ کمپنی کی کمزوری کا اظہار ہو۔ اور

اُس کے خلاف ہندوستان میں اُس کے دشمنوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ ددگاؤں کے واقعہ ہائلہ سے اُس کی ساری توقعات پر پانی پھر چکا تھا۔ لیکن اُس کی مستقل مزاجی میں رتی بھر بھی فرق نہ آیا۔ اُسے کم از کم ایک طرف سے کچھ تھوڑی سی تسلی ضرور تھی۔ گوڈرڈ نے بمبئی کے لشکر کے خطرے کی خبر سنتے ہی تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اور ۲۶ فروری کو کوئی تین سو میل کا سفر بیس دن میں طے کر کے سورت جا پہنچا۔ البتہ درگاؤں کے حادثہ کے وقت وہ موقع پر نہ پہنچ سکا۔ لیکن بمبئی کی اخلاقی جرأت کو بحال کرنے اور مزید حادثات کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔

اِس معقول کمک کے محفوظ طریق سے پہنچ جانے پر ہیسٹنگز کو ذاتی طور پر بڑی بھاری کامیابی نصیب ہوئی۔ اُس کی اپنی آبرو اور شہرت اس خطرناک کام کی وجہ سے سخت خطرہ میں تھی۔ تاہم وہ فرانسس کی پیہم مخالفت اور مایوس کن پیشین گوئیوں کے باوجود برابر اپنی بات پر اڑا رہا۔ اگر اس کا یہ منصوبہ ناکامیاب ہو جاتا تو اُسے یقیناً واپس بلا لیا جاتا اور وہ برباد ہو جاتا۔ لیکن یہ منصوبہ کامیاب ہی رہا۔ گوڈرڈ کا طویل کوچ ختم ہو گیا اور وہ مغربی ساحل پر عین وقت پر پہنچ گیا کہ بمبئی والوں کی امداد کر سکے۔ گوڈرڈ کے بروقت پہنچ جانے سے ہندوستان بھر میں ہیسٹنگز کی پیش بنی۔ دلیری اور اثر رسوخ کا سکہ بیٹھ گیا۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "اس فوج کا کوچ لمبا اور ایسے طبقات میں سے گذر کر ہوا جس سے انگلستان ناواقف ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں اُن مقامات کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ صرف میں ہی جانتا تھا کہ اپنی کامیابی میں آسائیاں پیدا کرنے کیلئے

کونسی راہیں اختیار کرنی چاہئیں۔ اس کی خود اعتمادی محض احمقانہ ضد پر مبنی نہ تھی بلکہ فرانسس کی رائے کے خلاف اُسے پورا یقین تھا کہ وسط ہند میں اُسے اپنے حلیف راجہ برار سے کافی امداد ملے گی۔

اب مغربی ہندوستان میں بھی ہیسٹنگز کا ایک قابل اعتماد سپاہی پہنچ گیا۔ بمبئی پہنچتے ہی گوڈرڈ کو مقامی افواج کی کمان بھی دے دی گئی۔ اور بمبئی کی مجلس عاملہ کا رکن بھی اُسے بنا دیا گیا لیکن وہ خود براہِ راست گورنر جنرل بنگال اور کلکتہ کونسل کے ماتحت رہا۔ اس طرح ہیسٹنگز کو بمبئی کی فوجی مہمات اور سیاسی قضیوں پر بھی ضبط قائم رکھنے کے اختیارات حاصل ہو گئے۔ جو ریگولیٹنگ ایکٹ میں بھی مناسب طریق سے مہیا نہ کئے گئے تھے۔

ہیسٹنگز نے گوڈرڈ کو ہدایت کی کہ وہ مرہٹوں سے دوبارہ گفت و شنید کر کے پورن دھر کے عہد نامہ کے اصولوں پر چلتے ہوئے ایک نیا عہد نامہ کرے جس میں ایک شرط یہ بھی ہو کہ کوئی فرانسیسی فوج یا ادارہ مرہٹوں کی سرزمین میں رہنے نہ پائے گا۔ ملل بی کی کامیابی کی وجہ سے مرہٹے بھلا ایسی شرائط پر کب صلح کرتے۔ اُنہوں نے ابتدائی مرحلوں کو طے کرنے کی غرض سے سالسٹے کے جزیرے اور رگھوبا کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ فرانسس اُن کی پیش کردہ شرائط مان لیتا لیکن ہیسٹنگز اس قسم کی کمزوری دکھانے کے لئے تیار نہ تھا۔ کلائیو نے ایک دفعہ اُس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی تھی کہ وہ شکست پسند ہے اور مصیبت کے وقت ہمت چھوڑ جاتا ہے۔ لیکن اب وہ کلائیو کے مشورے اور مثال سے پوری طرح مستفیض ہو چکا تھا۔ اب تو مصائب کا مقابلہ کرنے

کے لئے اُس سے زیادہ مستعد اور مستقل مزاج آدمی ڈھونڈے نہ ملتا تھا اور اُس سے زیادہ کسی شخص کو یہ علم و تجربہ حاصل نہ تھا کہ ہندوستان کے ملک میں مصائب کا مستعدی سے مقابلہ کرنا کس قدر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے وہ لکھتا ہے کہ " بدحالی کے زمانے میں وہ اعمال جو انسان میں حوصلہ اور مستقل مزاجی پیدا کرتے ہیں۔ یقیناً اُس بدحالی کو دُور کر دینے کا باعث بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر اپنے آپ پر بھروسہ نہ رہے تو دوسروں کا اعتماد بھی جاتا رہتا ہے۔ وہ تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے سوا دنیا میں کسی اور جگہ یہ دستور نہیں کہ مرتے کو زیادہ مارا جائے اور بڑھتے کو زیادہ بڑھایا جائے۔"

مرہٹوں کے خلاف ہیسٹنگز کی جنگی چال نہایت سادہ تھی۔ گوڈرڈ ہندوستان کے مغربی ساحل پر مرہٹوں کی پوری توجہ اپنی جانب مبذول کرا رہا تھا۔ ہیسٹنگز نے اُن میں سے سب سے بڑے سردار مہاراجہ سندھیا کے خلاف ایک نئی مہم تیار کر کے جمنا کے اُس پار سے اُس کے علاقہ میں حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لئے ہیسٹنگز کو چند قابل اعتراض مصلحتوں پر عمل درآمد کرنا پڑا۔ اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اُس کی قوت فیصلہ اور مستقل مزاجی بعد کے نتائج سے بخوبی درست ثابت ہوئی۔

گوڈرڈ نے صلح کی گفت و شنید کو ناکامیاب پا کر ۱۷۸۰ء کے شروع میں جارحانہ کارروائی شروع کی۔ احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ گجرات کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا اور مرہٹہ سردار گائیکواڑ بڑودہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ سال کے آخر میں جب سندھیا نے اپنا علاقہ بچانے کی خاطر اپنی فوج واپس بلالی تو گوڈرڈ نے

بسین پر بھی قبضہ کر لیا۔ جب ہیسٹنگز نے زور دیا کہ فیصلہ کن جنگ کی جائے تو اُس نے پونا پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اس کا نتیجہ دوسرے مقاموں کی صورت میں ظاہر ہوتے دیکھ کر اُسے پسپا ہونا پڑا اور اس طرح بیشمار تلاف جان کے علاوہ بہت سا سامان بھی ضائع ہوا۔

اس انگریزی ہزیمت کے ساتھ ساتھ دوسرے مقامات پر کامیابی ہوئی گوہاڈ کے رانا نے جو مہاراجہ سندھیا کا باجگذار تھا۔ ہیسٹنگز سے پناہ مانگی۔ ہیسٹنگز نے اُسکی پناہ کے لئے کپتان پوپہم کی کمان میں ایک چھوٹی سی فوج بھیجدی۔ اصل میں یہ فوج گوڈرڈ کی کمکی فوج کا ایک حصہ تھی۔ کپتان پوپہم نے مرہٹوں کو رانا کے علاقے سے باہر نکال دیا۔ اور بڑے کشت و خون کے بعد یہ علاقہ صاف کر دیا گیا۔ پھر ایک کامیاب شبخون مار کر سندھیا کے مشہور و معروف قلعہ گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ناقابل تسخیر ہے۔ اس شاندار کارنامہ سے ہندوستان بھر کو تعجب ہوا ہیسٹنگز انتہائی مسرت کی حالت میں لکھتا ہے کہ "اس واقعہ کا جو اثر عام طور پر محسوس کیا گیا احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ یوں تو ہماری فوج ظفر موج کے دوسرے کارناموں کے متعلق بہتیرے مبارکبادی کے پیغام موصول ہوئے۔ لیکن اس فتح پر کسی آدمی کی تحریر بھی ایسی نہ تھی جس میں خوشی اور سرگرمی کے جذبات ظاہر نہ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کا مرتب و منظم اور جراءت آموز کارنامہ ہندوستان میں پہلے کبھی نہیں ہوا۔"

سندھیا مغربی ساحل سے بڑی سرعت کے ساتھ اپنے ملک کی

حفاظت کے لئے واپس لوٹا۔ اس اثنا میں کرنل کامک ایک اور فوج کے ساتھ اس علاقہ میں بہت اندر تک گھس چکا تھا۔ سندھیا نے اس فوج کو طرح دے کر یقین کیا کہ وہ اُسے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر سکے گا۔ لیکن کامک نے سندھیا کی فوج پر ایک خوفناک شبخون مار کر اپنے آپ کو خطرناک گھیرے سے بھی نکال لیا اور تیرہ توپیں بھی چھین لیں۔ اپنے ملک کے قلب میں اس اچانک شکست اور گوالیار کا قلعہ چھن جانے کی وجہ سے سندھیا کو صلح کر لینے کا خیال پیدا ہوا۔ اُس پر انگریزوں کی بہادری اور جنگی قابلیت کا گہرا اثر ہوا، اور ہیسٹنگز کی شخصیت کو بنظر استحسان دیکھنے لگا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ انگریزوں کی جدوجہد کا سرچشمہ اصل میں ہیسٹنگز ہی ہے۔ ذاتی طور پر اُسے اس لڑائی سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بلکہ یہ جنگ وجدال اُس کے اپنے منصوبہ کے خلاف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں مرہٹوں کی ملی بھگت کا سردار بن جاؤں۔ اس لئے ماہ اکتوبر ۱۷۸۱ء میں وہ لڑائی بند کرنے پر رضامند ہو گیا۔ اور اُس نے اس بات کی ذمہ داری لی کہ کمپنی اور مرہٹوں کے درمیان پونہ میں صلح کے متعلق گفت وشنید کرے۔ یہ گفت وشنید بہت طول پکڑ گئی۔ لیکن سندھیا نے ثالثی کا فرض شاندار طریقے سے ادا کیا اور اگلے سال عہد نامہ سلبائی کی تکمیل سے یہ صلح ہو گئی۔

اس عہد نامہ کی شرائط خاص طور پر دل فریب نہ تھیں۔ عام طور پر یوں سمجھیئے کہ پہلی حالت برقرار رہی۔ کمپنی بڑوچ اور جزیرہ سالسٹے پر قابض رہی، لیکن پورندھر کے معاہدہ کے بعد جو فتوحات اُنہوں نے کی تھیں اُن سے

دستبردار ہوناپڑا۔ رگھوبا کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔ کمپنی نے عہد کیا کہ اُس کی کوئی اور
مدد نہ کی جائے گی۔ اور مرہٹوں نے اس بات کا ذمہ لیا کہ وہ حیدر علی کو ترغیب
دیں گے کہ وہ انگریزوں کے خلاف لڑائی بند کردے اور اگر وہ انکار کرے
تو اُس کے خلاف لڑیں گے۔ گو عہد نامہ سلبئی میں کوئی نتیجہ خیز شرط نہ تھی لیکن
ہیسٹنگز نے اسے اپنی حکمت عملی کی کامیابی پر محمول کیا۔ نہ صرف فرانسس
بلکہ گوڈرڈ جیسا خیر دل انسان بھی ۱۷۸۰ء کے ہولناک خطروں کو دیکھ کر جب
ہندوستان کی کل طاقتیں انگریزوں کے خلاف زبردست سازش میں
شریک معلوم ہوتی تھیں۔ جب حیدر علی کرناٹک کا علاقہ صاف کرتے ہوئے
مدراس کی دیواروں تک آپہنچا تھا۔ جب ہزاروں فرانسیسی اُس کی امداد کے
لئے ساحل پر اُتر آئے تھے۔ اپنے دوسرے ہمنواؤں کے ساتھ چیخ اُٹھا تھا
کہ مرہٹوں سے جس قیمت پر بھی ممکن ہو صلح کرلی جائے۔ یہ صرف ہیسٹنگز ہی
کا دل گردہ تھا کہ اُس نے اس قسم کی کمزوری دکھانے سے صاف انکار کردیا۔
وہ لکھتا ہے کہ "صلح کے لئے کمزور تدابیر کے استعمال سے ہمارے مخالفوں
کی قوت اور ہمت بڑھے گی۔ ہمارے حلیف بددل ہوں گے اور بہت ممکن
ہے کہ ہمارے مخالف ہو جائیں۔ اگر تم صلح کے لئے موثر اور زبردست طریقے
استعمال کروگے تو مسلسل لڑائی کے ہولناک خطروں میں رہ کر اُن طریقوں
کی تلاش کرو، کیونکہ منت سماجت سے ایسے مقاصد کے حاصل کرنے
میں تمہیں ہمیشہ مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔" واقعی وہ اسی اصول پر ثابت
قدمی سے قائم رہا۔ اور اُس کی جرأت اور مصمم ارادہ کا صلہ مل گیا۔ اُس کا

ابتدائی مقصد پورا ہو گیا کہ فرانسیسیوں کو مرہٹوں کے علاقہ میں قدم جمانے سے روک دیا جائے۔ درگاؤں کی تباہی کا نقصان پورا ہو گیا اور مرہٹوں کے ساتھ اُس نے اپنی مرضی کے مطابق صلح بھی کر لی یعنی یہ باعزت صلح تھی۔ اور دونوں کے لئے برابر کی اہمیت رکھتی تھی۔ اس لڑائی سے کمپنی کی آمدنی یا مقبوضات میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ لیکن اس کے ذریعہ انگریزوں کی شوکت اور سطوت ضرور بڑھ گئی۔ وہ تن تنہا مرہٹوں سے نبرد آزما ہوئے اور اُنہیں صلح کرنے پر مجبور کیا۔ بالخصوص ایسے وقت جب اُنہیں حیدر علی اور فرانسیسیوں سے بھی لڑنا پڑ رہا تھا۔ اُنہوں نے اپنے اس طریق عمل سے یہ ثابت کر دیا، کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط اور پائدار طاقت انگریزوں ہی کی ہے سلبئی کے عہد نامہ سے بیس برس تک مرہٹوں کے ساتھ صلح رہی۔ اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ باقی خطرات پر بھی اچھے طریق سے قابو پا لیا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب ہیسٹنگز ایک طرف، مرہٹوں سے دست و گریبان ہو رہا تھا میسور میں حیدر علی کے خلاف جنگ میں کیسے پھنس گیا! اس کا اور دوسرے خطرات کا باعث جن کو ہیسٹنگز ٹالنے میں کامیاب ہو گیا خود حکومت مدراس کی احمقانہ حکمت عملی تھی۔ کرناٹک کی اس بے فائدہ لڑائی کے بواعث اور واقعات کا بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مدراس کی اخلاقی فضا کلکتہ کی اُس فضا سے بھی بدتر ہو چکی تھی جو پلاسی کی جنگ کے بعد کے سالوں میں رونما ہوئی تھی۔ کمپنی کے ملازم نجی دولت جمع کرنے کی فکر میں نہ خود کمپنی کے مفاد بلکہ کرناٹک کی بدنصیب رعایا کے مفاد

سے بھی بے نیاز ہو چکے تھے۔ محمد علی برائے نام نوابی کرتا تھا۔ اور محض انگریزوں کی اعانت پر اُس کا دارومدار تھا۔ کمپنی نے جو فوج اُسے مستعار دے رکھی تھی اُس کے اخراجات کی ادائیگی کے لئے وہ ہمیشہ کمپنی کا مقروض رہتا اور اس قرض کی ادائیگی کے لئے وہ کمپنی کے ملازموں سے بھی قرض لینے سے نہ چوکتا تھا۔ یہ لوگ اُسے چھتیس فیصدی سے ۴۸ فیصدی تک کی شرح پر بڑے شوق سے قرض دیا کرتے تھے۔ اس ظالمانہ سود خواری کے دعاوی کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے مالیانہ کی آمدنی کا حصہ قرض خواہوں کیلئے وقف کر دیا کرتا تھا۔ اس لئے نواب کی سلطنت کو وسیع کر کے زیادہ آمدنی پیدا کرنے کی خواہش جس کے ذریعہ بے شمار قرض خواہوں کی دولت میں کافی اضافہ ہو سکے۔ بڑھتی چلی گئی اور مدراس بھر میں یہ بہترین سیاسی مفاد سمجھا جانے لگا۔ اور یہی خیال سب پر چھا گیا۔ یہ نہایت ہی شرمناک طریقہ سب سے پہلے ایک بدنام شخص بنیفیلڈ نے رائج کیا تھا۔ جو کمپنی کی ملازمت میں انجینئر تھا۔ اور اس بدعملی میں حکومتِ مدراس کے سب اعلیٰ افسر حصہ دار تھے۔ ایک گورنر لارڈ پگٹ نے مصلحت کی بجائے زیادہ جرأت کرتے ہوئے قرض خواہوں کے مفاد کی مخالفت کی تو اُس کی اپنی کونسل کے مخالف رائے رکھنے والوں نے کثرتِ رائے سے اُسے قید خانہ میں ڈال دیا اور وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔ اُس کے جانشین سر ٹامس رمبولڈ نے زیادہ دانائی سے کام لیا۔ یعنی مدراس میں دوسرے افسروں کی طرح وہ بھی اپنی نجی دولت بڑھانے کی غرض سے اس منافعہ اندوزی میں مشغول ہو گیا۔

رمبولڈ کوئی دو سال مدراس میں رہا۔ اور اس عرصے میں اُس نے کمپنی کو ناحق حیدر علی اور نظام حیدر آباد دونوں سے لڑوا دیا۔ نظام کے خلاف تو خواہ مخواہ جھگڑا پیدا کیا گیا۔ قصہ پانچ اضلاع کا تھا جو اڑیسہ کے جنوب میں ساحل پر واقع تھے۔ اور انہیں شمالی سرکار کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ پہلے پہل یہ اضلاع بوسے کے زمانے میں فرانسیسیوں کے حوالہ کر دیئے گئے تھے۔ ہفت سالہ لڑائی کے بعد جب فرانسیسیوں کا اقتدار کم ہو گیا۔ تو یہ علاقہ نظام کی باج گذار ریاست کی حیثیت سے کمپنی کے قبضے میں آ گیا۔ لیکن ۱۷۶۸ء کے ایک اقرار نامہ کے بموجب ان میں سے ایک ضلع گنٹور نظام کے بھائی بصالت جنگ کے قبضہ میں اُس کی مین حیات تک رہنا تھا۔ بعد میں یہ علاقہ کمپنی کو منتقل ہوتا۔ ۱۷۷۹ء میں نظام سے پوچھے بغیر حکومت مدراس نے بصالت جنگ کو یہ ترغیب دے کر یہ ضلع اپنے قبضے میں کر لیا اور وہاں انگریزی قلعہ گیر فوج بھی بھیج دی۔ نظام کو لازمی طور پر اس بندوبست سے جو اُس سے پوچھے گچھے بغیر کر لیا گیا بڑی ناراضگی ہوئی۔ رمبولڈ نے جلتی آگ پر اور بھی تیل ڈالا اور نظام کو لکھ بھیجا کہ باقی اضلاع کا خراج بھی کمپنی کو معاف کر دیا جائے۔ انگریزوں سے بدگمان ہو کر اُس نے اُن کے خلاف دشمنی بڑھانے میں پیش قدمی کی۔

حیدر علی والئے میسور کو بھی کمپنی سے پُرانا بغض تھا۔ رمبولڈ کی حکومت نے اور شکایات پیدا کر دیں۔ فرانس سے لڑائی ہو جانے پر اُنہوں نے فرانسیسی بندرگاہ ماہے پر قبضہ کرنے کیلئے فوج بھیجی۔ ماہے اُس کے علاقہ میں واقع تھا۔

انگریزوں کے ارادے سے مطلع ہو کر اُس نے اُنہیں تنبیہ کی کہ وہ ماہے پر حملہ نہ کریں۔ اُنہوں نے اس تنبیہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اس بندرگاہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد اس کی اجازت حاصل کئے بغیر گنٹور پر قبضہ کرنے کے لئے اُنہوں نے انگریزی فوجیں اُس کے علاقہ میں سے گذاریں۔ بحالت جنگ نے یہ علاقہ اُن کے حوالہ کیا تھا۔ حیدر علی نے انگریزوں کو ایک ہی دفعہ تباہ کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ مرہٹوں سے تو لڑ ہی رہے تھے اور نظام بھی اُن سے ناراض تھا۔ اب اُن کے خلاف ایک زبردست اتحادی جتھہ پیدا کر لینے کا موزوں موقع تھا۔ مارچ ۱۷۸۰ء میں رمبولڈ انگلستان چلا گیا۔ جولائی میں حیدر علی، نظام اور راجہ برار سے ساز باز کر کے کرناٹک کے میدان میں کود پڑا۔

حکومت مدراس اس اس غیر متوقع حملہ کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ اُس کی فوجیں منتشر تھیں اور کوئی لائحہ عمل بھی تیار نہ تھا۔ کوئی تین ہزار آدمیوں کا ایک فوجی دستہ سر ہیکٹر منرو کی بڑی فوج سے جا ملنے کے لئے کرنل بیلی کے زیر کمان آگے بڑھ رہا تھا۔ اُسے رستہ ہی میں روک لیا گیا۔ اس حادثہ سے گھبرا کر سر منرو جس نے بکسر کا میدان مارا تھا اپنی توپیں اور سامان رسد رسانی ایک جھیل میں پھینک کر مدراس بھاگ آیا۔ سپاہی ہمت ہار بیٹھے خزانہ خالی تھا۔ حیدر علی آگ اور تلوار کا زور دکھاتا کرناٹک میں دڑاتا چلا آتا تھا اتنے میں یہ اطلاع ملی کہ فرانسیسی فوجیں حیدر علی کی امداد کے لئے روانہ ہو چکی ہیں یہ ظاہر تھا کہ مدراس کسی صورت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حکومت مدراس نے

ہیسٹنگز سے امداد طلب کی۔

ہیسٹنگز کو ان تباہیوں کی اطلاع ۲۲ر ستمبر کو کلکتہ میں ملی۔ اُس نے کہا کہ "وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری حکومت کوئی زبردست اور جان جوکھوں میں ڈالنے والی جدوجہد کرے"۔ اُس نے ایک دن تجویز بندی میں صرف کیا اور ۲۵ر ستمبر کو اپنی تجاویز کونسل کے سامنے رکھ دیں۔ اس وقت بارول تو وطن جا چکا تھا۔ ہیسٹنگز۔ فرانسس۔ وہیلر اور سر آئر کوٹ جو مارچ ۱۷۷۹ء میں کلیورنگ کی جگہ آیا تھا مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ کوٹ گو اپنی بدمزاجی کی وجہ سے بے حد بدنام تھا لیکن وہ ایک کارآزمودہ سپاہی تھا اور اُسے ہندوستان کا کافی تجربہ حاصل تھا۔ وہ پلاسی کی جنگ میں شریک تھا۔ فرانسیسی جرنیل لالی پر ۱۷۶۰ء میں وانڈی واش کے مقام پر اُس نے نمایاں فتح حاصل کی تھی اور اس کے علاوہ سپاہیوں میں بڑا مقبول تھا۔ کلیورنگ کی طرح کوئی سیاسی اغراض اُس کے زیر نظر نہ تھیں اور وہ بنگال کونسل کے باہمی مناقشوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتا تھا۔ عام طور پر وہ ہیسٹنگز ہی کی حمایت کیا کرتا تھا۔ وہ اُس کی پرجوش عادت سے واقف تھا۔ اور اکثر اوقات فوج کی سرپرستی اور مفاد کے مشغولے پر اُس سے مذاق بھی کیا کرتا تھا۔ اس نازک صورت حالات میں اُس نے ہیسٹنگز کا پورا پورا ساتھ دیا۔

سب سے پہلی اور نہایت ضروری بات تو یہ تھی کہ مدراس میں فوجی امداد بھیجی جائے۔ ہیسٹنگز نے تجویز کی کہ یورپین توپ خانہ اور پیادہ فوج کی

بہترین اور مایہ ناز پلٹنیں سمندر کی راہ سے مدراس بھیجی جائیں۔ اور پندرہ لاکھ روپیہ کی نقد امداد بھی کی جائے۔ اس کے علاوہ مدنا پور میں کرنل پیرز کے ماتحت پانچ ہزار ہندوستانی فوج کے سپاہی جمع کئے جائیں جو اوڑیسہ اور شمالی سرکار کی راہ سے بطور کمکی فوج بعد میں جنوب کی طرف روانہ ہوں۔ اُس نے یہ بھی تجویز کی کہ سر آئر کوٹ سے درخواست کی جائے کہ وہ خود مدراس پہنچ کر کرناٹک کے جنگ کی کمان کرے۔ کیونکہ صرف اس شہرت کا سپاہی ہی افواج میں دوبارہ خود اعتمادی پیدا کر کے گذشتہ بے عزتیوں کا ازالہ کر سکتا ہے۔

فرانسس اور وہیلر نے کوٹ کو مدراس بھیجنے کی تجویز سے تو اتفاق کیا لیکن باقی تجاویز کی اس بنا پر مخالفت کی کہ بنگال میں کوئی دفاعی انتظام باقی نہ رہے گا۔ بہر حال جملہ تجاویز آئر کوٹ کی تائید اور ہیسٹنگز کی دوہری رائے سے منظور ہو گئیں۔ ۱۳ اکتوبر کو فوجیں روانہ ہو گئیں اور مدراس بچا لیا گیا۔

اِن فوجی اقدامات کے علاوہ سیاسی حکمت عملی کی بھی ضرورت تھی نظام اپنی ناراضگی میں مخالفت پر آمادہ ہو رہا تھا اور راجہ برار نے بھی نیاز میں آکر بنگال پر حملہ کرنے کے لئے کٹک کے مقام پر پندرہ ہزار سوار جمع کر لئے تھے ہیسٹنگز نے نظام کو دم دلاسا دے کر غیر جانبدار رہنے پر رضامند کر لیا۔ اور عین وقت پر راجہ برار کو زر نقد کا لالچ دے کر اپنا حلیف بنا لیا۔

نظام گنٹور پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے ناراض تھا۔ ہیسٹنگز نے دادرسی کرنے کا وعدہ کیا اور حکومتِ مدراس کو حکم بھیج دیا کہ وہ اس ضلع سے

اپنی فوجیں ہٹالیں۔ لیکن حکومتِ مدراس نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ بلکہ دربار نظام میں جو انگریز نمائندہ مقرر تھا اُسے بھی اس حیرت انگیز جرم کی پاداش میں معطل کر دیا گیا کہ اُس نے حکومت مدراس کے خفیہ رازوں کا انکشاف گورنر جنرل بنگال سے کر دیا ہے۔ ہیسٹنگز نے فوراً ہی اُسے دوبارہ اپنے ذاتی نمائندے کے طور پر مقرر کر دیا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ نظام کو دوبارہ یقین دلا دے کہ گنٹور کا ضلع ضرور بصالت جنگ کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ ہیسٹنگز نے حکومت بنگال کے خلاف بھی تادیبی کارروائی کی۔ ۱۰ اکتوبر کو یعنی سر آئر کوٹ کی روانگی سے کچھ پہلے اُس نے تجویز کی کہ وائٹ ہل گورنر مدراس کو معطل کر دیا جائے۔ مجلس عاملہ نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور کوٹ کو ہدایت کی کہ وہ مدراس پہنچتے ہی اُسے معطل کر دے۔ نظام دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی طرح ہیسٹنگز کی تندہی اور نیک نیتی سے بے حد متاثر ہُوا۔ اُس نے اپنا معاندانہ رویہ ترک کر دیا۔ اور آئندہ کبھی تکلیف نہ دی۔

راجہ برار کے ساتھ عرصہ سے ہیسٹنگز کے دوستانہ تعلقات قائم تھے اور آپس میں دوستانہ خط و کتابت ہُوا کرتی تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر اطلاع دی کہ وہ خود تو انگریزوں سے امن جوئی کا طالب ہے۔ لیکن اپنے حلیفوں یعنی نظام سرکار پونا اور حیدر علی کی خفگی اور ڈر کے مارے اُس نے بنگال پر حملہ کی دھمکی کی غرض سے اپنے رسالے بھیج دیئے ہیں۔" ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ یہ فوجیں کامل دو مہینے تک ہماری سرحد سے گولی کی مار کے فاصلے پر پڑی رہیں۔ لیکن ان کا رویہ ایسا خاموش تھا جیسے مویشیوں کا گلہ۔" اس بات سے راجہ کی نیت کی

بخوبی تصدیق ہوتی تھی۔ زبردست سیاسی چال کے ساتھ سولہ لاکھ روپیہ انعام کی فشکنین آمیزش سے ہیسٹنگز نے راجہ برار کو اپنا زبردست حلیف بنالیا حالانکہ یہ شخص اچھا خاصہ دشمن ثابت ہوسکتا تھا۔ اُسے ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے رسالوں کو بنگال کی سرحد سے ہٹالے اور کرنل پیرز کے ماتحت جو فوج بھیجی گئی ہے اُسکی مدد کرے تاکہ وہ جنوب کی طرف روانہ ہو کر سرآئرکوٹ کو کمکی امداد دے سکے۔ اس سے پہلے بھی اس نے گوڈرڈ کو وسط ہندوستان سے گذر کر مغربی ساحل تک پہنچنے میں امداد دی تھی۔ اس کے علاوہ حیدر علی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے دو ہزار گھوڑ سوار بھی مہیا کرے۔ اپریل ۱۷۸۱ء میں اُس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ ہوگیا اور یہ پہلی علامت تھی جو مخالفین کے رابطہ اتحاد کے ٹوٹ جانے کا ثبوت تھا۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "اس قسم کے معاہدے کی شہرت ہی بڑا اثر پیدا کر سکتی ہے اب کسی کو یہ خیال نہ رہے گا کہ ہم ہندوستان کی ہر ریاست کے متفقہ بوجھ سے ڈوبے جا رہے ہیں۔ اب طاقت کا پلڑہ ہماری طرف جھک گیا ہے۔" اس فیصلہ کی صحت جلد ہی ثابت ہوگئی۔ کیونکہ اس معاہدے کے بعد سندھیا سے گفت و شنید شروع ہوگئی۔ جس سے مرہٹہ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔

اِدھر یہ سیاسی چالیں زوروں پر تھیں اور اُدھر آیرکوٹ آہستہ آہستہ حیدر علی کے خلاف تیار ہو رہا تھا۔ اُس نے مدراس پہنچتے ہی بڑی عقلمندی کے ساتھ گورنر وائٹ ہل کو معطل کرنے کے حکم کی تعمیل کرائی۔ اور اُس کے بعد مجلس عاملہ کے دوسرے نمبر کے رکن کو جو گورنری کے عہدہ پر فائز ہوا، اس امر پر بہت جلد رضامند کر لیا کہ کوٹ جنگ کے سارے کاروبار کو پورے طور پر

سنبھال لے۔ ہیسٹنگز کو امید تھی کہ وہ اس طریق سے مدراس کے نظم ونسق پر اُسی طرح قابو پالے گا جس طرح بمبئی میں گوڈرڈ کے ذریعہ اُسے کامیابی ہوئی تھی۔ کوٹ نے بہت جلد مدراس کی فوج کا اعتماد حاصل کر لیا اور ماہ جولائی ۱۷۸۱ء میں حیدر علی کو پٹرونووو کے مقام پر شکستِ فاش دی۔ حیدر علی کو مشہور و معروف کرنل بوسے کے زیر کمان تین ہزار فرانسیسی سپاہیوں کی امداد مل گئی۔ خوش قسمتی سے اب بوسے میں پہلی سی مستعدی کا شائبہ بھی نہ رہا تھا، اور آیر کوٹ جسے کرنل پیرز کی کمکی امداد بھی مل چکی تھی اُس کے مقابلہ میں برابر ڈٹا رہا۔ اور جون ۱۷۸۲ء میں اسے ارنی کے مقام پر ایک اور فتح حاصل ہوئی۔

مدراس کو جو خطرہ لاحق تھا اب دُور ہوگیا۔ کوٹ نے اپنی شجاعت، ہمت اور سپاہیوں پر اپنے اثر ورسوخ سے صورتِ حالات پر قابو پالیا۔ اگرچہ وہ بڑی محنت سے ملک کے کونے کونے میں قلعہ گیر فوجوں کے محاصرے توڑتا پھرا، اور حیدر علی کو کھلے میدانوں میں کئی بار شکستیں بھی دیں۔ لیکن وہ اُس کو پورے طور پر کرناٹک سے نکال دینے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وجہ سے وہ حکومت مدراس سے بھی الجھ گیا، جس پر اُس نے بڑی سختی سے یہ الزام لگایا کہ وہ اُسے مویشی اور اناج بھیجنے میں ناکام رہی۔ اوّل تو وہ غیر فوجی افسروں کے ساتھ مل کر کام ہی نہ کر سکتا تھا دوسرے اس کی قدرتی بدمزاجی اور چڑچڑاپن خرابیِ صحت اور تفکرات کی وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ ہیسٹنگز نے اُس کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اُس کی مدد کی نیت سے روپے

کے علاوہ بنگال سے چاول بھی بھیجے۔ لیکن وہ کلکتہ میں بیٹھے بیٹھے مدراس میں موافق حالات پیدا نہ کر سکتا تھا نہ وہ کوٹ کو یہ ترغیب دے سکتا تھا کہ وہ اپنی فوجی نقل و حرکت کی موجودہ حکمت عملی ترک کر کے مغربی ساحل سے براہ راست حیدر علی کے اپنے علاقہ پر حملہ آور ہو اور کرناٹک کے علاقے کو روندنا چھوڑ دے۔

۱۷۸۲ء کے موسم خزاں میں کوٹ کی صحت ایسی خراب ہو گئی کہ اُسے کلکتہ تک تبدیلی آب و ہوا کے لئے بحری سفر کرنا پڑا۔ مدراس کے گورنر لارڈ میکارٹنی کے خلاف اُس نے بڑے زور شور سے شکایات کیں اور دوبارہ لڑائی پر جانے سے پہلے اُس نے اصرار کیا کہ اُسے گورنر کے فیصلہ کو منسوخ کرنے اور بشرطِ ضرورت، اُسے معطل کرنے کے اختیارات دیئے جائیں۔ ہیسٹنگز تو شاید راضی بھی ہو جاتا لیکن کونسل کے اراکین نے اس بات کو منظور نہ کیا اور وہ اپنے مطالبات منوائے بغیر ہی مدراس کو روانہ ہو گیا۔ لیکن اپنی فوج کی کمان کرنے یا لارڈ میکارٹنی سے اپنے جھگڑے چکانے کی اُسے مہلت نہ ملی۔ بحری سفر کے دوران میں فرانسیسی کشتیوں نے اُس کے جہاز کا پُر زور تعاقب کیا۔ اس کی وجہ سے جو ہل چل مچی، اس کا صدمہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ اور مدراس پہنچتے ہی مر گیا۔ اس سے چند ماہ پہلے حیدر علی بھی فوت ہو چکا تھا اور سلطان ٹیپو اُس کا بیٹا جانشین ہوا۔

کوٹ کی موت کے بعد جنگ کرناٹک کا ذمہ دارانہ ضبط لارڈ میکارٹنی کے سپرد ہوا۔ ہیسٹنگز برابر روپیہ بھیجتا رہا۔ لیکن وہ فوجی حکمت عملی میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ میکارٹنی کو کچھ تجربہ اور لیاقت حاصل تھی۔ اور انگلستان میں بھی

اُس کا اچھا خاصہ رسوخ تھا۔ اس لئے وہ بعض احکام کی نافرمانی میں بھی تامل نہ کیا کرتا۔ لڑائی ایک اور سال تک جاری رہی۔ لیکن فریقین میں سے کسی ایک کو بھی کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہُوا۔ انگریزوں کے کام میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی باہمی مناقشت اور فرانسیسی بیڑے کی آمد سے جو مشہور و معروف امیر البحر سیفرین کے ماتحت تھا بہت سی رُکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ فرانس اور انگلستان کے درمیان صلح ہو جانے کے باعث سیفرین کو اپنے کمالات دکھانے کا موقع نہ مل سکا اور انگریز اس قابل ہو گئے کہ ٹیپو کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔ لیکن میکارٹنی جنگ سے تنگ آ چکا تھا۔ اُس نے ہیسٹنگز کی ہدایات کو پس پشت ڈال کر صلح کی گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ماہ مارچ ۱۷۸۴ء میں ٹیپو سے صُلح کا عہد نامہ کر لیا۔ فریقین نے مفتوحہ علاقے ایک دوسرے کو واپس کر دیئے اور سارے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ یہ چہار سالہ کشمکش بغیر ہار جیت کے ختم ہوئی۔

ہیسٹنگز کو یہ عہد نامہ ناپسند ہُوا۔ نہ اس وجہ سے کہ اُس کا نفسِ مضمون اچھا نہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اُس کی بناوٹ درست نہ تھی۔ بناوٹ اس لئے غلط تھی کہ اُس میں نواب کرناٹک کا کہیں ذکر نہ تھا۔ حالانکہ اُسے اس عہد نامہ کا فریق بننا چاہیئے تھا۔ کیونکہ نام نہاد طریقہ سے وہ کمپنی کا حلیف تھا۔ اور اُس کے علاقہ کی حفاظت کی خاطر حیدر علی کے خلاف لڑنا پڑا تھا ہیسٹنگز نے جائز طور پر اعتراض کیا کہ اس عہد نامہ میں نواب کو علانیہ اور ارادی طور پر علیحدہ کیا گیا ہے۔ گویا کرناٹک کی حکومت سے اُس کا کچھ واسطہ ہی نہیں اور کمپنی کے

نام سے نواب کے حقوقِ سلطنت پر چھاپہ مارا گیا ہے۔" اس کے علاوہ اس عہد نامہ میں مہاراجہ سندھیا اور مرہٹوں کا بھی کوئی ذکر نہ تھا جو سلبئی کے عہد نامہ کی رو سے ٹیپو پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ صلح کرلے۔ اس لئے آخری عہد نامہ پر اُنہیں بھی فریق بنانا چاہیئے تھا۔ تاہم ہیسٹنگز نے یہ خیال کرکے کہ صُلح آخر صُلح ہے۔ اگر عزت کے ساتھ صلح قائم رکھی جاسکے تو اس سے انکار کرنا بھی مناسب نہیں۔ اس عہد نامہ کی تصدیق کردی۔

اکتوبر ۱۷۸۰ء میں کُوٹ کو مدراس روانہ کرنے کے بعد ہیسٹنگز نے لکھا تھا کہ " اگر کرناٹک بچ گیا تو میں اطمینان دلی کے ساتھ یہ کہہ سکوں گا کہ وہ میری ہی کوششوں سے بچا ہے۔" اُس نے واقعی کرناٹک کو بچالیا۔ بلکہ اس سے زیادہ کچھ اور بھی۔ اُس نے اس شش سالہ جنگ میں سے کمپنی کو نہ صرف ہر طرح محفوظ رکھا بلکہ اُس کے اثر اور وقار میں نمایاں اضافہ کیا۔ ہیسٹنگز نے اپنی مجلس عاملہ کے اراکین کو فخریہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں دلی مسرت اور امتنان کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ ان چند سالوں میں ہماری حکومت میں بہت بڑی اور بہت نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ہندوستان کی بڑی بڑی طاقتوں کا جو نقطۂ نظر ہمارے متعلق تھا۔ اُس میں بڑی تبدیلی ہو چکی ہے۔ ہم سیاسی پہلو سے اپنا وقار دوبارہ قائم کرچکے ہیں اور ہماری ہمسایہ ریاستیں جو ہم سے پہلے کھچی کھچی رہتی تھیں اب ہمارے خیالات سے متفق نظر آتی ہیں۔ اور اپنے مفاد کو ہمارے مفاد کے ساتھ شامل کرنے کو تیار ہیں۔" حقیقت بھی یہی تھی۔ انگریزوں کا مقابلہ آرائی میں

ضد کر کے چیپٹ جانا مقامی ریاستوں کے لئے بے حد تعجب کا باعث تھا
اُنھوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ان میں بیک وقت مرہٹوں اور حیدر علی (جسے فرانسیسی
امداد بھی حاصل تھی) دونوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت موجود ہے۔ ایک ایسی
جنگ میں سے جہاں ہر جگہ انگریزوں کو شکست اور تباہی سے سابقہ پڑا ہندوستان
اور صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جس میں وہ بڑھی ہوئی طاقت اور
زیادہ ناموری کے ساتھ اُبھر آئے۔

اس لڑائی کا نتیجہ واقعی بے حد مختلف نکلتا اگر ان سالوں میں کمپنی کے
معاملات ہیسٹنگز کے ہاتھوں میں رہنے کے بجائے فرانسس اور کلیورنگ جیسے
آدمیوں کے ہاتھ میں ہوتے۔ وہ تو صرف بنگال کی حفاظت اور دفاع میں لگے رہتے
اور مدراس اور بمبئی کو اُن کی قسمت پر چھوڑ دیتے۔ اور اس طرح وہ فرانسیسیوں
کو میسور۔ پونا اور حیدر آباد میں اپنا زبردست اثر قائم کرنے کا موقع دے دیتے
مقامی طاقتوں کا متحدہ محاذ جس کو ہیسٹنگز نے بنتے ہی توڑ ڈالا۔ ان لوگوں کی
خاموشی حکمت عملی کی وجہ سے اپنی طاقت اور دلیری کے لحاظ سے کہیں زیادہ
مستحکم ہو جاتا یہاں تک کہ سارا ہندوستان اُن کے خلاف اس اُمید میں
متحد ہو جاتا کہ ایک زوال پذیر قوم کو جس قدر بھی لوٹا جائے لوٹ لیا جائے۔
اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اتنی بات تو یقینی تھی کہ انگریز لڑائی کے ختم کرنے کے ساتھ
اپنا اثر اور وقار بھی کم کر بیٹھتے۔ اور فرانسیسیوں کو ایک دفعہ پھر اپنا زبردست
حریف بنا لیتے۔ اگر بُرے سے بُرا نتیجہ نکلتا تو پھر یہ صورت ہوتی کہ انگریز
اپنے تمام مقبوضات کھو کر پھر وہی معمولی تجارتی منچلے سوداگر بن کر رہ جاتے۔

نتیجہ مذکورہ بالا حقائق کے خلاف نکلا تو اُس کا سہرا ہیسٹنگز ہی کے سر پر ہے جو ایک غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ جو خود اپنے قول کے مطابق عام آدمیوں کی طرح پُرانی لکیر کا فقیر نہ تھا بلکہ ولولہ آمیز جرأت رکھتا تھا۔ جس کے ذریعہ وہ خطرات اور ملامت کے وحشیانہ میدانوں میں جولانی دکھا کر تحقیق و تفتیش کے ذریعہ نئے نتائج پیدا کر لیتا تھا۔ اگر وہ اچھا بھلا معمولی قابلیت کا آدمی ہوتا تو ایسے حالات میں کیا کرتا۔ وہ خود اس کی تصویر بہترین الفاظ میں اپنے دوست سلیوان سے گفتگو کرتے ہوئے یوں کھینچتا ہے کہ میں اپنے آپ کو ڈائرکٹروں کی سرزنش سے بچانے کے لئے ہر قسم کی ذمّہ داری لینے میں ٹال مٹول کرتا اور جو حکم بھی وہ مجھے دیتے اُن کی تعمیل من وعن کرتا رہتا۔ میں اُن کے خزانوں اور فوجوں کو سنبھالے رکھتا۔ جب کہ صوبہ بمبئی کے منصوبے اس قسم کے تھے کہ یہ خزانے اور فوج اُن کی تکمیل کے لئے بالکل ناکافی تھی۔ میں درگاؤں کی شرمناک اور قابل افسوس واقعہ کی ذلت خاموشی کے ساتھ قبول کر لیتا اور اس بات کی پروا نہ کرتا کہ انگریزوں کے نام اور شہرت پر یہ بدنما داغ ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب فرانسس نے میری حفاظتی تدابیر کی مخالفت کی تھی۔ میں یہ بھی برداشت کر لیتا کہ کرناٹک کا صوبہ آسانی سے حیدر علی کا شکار ہو جائے۔ میں تحفظ ذاتی کی بنا پر یہ دلیل پیش کر سکتا تھا کہ کمپنی کے سب سے پہلے مقبوضات کی حفاظت ہمارا پہلا فرض تھا۔ دوسرے اس کے متعلق انگلستان والوں نے ہمیں کوئی اختیار نہ دے رکھا تھا۔ تیسرے یہ کہ موسمی حالات اُس وقت ایسے خراب تھے کہ اگر وہاں سے فوجیں منگوائی

جاتیں تو سب کے سب سمندر کی نذر ہو جاتے۔ چوتھے اگر وسایل اور ذرائع پر غور کیا جاتا تو ہماری یہ توفیق ہی نہ تھی کہ ہم اس قسم کی مہم کی ذمہ داری لیتے۔ حکومت مدراس نے نظام کے خلاف جو بدعہدی کی تھی میں اُسی واقعہ سے اتفاق کرتے ہوئے صرف احتجاج کر دیتا کہ اُنھوں نے ایسا کیوں کیا۔ جب ہمارے معمولی وسایل ہر قسم کی جنگی رسد رسانی کو پورا نہ کر سکے تو میں خاموش ہو کر بیٹھ جاتا اور بربادی دھمکاتی رہتی۔ بھلا بنارس میں میرا کیا کام تھا۔ اگر میں اسی سلامت روی اور مصلحت اندیشی کی حکمت عملی پر چلتا تو میں تم سے بحیثیتِ دوست نہیں بلکہ اپنے فسادی دشمنوں سے پوچھتا ہوں کہ کمپنی کی کیا حالت ہوتی؟ اور کیا اُس کی ہستی قائم رہتی؟

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کی مصلحت اندیشی اور سلامت روی سے سلطنت عظمیٰ کا تو دیوالہ نکل جاتا۔ البتہ میں اپنے ہمعصروں اور آئندہ نسل کی لعنت ملامت سے ضرور بچ جاتا۔ مدراس اور بمبئی کا ہاتھوں سے نکل جانے کے متعلق میں کہہ سکتا تھا کہ حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ اُن پر میرا قابو نہ تھا۔ اس صورت میں کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہ کر سکتا کہ جرأت اور سرگرمی سے ایسے حالات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔" وہ ضرور اُس نکتہ چینی سے بچ جاتا جو عام طور پر غیر متحرک اور کم حوصلہ انسانوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ یہ بات جانتے ہوئے کہ کیسی آسانی اور عزت و آبرو کے ساتھ وہ حفاظت اور دفاع کا بہانہ بناتے ہوئے سب کچھ کھو سکتا تھا جو نتایج اُس نے حاصل کئے واقعی اُس کے لئے مایۂ ناز و فخر تھے۔ اُس نے دارالامراء کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا

کہ" دوسرے لوگوں کی شجاعت کے ذریعہ انگریزوں کو ہندوستان میں مملکت نصیب ہوئی۔ میں یہ صورتِ حالات بھانپ چکا تھا۔ میں نے اپنے مؤثر مگر کفایت شعار ہاتھوں سے اُن کے لشکر غیر معلوم اور مخالف طبقات میں سے گذار کر آپ کے دوسرے مقبوضات کی امداد کو بھیجے۔ تاکہ ایک طرف تو بے عزتی اور ذلت کے داغوں کو دھو ڈالیں۔ اور دوسری جانب مکمل نقصان اور غلامی سے آپ کو بچائیں۔ میں نے ان لڑائیوں کو جاری رکھا جو آپ نے مول لی تھیں یا دوسروں نے، میری کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ میں نے اس بڑی ملی بھگت کے ایک رکن (نظام) کی بروقت دادرسی کر کے اُس کے حقوق اُسے واپس کر دیئے اور اس طرح اُسے خوش کر لیا۔ دوسرے (راجہ برار) سے میں نے خفیہ سازباز کی اور اُسے اپنا دوست بنا لیا، اور تیسرے (سندھیا) کو فوجی چال دے کر اور گفت و شنید سے سیدھا کر کے صلح کے لئے آلۂ کار بنایا۔ جب آپ صلح صلح کیلئے چیخ و پکار کر رہے تھے اور آپ کی چیخ و پکار اُن لوگوں نے سنی جن سے صلح کرنا مطلوب تھی میں نے اس کا مقابلہ کیا اور ہر ممکن طریق سے میں نے اپنے مطالبات میں اضافہ کر کے ایسی صلح کرائی جو کم از کم ایک بڑی سلطنت مرہٹہ کے لئے پائدار ہو گی۔ میں نے دوسرے (ٹیپو سلطان) سے ایسے طریق سے صلح کرائی ہے کہ اگر وہ دیرپا نہ بھی ہو تو کم از کم بر محل اور باموقع ضرور ہے۔"

"میں تو اپنا سب کچھ آپ کو دے چکا اور آپ نے مجھے اُس کا انعام ضبطی، ذلت اور عمر بھر کی مقدمہ بازی کی صورت میں دیا"!

چودھواں باب

اندرونی پھوٹ

۸۱-۱۷۷۹ء کے نازک ترین زمانہ میں ہیسٹنگز کو کم از کم یہ تسلی ضرور رہی کہ انگلستان کے حکام کا طرزِ عمل اُس کے متعلق اچھا رہا۔ اُس کی پنجسالہ میعاد ۱۷۷۹ء میں ختم ہوگئی۔ اس وقت لارڈ نارتھ امریکہ کی خطرناک جنگ کے مخمصوں میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اُسے اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ ہندوستان کے نظم و نسق میں کوئی بڑی تبدیلیاں کرتا۔ اُس کو ہیسٹنگز کی اعلیٰ قابلیت کا اعتراف تھا۔ اور کلیورنگ کے فوت ہوجانے کی وجہ سے وہ خوش تھا کہ ہیسٹنگز بدستور اپنا کام کرتا رہے۔ اس لئے متواتر تین سال تک اُس نے خاموش طریقے سے ہیسٹنگز کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا۔ اور جب تک ۱۷۸۱ء میں فرانسس غصے میں لال پیلا ہو کر مایوسی اور بغض و عناد کے جذبات سے بھرپور واپس انگلستان نہ پہنچا ہیسٹنگز کی علیحدگی کے سوال کے متعلق کوئی سرگرم کوشش نہ ہوئی۔

ہیسٹنگز کو اچھا خاصہ یقین تھا کہ اُسے وطن کی حمایت حاصل ہے لیکن خود بنگال میں عین اُس وقت جب جنگ زوروں پر تھی اور حالات بیحد خراب تھے دو شدید قسم کے جھگڑے ایسے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے خود حکومت کے استحکام میں تزلزل پیدا ہونے کا خطرہ ہو گیا۔ پہلا جھگڑا تو اُس کے اپنے جانی دشمن فرانسس سے ہوا، اور دوسرا ایمپے سے جو اُس کا سب سے پُرانا دوست اور یارِ غار تھا۔

ایمپے اور عدالت عالیہ سے یہ جھگڑا ہُوا۔ اُس کا ہیسٹنگز کو بیحد صدمہ ہُوا۔ اُس نے اپنے دوست سلیوان سے کہا کہ "میں موجودہ جھگڑے کی وجہ سے بے حد رنجیدہ ہوں اور میں اکثر اوقات اس قدر مایوس ہو جاتا ہوں کہ اُس کی وجہ سے میری صحت بھی خراب ہو گئی ہے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ کسی طرح یہ مصیبت ٹل جائے۔ لیکن میری نئی "تجویز عدل و انصاف" کو جو عدالت عالیہ اور حکومت کی باہمی کشمکش کو دُور کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی حکام بالادست خاطر میں نہ لائے اور نہ ہی اس کے بدلے کوئی اور عمل اختیار کیا گیا۔" حیث بحث اور اختلافات بڑھتے رہے اور ۱۷۷۹ء کے آخر میں ہیسٹنگز کے اپنے الفاظ کے مطابق عدالت عالیہ اور مجلس عاملہ کے درمیان 'کھلم کھلا جنگ' شروع ہو گئی۔

ایمپے بذاتِ خود نہایت ہی معقول آدمی تھا۔ عدالت عالیہ کی خود مختاری کا سرگرم حامی ہونے کے باوجود اُسے انتظامیہ افسروں کی طاقت کمزور ہو جانے کا بھی احساس تھا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکتا وہ گورنمنٹ سے

ٹکر لینے کے معاملہ میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ لیکن اُس کے دو ساتھی ہائڈ اور لیماسٹر تنگ مزاج اور کم ظرف آدمی تھے۔ قانون کی طاقت اور سطوت سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو قانون کا پتلا سمجھتے تھے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عدالت عالیہ کے حدود اختیارات کی تعریف واضح طریق سے قانون میں بیان نہ کی گئی تھی۔ اور یہ دونوں ان اختیارات کے حامل ہوتے اور اُن کی وسعت کے معاملہ میں دُور اندیشی اور مفادِ عامہ کا اندازہ کئے بغیر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے خیالات کو حکومت کے خیالات سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ ہمیشہ دُور از کار ذرائع سے اپنی خود مختاری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

واقعات جو آخر کار ایک کھلے اور شرمناک اختلاف کی صورت میں رونما ہوتے یہ تھے کہ جج ہائڈ نے ایک امیر کبیر زمیندار راجہ سیجرہ کے نام قرضہ کے ایک مقدمے میں سمن جاری کئے۔ یہ امر مشکوک تھا کہ آیا یہ زمیندار عدالت عالیہ کے حدودِ اختیار میں آتا تھا یا نہ۔ اگرچہ بحیثیت زمیندار وہ مالیانہ سرکار کے جمع کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اُس کو محض اس بنا پر انگریزی رعایا قرار نہیں دیا جاسکتا تھا اور نہ ہی اُسے ملازم سرکار سمجھا جاسکتا تھا۔ اس نے ریونیو بورڈ میں درخواست دی کہ آیا وہ ان سمنوں کی تعمیل کرے۔ بورڈ نے وکیل سرکار یعنی ایڈووکیٹ جنرل کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اُسے اطلاع دی کہ وہ ان سمنوں کی پرواہ نہ کرے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اس پر عدالت عالیہ نے اپنی عدالت کے ناظر کے ہمراہ مسلح سپاہیوں کا دستہ بھیج کر اُس کے

مکان اور اثاث البیت پر قبضہ کر لیا۔ راجہ نے اس دست درازی کے متعلق بات کا بتنگڑ بناتے ہوئے ہیسٹنگز کے پاس بڑی شدومد کے ساتھ شکایت کی کہ "میری مستورات اور میرے دہرم کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ میرے پردہ دار مکان میں وہ لوگ زبردستی گھس آئے۔ میرے مندر کا دروازہ توڑ دیا گیا۔ اور مورتی کو معمولی برتن سمجھ کر ایک ٹوکری میں بند کر دیا اور فرسودہ سامان کے ساتھ اس پر بھی مہر لگا دی"۔ بورڈ نے یہ اطلاع پاتے ہی سپاہیوں کا ایک دستہ بھیج کر ناظر عدالت اور اس کے عملہ کے آدمیوں کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اور تمام زمینداروں کے نام ایک اعلان جاری کر دیا کہ وہ عدالت عالیہ کے ماتحت نہیں ہیں۔ اور وہ انہیں حاضری عدالت پر مجبور نہیں کر سکتی۔ عدالتِ عالیہ نے ان سپاہیوں کے خلاف وارنٹ گرفتاری اور گورنر جنرل و اراکین کونسل کے خلاف سمن جاری کر دیئے۔ گورنر جنرل اور کونسل نے سمنوں کی تعمیل نہ کی اور وارنٹوں کی تعمیل بھی نہ ہونے دی۔ اور حکم دیا کہ ججوں کی تنخواہیں بند کر دی جائیں گی۔

یہ شرمناک جھگڑا اُن جھگڑوں میں سب سے پہلا اور بیحد تشویشناک تھا۔ جن کی وجہ سے انتظامی افسروں اور عدل و انصاف کے علمبرداروں کے درمیان برٹش ہندوستان میں ہمیشہ اختلاف چلا آتا ہے۔ یہ مناقشت ۱۷۸۰ء کے موسم بہار اور موسم گرما تک برابر جاری رہی۔ دونوں فریق الزام سے بری نہ تھے۔ ججوں نے اپنے مشکوک اختیارات کا استعمال غصے اور بدمزاجی کی حالت میں بُری طرح کیا اور اپنی کارروائی کی سختی سے ایک بہت بڑے

زمیندار کو تکلیف میں ڈال کر ملک کی رائے عامہ کو اپنے خلاف کر لیا۔ دوسری جانب ہیسٹنگز اور اُس کی کونسل پر یہ الزام عاید ہوتا ہے کہ اُنہوں نے غیر رسمی طریقے سے ججوں کی اس کارروائی پر کوئی احتجاج نہ کیا اور نہ اُنہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس طریق عمل سے بہت خراب نتائج نکلیں گے۔ بلکہ براہ راست اُن کی مخالفت میں جبر استعمال کرتے ہوئے اُن کی شان گھٹائی۔ غالباً یہ سہو ہیسٹنگز سے اس وجہ سے ہوا کہ ہیسٹنگز کو یقین تھا کہ وہ مدعی کو سمجھا بجھا کر اس بات کی ترغیب دینے میں کامیاب ہو جائے گا کہ وہ راجہ کے خلاف اپنے دعوے واپس لے لے۔ اُس نے ہیسٹنگز سے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم نہ رہا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہیسٹنگز کو یہ بتایا گیا تھا کہ راجہ کے گھر میں مسلح آدمی داخل ہوئے۔ اس لئے جب تک فریقین ٹھنڈے نہ ہو جاتے کوئی راضی نامہ ہو ہی نہ سکتا تھا۔

خیر یہ ہیسٹنگز ہی کا کام تھا کہ اُس نے صلح کی صورت نکالی۔ میکالے کے نزدیک راضی نامہ کرانے کی تجویز سادہ سی تھی یعنی یہ کہ امپے کو رشوت دلا دی جائے۔ نہ اس سے کچھ زیادہ اور نہ کم۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ ہیسٹنگز نے پیش کیا اُسے رشوت نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ صرف ایک بندوبست تھا جس کے مطابق امپے اور اُس کے ساتھیوں کو ایک اور صورت میں لامحدود اختیارات دے دیئے گئے۔ اور یہی وہ چاہتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ عدالت عالیہ کے ججوں کا تعلق ملک کی قائم کردہ عدالتوں سے

نا قص طریق پر بیان نہ ہوا تھا۔ یہ عدالتیں ہیسٹنگز نے قائم کی تھیں اور یہ صدر دیوانی عدالت کے ماتحت تھیں۔ جس میں اراکین مجلس عاملہ اور مقامی دیسی افسر کام کیا کرتے تھے۔ امپے یا اُس کے ساتھی ججوں کا ان عدالتوں سے کوئی واسطہ تعلق نہ تھا۔ ہیسٹنگز یہ بھانپ چکا تھا کہ عدالتِ عالیہ اور کونسل کے درمیان اختلافات کو روکنے کے لئے اور ججوں کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ ظلم یا ناانصافی کی پڑتال کے لئے اُنہیں ہر ممکن موقع دیا جائے گا۔ اور اسی مقصد کو وہ اپنا فرضِ اولیں بھی سمجھتے تھے۔ یہ سب سے اچھی تجویز ہوگی کہ وہ اراکین مجلس عاملہ کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ ماتحت دیوانی عدالتوں پر پورا پورا ضبط قائم رہ سکے۔ اگر اُنہی کو صدر دیوانی عدالت کا رکن بنا دیا جائے تو انہیں تمام صوبوں میں خود بخود لا محدود اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ ججوں کی خواہش بھی یہی تھی اور اس طریق سے حریف دیوانی عدالتوں یا حریف حاکمانِ مجاز کے درمیان کوئی مقابلہ ہی باقی نہ رہے گا۔ اُس کی 'نئی تجویز عدل و انصاف' جس میں یہ باتیں درج تھیں نامنظور ہو چکی تھی۔ لیکن اُس نے ان اصولوں کو دھراتے ہوئے اب یہ خیال ظاہر کیا کہ جج امپے سے درخواست کی جائے کہ وہ صدر عدالتِ دیوانی کی نگرانی اور انتظام کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لے۔ کیونکہ اراکین مجلس عاملہ کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اس محکمہ کا کام کر سکیں۔ اُس نے یہ دلیل پیش کی کہ اس طریقِ عمل سے عدالت ہائے ماتحت زیادہ مستحکم اور مفید ہو جائیں گی۔ کیونکہ اُنہیں یہ جانتے ہوئے زیادہ خود اعتمادی سے کام لینا پڑے گا کہ اُن کے کام کی نگرانی عدالت عالیہ کے

صدر جج کے ذمہ ہے اور اُن کی کارروائی اُنہی کی منظوری کے تابع ہو گی۔ اس کے علاوہ بورڈ کی ذمہ داریوں میں بھی کمی ہو جانے کی وجہ سے دیگر امور سلطنت کی طرف زیادہ توجہ دینے کا موقع مل جائے گا۔ نیز اس ذریعہ سے عدالت عالیہ سے بھی ہمارے تعلقات رو براہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب اُنہیں بار بار اپنے اختیارات کی حدود کے متعلق بحث مباحثہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔" امپے صدر عدالت دیوانی کا مہتمم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اب بلا امتیاز ملک کی ساری آبادی پر اپنے اختیارات استعمال کر سکے گا اور یہی بات تھی جس کی جج خواہش رکھتے تھے۔ اب وہ ان اختیارات کو اُن عدالتوں کے ذریعہ بروئے کار لا سکے گا جو مغلیہ نمونے پر قائم ہیں اور جن میں انگلستان کی اجنبی اصطلاحات قانونی کی جگہ مقامی طریقہ استعمال ہوتا ہے۔

فرانسس اور وھیلر نے اس شاندار اور معقول تجویز کی مخالفت کی لیکن ہیسٹنگز نے کورٹ کی مدد سے اِسے منظور کرالیا۔ امپے کو صدرِ دیوانی عدالت کا جج چھ ہزار پانچ سو پونڈ سالانہ تنخواہ پر مقرر کر دیا گیا۔ اور اس طرح عدالتِ عالیہ اور کونسل کا جھگڑا بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ تاہم بد قسمت امپے کے لئے یہ معاملہ ختم نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد فرانسس انگلستان چلا گیا اور وہاں پہنچتے ہی اُس نے اُس پر یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ یہ سارا بندوبست بے ایمانی اور بد دیانتی پر مبنی ہے۔ اُس کی شرارتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۸۲ء میں امپے کو واپس بلا لیا گیا تاکہ وہ جواب دے کہ تاج برطانیہ کا ایک ملازم ہونے کی حیثیت سے اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا منظور کردہ عہدہ کیوں قبول کر لیا۔ گو اُس نے دار العوام کے سامنے پیش ہو کر پوری کامیابی

کے ساتھ اپنی بریّت کرالی۔ پھر بھی مِل اور میکالے نے ان طعن آمیز اشاروں کو اس طریق سے دُھرایا ہے گویا اصل واقعہ ہی یوہنی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امپے نے جس پر رشوت کا الزام لگایا جاتا ہے اس عہدے کی تنخواہ کا ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا۔ اُس نے اپنے نئے عہدے کو سنبھالتے ہی بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ صدر دیوانی عدالت کے قواعد و ضوابط کا ایک مکمل ضابطہ مرتب کیا لیکن اُس نے تنخواہ وصول نہ کی جب تک کہ لارڈ چانسلر سے وہ یہ معلوم نہ کر لے کہ ایسا کرنے پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنخواہ تو درکنار اُلٹا اُسے واپس بلا لیا گیا۔ وہ بجا طور پر یہ شکایت کرتا ہے کہ "مجھے بے حد سر دردی کرنی پڑی مَیں نے بڑی محنت اور جانکاہی سے ایک ضابطہ تیار کیا۔ اہل مقدمہ میں اطمینان پھیلایا اور باقاعدگی اور انصاف از سر نو عدالتوں میں جاری کیا۔ اس کے عوض انعام تو کجا مجھے یہ صلہ ملا کہ میں اپنا عہدہ بھی گنوا بیٹھا۔ شہرت بھی جاتی رہی اور ہمیشہ کے لئے اپنا اطمینانِ قلب بھی کھو بیٹھا" میکالے نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ واقعات کے کیسا مخالف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اس معاملہ میں سودا ہو گیا۔ بنگال محفوظ رہا۔ ہاتھا پائی کی نوبت نہ آئی۔ اور چیف جج امیر کبیر بن کر ناموش ہو گیا۔ لیکن بدنام ضرور ہوا"

امپے کے واپس آجانے کے بعد ہی انگلستان کے حکام نے آخر کار یہ محسوس کیا کہ "ریگولیٹنگ ایکٹ" کی دفعات میں عدالت عالیہ کے اختیارات کے سلسلہ میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۱۷۸۱ء میں ایک اور قانون منظور ہوا جس میں اس امر کی صراحت کر دی گئی کہ عدالت عالیہ کو محکمہ مال کے اہلکاروں کے

کام میں دخل اندازی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اس کے ساتھ ہی ہیسٹنگز کی قائم کردہ عدالتوں کو بھی تسلیم کر لیا گیا۔

امپے اور ہیسٹنگز کے درمیان اس جھگڑے کے بعد صلح ہو گئی۔ اسی طرح فرانسس اور ہیسٹنگز کے درمیان بھی ظاہری صلح ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد ہی اُن کے پُرانے جھگڑے زیادہ خوفناک طریق سے دوبارہ تازہ ہو گئے۔ یہ واقعہ بھی ۱۷۸۰ء کے موسم گرما میں ہوا۔ جب مرہٹوں کی لڑائی پورے زوروں پر تھی۔ لیکن اس واقعہ سے ہیسٹنگز کے تحمل میں کچھ فرق نہ آیا۔ اگرچہ وہ اس ماحول سے ناآشنا تھا وہ لکھتا ہے کہ "مجھے قابل نفرت مکّہ باز کا کردار ادا کرنا پڑا۔ تاہم اُس نے حسب دستور اپنا ظاہری ضبط برقرار رکھا۔

فرانسس اور ہیسٹنگز کے درمیان ۱۷۸۰ء کے شروع میں صلح ہوئی یہ وہ موقع تھا جب بارول انگلستان جا رہا تھا۔ وہ بڑی مدت سے یہ خیال کر رہا تھا کہ میں وطن واپس جا کر اپنی دولت کے بل بوتے پر عیش کروں چنانچہ ۱۷۷۹ء میں اُس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کر دیا لیکن ہیسٹنگز نے اُسے ترغیب دے کر کچھ عرصہ اور رہ جانے پر راضی کر لیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ" اس وقت تمہاری روانگی مرہٹہ جنگ کی کامیابی کے لئے مہلک ثابت ہو گی۔ کیونکہ تمہارے بعد طاقت وہیلر اور فرانسس کے ہاتھوں میں آجائے گی جن کے متعلق مرہٹوں کو پہلے ہی علم ہے کہ وہ کس قیمت پر صلح کرنے کو تیار ہیں۔" کوٹ کے آجانے پر بارول نے پھر فارغ ہونے کے لئے زور دیا۔ لیکن کوٹ متلون مزاج آدمی تھا۔ اور اکثر اوقات معائنہ کے دوروں پر کلکتہ سے غیر حاضر

رہتا تھا۔ ہیسٹنگز محض اُس پر بھروسہ نہ کر سکتا تھا کہ وہ ہر وقت حمایت کر سکے گا۔ اور اس لیئے بارول کی روانگی پر رضامند نہ ہوتا تھا۔ بارول کو ایک طرف تو ہیسٹنگز کی وفاداری کا پاس تھا اور دوسری جانب اُسے یہ خواہش تھی کہ وہ انگلستان جاکر آرام وعیش کی زندگی بسر کرے۔ اس لیئے اُس نے ایسا بندوبست کیا کہ وہ ضمیر کی صفائی کے ساتھ یہاں سے جاسکے۔ بارول اچھا ملنے چلنے والا آدمی تھا۔ کثرت رائے رکھنے والے فریق کے ہر رکن سے اُس کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ فرانسس کے ساتھ تاش کھیلتا اور کلیورنگ کی لڑکی سے محبت کیا کرتا تھا۔ باوجود دونوں میں ناکام رہنے کے اُس کی ہر دل عزیزی میں فرق نہ آیا ہر ایک جانتا تھا کہ وہ وطن جانا چاہتا ہے۔ اور سب اُس کی خواہش کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے عام طور پر ہر ایک کو یہ خیال ہوا کہ فرانسس اور ہیسٹنگز کے درمیان صلح صفائی کرادی جائے تاکہ بچارے بارول کی خلاصی ہو سکے۔ ۱۷۸۰ء کے شروع میں سر جان ڈے ایڈووکیٹ جنرل کے بیچ بچاؤ سے اُن کے درمیان پکی صلح ہو گئی۔ جس کی بنا پر ہیسٹنگز کو یقین ہو گیا کہ اُس کی طاقت اور رسوخ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اِس لئے وہ بارول کی روانگی پر رضامند ہو گیا۔

اِس باہمی صلح کی سب سے بڑی ضروری شرط ہیسٹنگز کے نزدیک یہ تھی کہ فرانسس نے اس بات کا ذمہ لیا کہ مَیں کسی ایسی تجویز کی کبھی مخالفت نہ کروں گا۔ جو مرہٹوں سے جنگ جاری رکھنے کے متعلق یا جو موجودہ حکومت کے سیاسی نظام کی حمایت کے متعلق گورنر جنرل کی جانب سے پیش ہو۔ آئندہ کی غلط فہمیوں اور نکتہ چینیوں کے سدِ باب کے لئے ہیسٹنگز نے اس

سمجھوتہ کی شرائط کو قلمبند کر کے فرانسس کو اُس کا مسودہ بھی دکھا دیا جو اُس نے منظور کر لیا۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "میں اس سمجھوتے کو ایمان اور عزت کی دستاویز سمجھتا تھا نہ کہ قانونی دستاویز" اُس نے سلیوان کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے پورے وثوق کا اظہار کیا کہ فرانسس اس سمجھوتے کا پابند رہے گا۔"

ابھی چند ہفتے ہی گذرنے پائے تھے کہ ہیسٹنگز کی خوش فہمی جاتی رہی۔ جونہی اُس نے سندھیا کے علاقہ کے خلاف کرنل کامک اور کپتان پفہم کی مہمیں تیار کیں اُن میں فرانسس نے رکاوٹ پیدا کی۔ پہلے پہل تو اپنے سمجھوتے کے مطابق اپنا فائق حق جتاتے ہوئے فرانسس کے اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی۔ کئی دفعہ اُس نے اپنی تجویزوں میں ترمیم کی پھر چونکہ فرانسس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ان مہمات پر خرچ بہت زیادہ ہوگا اُس نے اپنی طرف سے دو لاکھ روپیہ کی رقم بطور چندہ دینے کا وعدہ کیا۔ اور یہ رقم خزانہ میں داخل بھی کرا دی۔ حقیقت میں یہ اُس کا ذاتی روپیہ نہ تھا۔ بلکہ راجہ چیت سنگھ کی جانب سے اس ہوئی کا نذرانہ تھا۔ تاکہ اُس سے کچھ اور زیادہ رقم نہ طلب کی جائے۔ لیکن اس قابل اعتراض لین دین کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا فرانسس کی توجہ نجی سمجھوتے کی طرف بھی دلائی گئی لیکن بے سود۔ اُس نے تو بڑے اصرار کے ساتھ ان مہمات کے خلاف جو ہیسٹنگز تیار کئے بیٹھا تھا رکاوٹ پیدا کرنی شروع کر دی۔ حالانکہ یہ ایسی مہمات تھیں جن کے ذریعہ حتمی طور پر لڑائی کا رُخ بدل گیا۔ اور سندھیا کو صلح کر لینے پر رضامند ہونا پڑا۔

ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "میں بار بار اپنے دل سے یہ پوچھتا تھا کہ میں کروں تو

کیا کروں۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ فرانسس نے میرے ساتھ دھوکا کیا اور مجھے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں عنانِ حکومت اُس کے حوالہ کرکے خود اپنی خوش اعتقادی کا مذاق اُڑاؤں۔ یا اس معاملہ کو عوام کی تضحیک کے لئے اتنا طول دوں کہ جو دھوکا اُس نے مجھے کمینگی سے دیا ہے اُس کا عام انکشاف کردوں۔ آخر میں نے آخری تجویز پر عمل کرتے ہوئے بڑے مضبوط۔ واضح مگر اعتدال پسندانہ طریقے سے ایک یادداشت تیار کی تاکہ اُسے کونسل کے اگلے اجلاس میں جو پیر کے روز ۳ ار جولائی کو ہونے والا تھا پیش کردوں۔"

تاہم آخری لمحہ پر سر جان ڈے نے اس کمل ناچاقی کو روکنے کے لئے ایک ناکام کوشش اور کی۔ اِس لئے یہ یادداشت ۱۵ ر اگست تک مجلس عاملہ کے سامنے پیش نہ ہو سکی۔ ہیسٹنگز نے نجی طور پر اس کی ایک نقل فرانسس کو ایک روز پہلے بھیج دی تاکہ وہ آنے والی کارروائی کے متعلق تیار رہے۔ یہ ایک زبردست فرد الزامات تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ فرانسس لگاتار دھڑابندی کی مخالفت کا عادی ہے۔ اُس کا اصل مقصد یہ ہے کہ جو تجویز بھی میں پیش کروں اُن میں پیچیدگیاں پیدا کرکے اُسے بیکار بنا دے۔ خواہ ایسی تجاویز مفادِ عامہ کے لئے کتنی ہی سُودمند کیوں نہ ہوں وہ محض اس خیال سے اُن کی مخالفت کرتا ہے کہ اُن کی منظوری سے یہ عزت افزائی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اُس نے ہر تجویز کی مخالفت کی ہے۔ اگر کوئی تجویز اُس کی مخالفت کے باوجود منظور بھی ہو جائے یا ایسی منزل پر پہنچ جائے کہ اُس کا واپس لینا مشکل ہو پھر بھی وہ قدم قدم پر اور ہر مرحلہ پر یہی کوشش کرتا ہے کہ اُن کے عمل درآمد میں رکاوٹ

پیدا ہو۔ جو مایوسی یا مصیبت پیش آتے اُسے بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔
قتل اور قحط کی ہر من گھڑت کہانی جو فوجوں سے منسوب کی جاتی ہے بڑی تیزی
اور آسانی کے ساتھ اُس کے دفتر میں پہنچ جاتی ہے۔ اور وہاں ایسی کہانیوں پر
خوب چہ میگوئیاں ہوتی ہیں؛ اس کے بعد اُس نے فرانسس پر عہد شکنی کا
الزام لگایا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں نے فرانسس کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا اور
اسی سمجھوتے کی بنا پر مجھے اپنے دوست اور مضبوط حمایتی مسٹر بارول سے جدا
ہو کر اپنے آپ کو محض مسٹر فرانسس کے رحم اور اُس کی مایوس کن اور خطرناک پالیسی
روی کے بھروسہ پر چھوڑنا پڑا۔ فرانسس نے اس سمجھوتہ سے سرکشی کی ہے اور یہ
ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ 'سچائی اور عزت' کی صفات سے محروم ہے۔ وہ لکھتا
ہے کہ یہ الزامات بے حد سخت ہیں لیکن انہیں عمداً اور اعتدال پسندانہ طریق
سے اپنے ضمیر کی ترغیب کے زیر اثر اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ یہ خود میرے
لئے اور عوام کی اطلاع کے لئے انصافاً درست ہے اور ہم دونوں کے لئے
یہی آخری چارہ ہے۔ کیونکہ میں خود ان چالاکیوں کا شکار ہو چکا ہوں اور یہی چالاکیاں
عوام الناس کے مفاد کی تباہی اور ذلت کا باعث ہونگی۔"

جونہی مجلس عاملہ کا اجلاس ختم ہوا فرانسس نے جیسا کہ ہیسٹنگز کو توقع
تھی اُسے علیحدہ بلایا اور اُسے ایک چیلنج[۱] پڑھ کر سنایا۔ ہیسٹنگز نے اسے
منظور کر لیا۔ اور ۱۷ اگست کی صبح اس (مبارزہ) لڑائی کے لئے مقرر ہوئی۔

---

[۱] آپس کے جھگڑے کا بذریعہ شمشیر فیصلہ کرنے کا رواج۔

فریقین اس مبارزہ کے طور طریقہ میں کوئی مہارت نہ رکھتے تھے فرانسس نے ظاہر کیا کہ اس سے پہلے مَیں نے کبھی پستول نہیں چلایا اور ہیسٹنگز کو بھی صرف ایک یا دو مرتبہ پستول چلانے کا اتفاق ہُوا تھا۔ اس لئے جس خطرے میں اُنہوں نے اپنے آپ کو ڈال دیا تھا ایسا بڑا نہ تھا جیسا کہ ظاہر ہوتا تھا۔ تاہم یہ معاملہ تشویش دہ ضرور تھا۔ ہیسٹنگز کا عجیب و غریب مگر محتاط بیان اُس بھیانک ارادہ کو واضح کرتا ہے جس کے ماتحت وہ برابر کام کرتا رہا۔

"اگلے دن کرنل پیرز مقررہ وقت پر میرے پاس آگیا۔ لیکن وقت سے کچھ پہلے یعنی کوئی سوا چار بجے صبح۔ میں پھر کوئی آدھ گھنٹے کے لئے اپنے پلنگ پر لیٹ گیا۔ پھر کپڑے پہن کر اُسی کی گاڑی میں روانہ ہُوا۔ ہم مقررہ وقت پر 'بلویڈور' میں پہنچ گئے۔ ساڑھے پانچ بجے مسٹر فرانسس اور کرنل واٹسن کو سڑک پر چلتے دیکھا۔ کچھ وقت کسی الگ جگہ کی تلاش میں گذرا۔ ہمارے معاونوں نے یہ تجویز کی کہ ہم ایک دوسرے کے مقابل خاصے ناپے ہوئے فاصلے پر کھڑے ہوں۔ انگلستان کی ایک حال کی مثال پر عمل کرتے ہوئے یہ فاصلہ چودہ قدموں کا مقرر ہُوا۔ کرنل واٹسن نے چل کر سات قدم پورے کئے۔ مَیں جنوب کی جانب کھڑا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اُس وقت ہَوا بند تھی۔ ہمارے معاونوں نے غالباً کرنل واٹسن نے یہ تجویز کی کہ ایک دوسرے پر کسی کو فوقیت نہ دی جائے اور اس لئے ہم سے ہر ایک اپنا وقت چُن کر گولی چلائے۔ مجھے یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ کرنل پیرز نے میرے پستول میں دو کارتوس بھرے۔ پستول زمین پر پڑا تھا۔ مَیں نے یہ ارادہ کر لیا کہ مَیں ابھی گولی نہ چلاؤں تاکہ اُس کی گولی سے مجھے دق نہ ہونا پڑے۔ اُس نے فوراً پستول داغ دی۔ لیکن پستول

نہ چلا۔ اُس کے معاون نے تازہ رنجک لگادی اور چقماق کو کھول دیا۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر آ کھڑے ہوئے۔ میرا اب بھی یہی ارادہ تھا کہ اُس کو پہلے گولی چلانے دوں۔ مگر مسٹر فرانسس نے دو دفعہ شست لے کر پستول واپس کر لی۔ اب مَیں نے یہ فیصلہ کیا کہ مَیں بڑی احتیاط سے شست لوں۔ مَیں نے ایسا ہی کیا اور شست قائم کر کے گولی چلادی۔ اُس کا پستول بھی اُسی وقت چلا۔ اور یہ درست طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ پہل کس نے کی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرا ہی پستول پہلے چلا اور اُسی لمحہ میں اُس کا بھی چل گیا۔ وہ فوراً لڑکھڑا گیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے گولی لگی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اوندھا ہو گیا۔ اور آہستہ سے یہ کہتے ہوئے گر پڑا کہ " مَیں مر گیا "۔ مَیں دوڑ کر اُس کے نزدیک گیا۔ اُس کے لفظ سن کر مَیں گھبرا گیا۔ اور مجھے اپنی کامیابی کی کوئی خاص خوشی اُس وقت نہ ہوئی۔ ہمارے معاون بھی اُس کی امداد کو لپکے۔ مَیں نے دیکھا کہ اُس کے کوٹ کی داہنی طرف چھد گئی تھی۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ گولی اُس کے بدن کے آر پار ہو گئی ہے۔ لیکن وہ معمولی سی تکلیف کے بعد کئی بار اُٹھ بیٹھا اور ایک دفعہ اُس نے ہماری امداد سے کھڑا ہونے کی کوشش بھی کی لیکن اُس کے اعضا جواب دے گئے اور وہ زمین پر لیٹ گیا۔ کرنل واٹسن نے اُس وقت یہ مشورہ دیا کہ " آپ دونوں محض عزت کے سوال پر یہاں آئے ہیں۔ ذاتی بغض و عناد کچھ نہ تھا اِس لئے آپ کو مصافحہ کر لینا چاہیئے یا شاید یہ کہا کہ مسٹر فرانسس کو پہلے ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور مسٹر فرانسس نے خوشی کے ساتھ ہاتھ بڑھایا۔ مَیں نے اُس کی موجودہ حالت پر اظہارِ افسوس کیا۔ وہ سیدھا لیٹے ہوئے

کچھ آرام پاتا تھا۔ ایک چارپائی میجر ٹالی کے مکان سے منگوائی گئی۔ کیونکہ اس کی اپنی پالکی نہ تھی اور اسے بلویڈور کے محل میں پہنچادیا گیا جہاں وہ پڑا رہا۔ کرنل پیرزا اور میں دونوں شہر میں اپنے مکان میں واپس آگئے۔ ہم ڈاکٹر کیمبل کی تلاش میں نکلے اور ڈاکٹر فرانسس کو بھی تاکید کی کہ وہ پیچھے پیچھے آئے۔ دونوں فوراً پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ زخم خطرناک نہیں ہے۔ گولی پہلو میں داخل ہوئی تھی یعنی واسکٹ کی سلائی سے ہوتی ہوئی کندھے سے ذرا نیچے اور دونوں پٹھوں میں سے گذر کر ریڑھ کی ہڈی کی کھال کے نیچے دوسری طرف نظر آرہی تھی۔

جونہی میں گھر واپس آیا۔ میں نے مسٹر مارخیم کو سر علیجاہ امپے کے پاس اطلاع کے لئے بھیجا کہ یہ واقعہ ہوگیا ہے۔ اور میں نتیجہ کے انتظار میں تھا۔ کہ اگر زخم مہلک ثابت ہوا تو میں اپنے آپ کو ان کے حوالہ کردوں گا تاکہ مجھ سے جو قانونی سلوک واجب ہو وہ کیا جائے۔

فرانسس بہت جلد اچھا ہوگیا اور ۱۱ ستمبر کو وہ کونسل میں واپس آگیا عہد شکنی کے الزام کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ ہیسٹنگز نے جس طرح بیان کیا ہے میں اس طریق سے اس سمجھوتہ کا فریق نہ بنا تھا۔ وہ اس بات کا مدعی تھا کہ جنگ مرہٹہ کے متعلق ہمارا یہ سمجھوتہ ہوا تھا کہ جو فوجی کارروائی اب تک کی جاچکی ہے اس کی مخالفت میں نہ کروں یعنی ساحل مالابار پر گوڈرڈ کی نقل و حرکت وغیرہ اس سے یہ مطلب نہ تھا کہ اس میں بعد کی کارروائیاں جو زیر غور ہیں وہ بھی شامل ہیں ہیسٹنگز نے اس امر کی کافی وضاحت کی کہ پفیم اور کالک ذاتی مہمات

پر اس سمجھوتہ کی تکمیل سے پہلے غور ہو رہا تھا اور دوسری یادداشتوں کے تبادلہ میں ان واقعات کی مدلل طور پر تصدیق بھی ہوتی تھی۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں جائز غلط فہمی ہوئی ہو۔ ہیسٹنگز سے واقعی یہ حماقت ہوئی کہ اُس نے اس سمجھوتے پر فرانسس کے دستخط نہ کرائے تاکہ کسی قسم کے شک و شبہ اور بحث مباحثہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ غالب گمان یہ بھی ہوتا ہے کہ فرانسس نے عمداً ہیسٹنگز کی بے پروائی سے فائدہ اٹھایا ہو کہ اُس نے اِس کی حُسن نیت پر اپنی سادہ لوحی سے بھروسہ کر لیا۔ یہ بات اُس کی فطرت کے کچھ خلاف بھی نہ تھی۔

الغرض یہ مبارزہ[1] ہندوستان میں فرانسس اور ہیسٹنگز کے اختلاف کی انتہا تھی یعنی یہ اختلاف انتہائی بلندی پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ مایوس اور شکست خوردہ ہو کر اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ انگلستان پہنچ کر اس کا انتقام لے۔ اُسے بنگال سے نفرت تھی۔ اپنی ملازمت اور قمار بازی کے طفیل وہ اچھی خاصی دولت پیدا کر سکا تھا اور اس بات کی اُمید بہت کم تھی کہ وہ کثرت رائے والے زمانے کا اقتدار اور رسوخ دوبارہ حاصل کر سکے۔ پستول بازی کے واقعہ کے بعد جلد ہی اُس نے انگلستان واپس جانے کے لئے جہاز کی نشست حاصل کی اور دسمبر ۱۷۸۰ء میں وہ واپس روانہ ہو گیا۔

چند سال بعد ہیسٹنگز نے لکھا کہ "میرے مخالفین بیمار ہوئے مرے اور بھاگ گئے۔ میں بغیر کسی تبدیلی کے اپنی جگہ پر قائم رہا۔ نہ تو میری صحت پر کچھ بُرا اثر پڑا، اور نہ ہی میرے دل و دماغ کی روشنی نے میرا ساتھ چھوڑا۔" سات

---

[1] آپس کی فیصلہ کن لڑائی۔

سال کی پیہم دشمنی کے بعد اُس نے فیصلہ کُن فتح حاصل کرہی لی۔ اور اس پر اُسے مبارکباد کے کئی پیغام موصول ہوئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "آخر یہ فتح کیا ہے"۔ خزانہ ختم ہو چکا ہے۔ قرضہ جات بڑھ رہے ہیں۔ طرز حکومت ایسا ہے کہ عملے کے اخراجات ہی بہت زیادہ ہیں اور اس عملے میں متوسلین اور خیر اندیشوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اصلاحات رائج کرنے پر سر پرستوں کی لعنت ملامت علیحدہ ہے۔ ملک نجی لوٹ بار کی بدولت تباہ ہو رہا ہے۔ اس کے قدرتی ذرائع سالانہ برآمد کی بے حد و حساب مقدار میں نجی دولت اور نجی سرمائے کی شکل میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ علاقہ بمبئی کی امداد کا بار، قلعہ سینٹ جارج کی حفاظت کا بوجھ صوبہ کرناٹک کا ایک فاتح دشمن کے ہاتھوں سے واپس لینا۔ دونوں صوبوں یعنی بمبئی اور مدراس کے انتظام کا خرچ اور سب سے آخر میں ہندوستان کی ہر طاقت سے متوقع یا اصلی لڑائی بھڑائی۔ یہ سب کچھ اور اسی قسم کی اور بُرائیاں جو میں ایک ایک کر کے گن سکتا ہوں اُن اختیارات اور حکومت کے لوازمات ہیں جن کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اُس پھوٹ کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑ رہا ہے جس کی کھلے بندوں اجازت دے دی گئی ہے اور اس پھوٹ سے مجھے ۱۹ اکتوبر ۱۷۷۴ء سے لے کر آج کے دم تک ایک لمحہ کے لئے بھی چین نہیں ملا۔" سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے وہ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ "اگر ۱۷۷۴ء ہی میں مجھے علیحدہ کر دیا جاتا اور میری جگہ کوئی دیانت دار اور معمولی قابلیت کا آدمی مقرر کر دیا جاتا جسے ڈائرکٹروں اور حکومت انگلشیہ کی پوری پوری تائید حاصل ہوتی تو جن بُرائیوں اور مصیبتوں میں یہ ملک آج مبتلا ہے شاید رُک جاتیں"۔ حکومت

بنگال کا وقار دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا۔ اس کا خزانہ بھرپور ہو کر اُمڈ پڑتا۔ برہٹے کبھی لڑائی پر نہ اُتر آتے۔ حیدر علی کو کرناٹک پر حملہ کرنے کا خیال تک نہ آتا۔ ہر ایک ریاست کمپنی سے رابطہ اتحاد قائم کر لیتی اور انگریزوں کے نام کا سکہ ہر ایک کے دل پر بیٹھ جاتا۔ اُن کے وقار کو تسلیم کیا جاتا اور ہندوستان اور دکن کے کونے کونے میں اُن کی قدر و منزلت ہوتی۔ خیر جو غیر مشروط طاقت عارضی طور پر مجھے ملی ہے اب گذشتہ بدقسمتیوں کا نقصان پورا کرنے۔ موجودہ خطرات کو دور کرنے اور کمپنی کے اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے اور اُس کے مقبوضات کی حفاظت میں استعمال کی جائے گی۔"

ہیسٹنگز ہمیشہ اس رائے کا اظہار کیا کرتا تھا کہ "میں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اُس تھوڑے تھوڑے وقفوں میں مکمل کیا گیا۔ جن میں مجھے اختیار حاصل ہوا۔ ۱۷۸۱ء کا سال یقیناً اسی قسم کا ایک وقفہ تھا۔ کوٹ کرناٹک میں تھا۔ اور جونہی فرانسس یہاں سے رخصت ہوا گستاخ وہیلر مطیع ہو گیا۔ ہیسٹنگز جو پہلے اُسے حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ اب بھی اُس کے متعلق کوئی اعلیٰ رائے نہ رکھتا تھا۔ اُس نے فوراً ہی وہ ان گھڑ طریقے جن پر اُسے پورا بھروسہ ہوا کرتا تھا استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ جن کے ذریعہ اس نے مستقل طور پر اس کی محبت حاصل کر لی۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے یہ دستور بنا لیا ہے کہ خالی آسامیوں کے پُر کرنے میں اُس کی رائے کو ہمیشہ فوقیت دوں اور اس کے علاوہ اس کے تمام دوستوں کو بڑی اچھی آسامیوں پر لگا دیا ہے۔"

جنگ ابھی نازک حالات میں سے گذر رہی تھی۔ مالی حالت مایوس کن

تھی۔ گو ہیسٹنگز ہمارضی طور پر بنگال کا واحد مالک تھا۔ اُس کا بہت سا وقت اور محنت گذشتہ بدقسمتیوں کے نقصانات کے پورا کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ان سب مایوسیوں کے ہوتے ہوئے اس وقفہ میں اُسے جو طاقت حاصل ہوئی اُس کے ذریعہ اُس نے انتظام عامہ میں بہت سی اصلاحات کر ڈالیں جن کا اثر چونگی۔ نمک کی اجارہ داری اور محکمہ مال کے انتظام پر پڑا اور نتیجہ کے طور پر آمدنی میں کافی اضافہ ہوا۔ ان اصلاحات کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ جو اہلکار کسی قسم کا سرکاری محصول جمع کریں اُنہیں جمع کردہ روپیہ پر دستوری یا کمیشن دی جایا کرے۔ اس طریقہ سے ہیسٹنگز کو امید تھی کہ وہ اہلکاروں کو اچھی معقول تنخواہیں دے سکے گا۔ اور اُس کے ساتھ ہی ہر قسم کے لالچ۔ بالائی آمدنی۔ غبن اور بددیانتی کی بیخ کنی بھی ہو جائے گی۔ لیکن ڈائرکٹر اس پر بھی سیخ پا ہوتے رہے۔ کئی صورتوں میں اس قسم کی تنخواہیں ہر معقول معیار کی بنا پر حد سے زیادہ بڑھ جایا کرتی تھیں۔ لیکن کمپنی کی ملازمت میں بڑے بڑے سرمائے پیدا کر لینے کی قدیم رسم کا اُڑا دینا بھی بہت مشکل کام تھا۔

محکمہ مال کے نظم ونسق اور اصلاحات کے سلسلہ میں اُس کی دیرینہ آرزو کی تکمیل بھی شامل تھی کہ صوبائی کونسلوں کو اُڑا دیا جائے جو قابل نفرت نگران افسروں کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئی تھیں۔ ان صوبائی کونسلوں کی جگہ کلکتہ میں ایک نئی کمیٹی قائم کردی گئی جو کمپنی کے چار بہترین افسروں پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کو مرکز کے ساتھ وابستہ کرنے کی کوشش غالباً قبل از وقت تھی۔

کیونکہ مختلف اضلاع میں مال کا انتظام ابھی تک اتنا کمزور تھا کہ کلکتہ میں بیٹھ کر اُس کی نگرانی کرنا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ناممکن نظر آئی کہ اُس کے پُرانے خیال کے مطابق کہ صرف دیسی افسر ہی ضلعوں میں کام کیا کریں۔ اور کمپنی کے ملازم کلکتہ ہی میں رہیں۔ مختلف آسامیوں کے لا تعداد امیدوار سب کے سب کلکتہ میں کیسے کھپ سکتے تھے۔ صوبائی کونسلوں کے تمام افسروں کو مختلف آسامیوں پر مقرر کرنا پڑا۔ اور اس کے علاوہ تازہ امیدواروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ کمپنی کے بعض ملازموں کو تو ضلعوں ہی میں کلکٹر بنا کر رکھنا پڑا۔ لیکن اُن کے اختیارات کم کر دیئے گئے اور جن کے لئے کوئی دوسرا کام مہیا نہ ہو سکا اُنہیں دیوانی عدالتوں کا جج بنا دیا گیا۔ دیوانی اختیارات کے علاوہ انہیں فوجداری اور پولیس کے اختیارات بھی دے دیئے گئے۔ کہ وہ رہزنوں اور بڑے بڑے جرم کرنے والوں کو گرفتار کر کے دیسی افسروں کے سپرد کر دیا کریں کہ وہ اُن کو سزا دیں۔ ان انگریز ججوں کی تقرری جج اپیے کی تقرری بطور جج صدر دیوانی عدالت کے ساتھ ساتھ ہی ہوئیں۔ دیوانی اور پولیس کے اختیارات یکجا کر دینے سے عام حکمت عملی میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اور اس طرح ملک میں آئندہ ضلع افسروں کے لئے رستہ صاف ہو گیا۔ تاہم یہ انتظام سرپرستی کی لعنت اور متوسلین کے ہجوم کی وجہ سے مجبوراً کیا گیا۔ اور اس یقین کی بنا پر یہ تقرریاں نہیں کی گئی تھیں کہ یورپین لوگ زیادہ ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے یہ تبدیلی ضروری ہے۔ ہیسٹنگز خود تو مقامی عمال ہی کو ترجیح دیا کرتا تھا جیسا کہ اُس نے

بنارس کا انتظام چیت سنگھ سے لینے کے بعد اسی سال کیا۔ انگریز افسر ول کو مقرر کرنے کی بجائے اُس نے برابر ہندوستانی نظام ہی جاری رکھا۔ اور یہ عذر کیا کہ بنگال میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ انگریز کلکٹر ہیں۔ اب انہیں بنارس میں مقرر کر کے چیت سنگھ کے خاندان کے حقوق کو غصب کرنے کے مترادف ہوگا۔ آمدنی کو نقصان پہنچے گا۔ کاشتکاروں کا تعلق کم ہو جائے گا۔ اور یہ حکمتِ عملی کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ انگریز افسر ابھی تک غریبوں کا مائی باپ بننے کے قابل نہ ہوا تھا اور نہ وہ کاشتکاروں کا ہمدرد تھا۔ گو اُس کی قسمت میں ایسا ہونا لکھا جا چکا تھا۔ شاید حقیقی معنوں میں یہ بات سچ ہو کم از کم بعد کی نسل کے خیالات میں تو یقیناً یہ بات اثر پذیر ہو چکی تھی +

پندرھواں باب

بنارس کی شورش اور بیگمات اودھ

۱۷۷۸ء میں جنگ شروع ہونے پر بنگال کی حکومت کے پاس کافی روپیہ تھا۔ دو سال بعد جب حیدر علی نے صوبہ کرناٹک کو تاخت و تاراج کیا تو مدراس اور بمبئی کی اعانت مالی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کا اثر ذرائع آمد پر پڑا۔ اب کوئی فاضل روپیہ موجود نہ تھا جو کمپنی کے کاروبار میں لگایا جاسکے یا جس کے ذریعہ چین کی تجارت چل سکے۔ ان دونوں کے متعلق ڈائرکٹر چاہتے تھے کہ لڑائی کے باوجود ہیسٹنگز مناسب انتظام ضرور کرے۔ یہ بات بھی بے حد مشکل تھی۔ کہ میدان جنگ میں فوج کے لئے روپیہ مہیا کیا جائے۔ ۱۷۸۰ء کے موسم خزاں میں کلکتہ کے خزانے نے قرضہ مانگا۔ لیکن جو روپیہ اس ذریعہ سے جمع ہوا وہ ایک محدود رقم تھی۔ لڑائی کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ زائد روپیہ کے لئے اور وسایل اختیار کئے جائیں۔

ایک ممکن ذریعہ تو یہ تھا کہ کمپنی کے حلیف نواب آصف الدولہ کی طرف

رجوع کیا جائے اور دوسرا کمپنی کا سب سے بڑا امیر اور سب سے زیادہ طاقت ور سردار اور رعایا چیت سنگھ بنارس کا راجہ تھا۔ آصف الدولہ کے ذمہ کمپنی کی فوج کے اخراجات کے سلسلہ میں بہت سی بڑی بڑی رقمیں واجب الادا تھیں لیکن یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ جب تک کوئی خاص انتظام نہ کیا جائے یہ قرضہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ اور اس کی ادائیگی مشکل ہے۔ چیت سنگھ کے پاس بے شمار دولت تھی۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی ہر سال اُس سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ کمپنی کو پانچ لاکھ روپیہ خاص طور پر بطور خراج ادا کرے لیکن اُس نے یہ رقم بڑی تعویق و تاخیر اور مفلسی کے جھوٹے عذرات کے بعد ادا کی۔ وہ بددل ہو گیا۔ اور مرہٹوں سے خفیہ خط و کتابت کرنے لگ گیا۔

اب فرانسس تو رستے میں حائل نہ تھا۔ ہیسٹنگز کو یہ موقع ملا کہ وہ نواب اودھ اور چیت سنگھ کے مزاج درست کر دے۔ وھیلر نہایت آسانی کے ساتھ اُس سے متفق ہو گیا۔ اُنہوں نے آپس میں یہ صلاح کی کہ وہیلر تو کلکتہ میں رہ کر حکومتِ بنگال کا انتظام و انصرام سنبھالے اور ہیسٹنگز بنارس اور لکھنؤ پہنچ کر پورے اختیارات استعمال کرتے ہوئے آصف الدولہ کے قرض اور چیت سنگھ کی بددلی کا مناسب انتظام کرے۔ چنانچہ وہ جولائی ۱۷۸۱ء میں کلکتہ سے روانہ ہوا۔ اُس کے ہمراہ اُس کا ذاتی عملہ اور کوئی پانچسو آدمی مسلح محافظ خاص تھے۔ مالی ضروریات اور غیر محدود طاقت دونوں آپس میں مل گئیں اور وہ ایسی قابل اعتراض حرکات پر مجبور ہوا جو سرکاری ملازمت کے دوران میں اُس سے کبھی سرزد نہ ہوئی تھیں۔

راجہ چیت سنگھ اصل میں نواب اودھ کی رعایا تھا مگر جیسا کہ پہلے ذکر کیا

جا چکا ہے۔ کثرت رائے رکھنے والے فریق نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں نواب شجاع الدولہ کی موت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بنارس کی زمینداری کو اودھ سے علیحدہ کرکے کمپنی کے علاقہ کے ساتھ اُسے ملحق کر لیا تھا۔ یہ تبدیلی چیت سنگھ کی اپنی مرضی سے ہوئی تھی۔ لیکن ہیسٹنگز نے اسے پسند نہ کیا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح نواب سے بے حد ناانصافی ہوگی۔ اور اس وجہ سے وہ ناحق کمزور ہو جائے گا۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چیت سنگھ اپنے آپ کو مخالف عنصر کا پروردہ سمجھنے لگ گیا۔ اور ہیسٹنگز سے جو مخالفت اُن کی تھی اُس کی حمایت کرنے لگا۔ غالباً یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہیسٹنگز نے اُس کے ساتھ سختی کا سلوک کیا۔

چیت سنگھ کی زمینداری بہت بڑی تھی۔ لیکن جیسا کہ برک نے اُسے ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایسا خود مختار راجہ نہ تھا جو صحیح معنوں میں کمپنی کا باج گذار راجہ کہلا سکے۔ وہ بلاشک وشبہ کمپنی کی رعایا میں سے تھا۔ اور ساڑھے بائیس لاکھ روپے سالانہ کی رقم جو اُسے کمپنی کو ادا کرنی پڑتی تھی وہ اصل میں مالیانہ تھا نہ کہ خراج۔ وہ ایک زمیندار تھا اور یقیناً بہت بڑا زمیندار جسے خاص مراعات اور غیر معمولی اختیارات حاصل تھے اور وہ کمپنی کو بطور بادشاہ اور حقیقی حکمران سمجھتے ہوئے وفاداری کے لحاظ سے اُن کی رعایا تھا۔

کمپنی نے اُس سے اقرار نامہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس بات کا پابند کیا تھا کہ جب تک وہ ½۲۲ لاکھ روپیہ ادا کرتا رہے گا اُس سے کسی قسم کا اور مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ لیکن مغل دستور کے مطابق کمپنی کو یہ شاہی حق پورے طور پر حاصل تھا کہ وہ سخت ضرورت اور خاص حالات کے ماتحت زائد امداد بھی طلب کرلے۔

اندریں حالات ہیسٹنگز کی رائے میں کمپنی اس بات میں حق بجانب تھی کہ اخراجات جنگ کے لئے اُس سے خاص امدادی چندہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔ خواہ اصلی اقرار نامہ کی شرائط کچھ ہی ہوں۔ فرانسس کچھ تامل کے بعد اس تجویز پر رضامند ہوگیا۔ ڈائرکٹروں کو بعد میں جب اس معاملہ کی اطلاع دی گئی تو اُنہوں نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ چیت سنگھ کا دل تو ہرگز نہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ دے لیکن یہ بھی خوب جانتا تھا کہ شاہی معمول کے مطابق یہ مطالبہ نہ تو ناواجب ہے اور نہ بہت زیادہ۔ اُس کو یہ زمینداری تو امتیازی طور پر بڑی آسان شرائط پر مل گئی تھی۔ اُسے مقررہ ۲۲½ لاکھ کی رقم سے جو اُسے دینی پڑتی تھی دُگنی آمدنی ہوسکتی تھی۔ یہ شہرت بھی عام تھی اور بعد میں یہ بات سچی بھی ثابت ہوئی کہ وہ بے حد امیر آدمی تھا۔ اگر وہ وفادار رعایا تھا تو وفاداری کے مفہوم کے مطابق جیسا کہ ہندوستان میں رائج ہے۔ اُس کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنی ذات اور اپنے تمام وسائل کمپنی کے حوالہ کر دیتا۔ پانچ لاکھ روپے کی جو رقم اُس سے طلب کی گئی اُسے فوراً ادا کر دینی چاہیئے تھی۔ اور اپنی سرگرمی اور وفاداری جتانے کے لئے کچھ اور زیادہ رقم بھی پیش کرنی چاہیئے تھی اُس کا یہ رویّہ ہندوستان کی روایات کے عین مطابق تھا اور یہ دستور اب تک یہاں قائم ہے۔ بلکہ اسے فرض سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اب تک کمپنی نے اُس کے ساتھ شاندار رعایت برتی تھی۔ اب اُس کی ضرورت کے وقت اُسے اپنی شکر گذاری کا اظہار کرنا چاہیئے تھا۔ حقیقت یہ کہ چیت سنگھ وفادار نہ تھا۔ گو ہیسٹنگز حکومت بنگال کا صدر تھا لیکن چیت سنگھ برابر فرانسس کو اپنا سرپرست اور مُربی سمجھتے ہوئے اُس کے ساتھ چپٹا رہا۔ اُسے یہ امید تھی کہ اگر

مجلس عاملہ کی آپس میں چلتی رہے تو وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچا رہے گا جس لڑائی کے لئے اُس سے نقد امداد مانگی جا رہی تھی اُس میں اُس کا براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فرانسس ہیسٹنگز کی سرگرم تجاویز جنگ کا سخت مخالف ہے اور اُسے ان افواہوں پر بھی جو فرانسس نے اراداتاً اُڑا رکھی تھیں کامل یقین تھا کہ ہیسٹنگز کو بہت جلد واپس بلا لیا جائے گا۔ غرضیکہ ۱۷۷۸ء اور ۱۷۷۹ء کے دونوں سالوں میں وہ پانچ لاکھ کا امدادی چندہ بڑی لیت و لعل۔ تامّل اور مفلسی کے بیہودہ بہانوں کے بعد ادا کرتا رہا۔ گو اُس کی نیت ہمیشہ یہی رہی کہ کسی طرح یہ بلا ٹل جائے تو اچھا ہے۔ ۱۷۷۹ء میں تو یہ رقم اُس وقت تک اُس نے ادا نہ کی جب تک کہ اُس کی وصولی کے لئے پوری دو پلٹنیں اُسی کے خرچ پر وہاں نہ بھیجی گئیں۔

ہندوستان میں حیرت انگیز عقیدت مندی سچی وفاداری سے پیدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اگر اس قسم کی امداد میں کوئی شخص ذرا بھی حیل و حجت کرے تو اُس کی وفاداری مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ بہت سے انگریز مورخین جو ہندوستان کے اصلی حالات سے ناواقف ہیں اس نکتے کی اہمیت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ چیت سنگھ کا اصلی رویّہ اس معاملہ میں کیا تھا اور اصل میں اُس سے کیا توقع ہونی چاہیئے تھی۔ پانچ لاکھ روپیہ کی اضافی ادائیگی سے انکار اُن کی رائے میں قدرتی اور قابلِ معافی تھا۔ ہیسٹنگز جس کو اس سرزمین کا کہیں زیادہ تجربہ تھا اُس کے اس فعل کو بدنیتی پر محمول کرتا تھا۔ خود چیت سنگھ کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے ہیسٹنگز کو بجا طور پر ناراض کر رہا ہے۔ اور ۱۷۸۰ء کے

موسم بہار میں یہ معلوم کر کے کہ ہیسٹنگز برابر اپنے عہدے پر قائم ہے اور اُس نے
فرانسس سے بھی سمجھوتہ کر لیا ہے ۔ تو اُسے بھی ہوش آیا اور اپنے گذشتہ رویہ کی
اصلاح کرنی چاہی ۔ اُس نے اپنا خاص معتمد خفیہ طور پر ہیسٹنگز کے پاس اپنی گذشتہ
کرتوتوں کی معافی کے لئے بھیجا اور یہ یقین دلایا کہ وہ آئندہ کے لئے ہمیشہ اُس کا تابع
فرمان رہے گا ۔ ہیسٹنگز نے اُس کی معذرت قبول کر لی ۔ اور اُس کی گذشتہ غلطیوں
اور لغزشوں سے در گذر کرنے کا وعدہ کیا اور یہ عہد بھی کیا کہ زائد پانچ لاکھ کی وصولی
محض عارضی طور پر جنگی ضروریات کو مدّنظر رکھتے ہوئے کی جا رہی ہے ۔ اس کا مطلب
ہرگز یہ نہ ہوگا ۔ کہ آئندہ کسی وقت بھی ساڑھے بائیس لاکھ سالانہ کی مقرر کردہ رقم میں
کسی تاوانی وغیرہ کے ذریعہ کسی قسم کا اضافہ کیا جائے ۔ باوجود ان سب باتوں کے یہ
رقم کبھی وقت پر ادا نہ ہوئی ۔ اور اس سے ہیسٹنگز جائز طور پر بیحد دق ہوتا ۔

تاہم ہیسٹنگز سے اس موقع پر ایک بہت بڑی لغزش ہوئی ۔ چیت سنگھ نے
ہیسٹنگز کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آئندہ کی جبری وصولی سے نجات پانے کی غرض سے
ہیسٹنگز کو ذاتی تحفے کے طور پر دو لاکھ روپے کی رقم پیش کی پہلے تو اس نے انکار
کیا بعد میں یہی رقم قبول کر کے کمپنی کے خزانے میں اپنے ذاتی چندے کے طور پر
کرنیل کامک کی مہم کے اخراجات کے لئے داخل کرادی ۔ کیونکہ فرانسس برابر اس مہم
کی سختی سے مخالفت کر رہا تھا ۔ اس نذرانہ صلح کے وصول کر لینے کے بعد یہ بات
قرین انصاف نہ تھی کہ وہ اُس سے کوئی اور جبری مطالبہ مزید جواب طلبی یا اپنا اطمینان
کر لینے کے بغیر کرتا ۔ لیکن اُس نے واقعی ایسا کیا ۔ ۱۷۸۰ء کے موسم خزاں پر اُس
نے کونسل کے مشورے کے مطابق چیت سنگھ کو حکم دیا کہ راجہ برار کے لشکر کے

خلاف حدودِ بنگال کی حفاظت کے لئے وہ دو ہزار سوار مہیا کرے۔ یہ مطالبہ بہت زیادہ تھا۔ اِس لئے مطلوبہ سواروں کی تعداد پہلے پندرہ سو اور بعد میں ایک ہزار تک کر دی گئی۔ چیت سنگھ نے لیت و لعل شروع کی۔ پھر پانچ سو سوار دینے قبول کئے۔ اور بعد میں ایک بھی نہ بھیجا۔

ہیسٹنگز نے اُسے سبق دینا چاہا۔ اُس نے لکھا کہ "میں اس جُرم کی پاداش میں کمپنی کی مصائب کا علاج نکالوں گا۔ اور اُس سے ایسا زبردست تاوان وصول کروں گا جس کی بابت مجھے یقین ہے کہ وہ ادا کر سکے گا۔ مختصر یہ کہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ یا تو وہ اپنی معافی کے بدلے بہت بڑی قیمت ادا کرے یا اپنی گذشتہ لغزشوں کا سخت سے سخت خمیازہ بھگتے۔ کلکتہ سے چلتے وقت اُس نے چپکے سے وہیلر کو یہ بات کہی کہ "میرا ارادہ ہے کہ میں اُس پر کم از کم چالیس یا پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ کروں۔ اور اگر وہ ادائیگی سے انکار کرے تو اُس کو اُس کی زمینداری سے علیحدہ کر کے اُس کے قلعوں پر قبضہ کر لوں اور جتنا روپیہ اُس کے خزانوں میں جمع ہے غصب کر لوں"۔ اس سے چند ماہ پہلے اُس نے یہ احتیاط ضرور کر لی تھی کہ فرانسس کے آدرے نوجوان فاؤک کو جو بنارس میں ریذیڈنٹ تھا، علیحدہ کر کے اُس کی جگہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری مارخیم[1] کو جو صرف اکیس برس کی عمر کا نوجوان تھا، بھیج دیا۔ یہ نوجوان ہیسٹنگز کا پورے طور پر تابع فرمان تھا۔

یہ خبر سُن کر کہ ہیسٹنگز خود چل کر آ رہا ہے، چیت سنگھ کو بیحد خوف

---

[1] ڈاکٹر مارخیم یارک کے لاٹ پادری کا بیٹا جو انگلستان میں ہیسٹنگز کا زبردست حامی تھا۔

پیدا ہوا کہ فرانسس تو جا چکا ہے اور ہیسٹنگز جس کی ناراضگی اُس نے جلدبازی میں مول لے رکھی ہے اس وقت سیاہ و سفید کا مالک ہے چیت سنگھ ہیسٹنگز سے اپنی زمینداری کی سرحد پر بکسر کے مقام پر مغموم صورت بنائے ملا۔ اپنی مکمل اطاعت کے اظہار میں اُس نے اپنی پگڑی اتار کر اُس کے قدموں میں رکھ دی۔ اپنے گذشتہ قصوروں کا اقبال کیا۔ معافی مانگی اور اُسے یقین دلایا کہ میری ساری املاک و جائداد اُس کے لئے حاضر ہے۔ ہیسٹنگز نے کہا کہ "مجھے تمہارے وعدوں اور چرب زبانی پر اب کوئی اعتبار نہیں رہا۔ کیونکہ ان پر کچھ خرچ نہیں ہوتا اور یہ جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں اور میں تم سے کوئی بات چیت نہیں کرنا چاہتا۔"

ہیسٹنگز ۱۴ ، اگست کو بنارس پہنچا۔ چیت سنگھ دوبارہ اُس سے ملاقات کرنے کو گیا۔ لیکن اُسے یہ کہہ دیا گیا کہ "گورنر جنرل صاحب بہادر تم سے نہیں مل سکتے۔ تاوقتیکہ چند ضروری معاملات کے متعلق قطعی فیصلہ نہ کر لیا جائے اور تم کو اس کے متعلق ریذیڈنٹ کے ذریعہ ضروری اطلاع دے دی جائے گی۔" دوسرے دن ریذیڈنٹ نے ایک چٹھی اس کے حوالہ کی، جس کا نفس مضمون یہ تھا کہ "تم نے زائد خراج پانچ لاکھ کی ادائیگی میں بے ہدایت و لعل کی ہے سواروں کا مطالبہ تم نے پورا نہیں کیا۔ اس لئے تم اس کے متعلق اپنا جواب دو۔" چیت سنگھ کو بکسر سے بھگا دیا گیا تھا۔ دوسری ملاقات کا اُسے موقع نہ دیا گیا۔ اس لئے وہ اس بات سے تو مایوس ہو چکا تھا کہ خوشامد پرستی یا اظہار پشیمانی سے بہتری کی کوئی صورت نکل سکے گی۔ اُس نے جواب لکھ بھیجا جس کے متعلق ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "وہ نہ صرف غیر تسلی بخش تھا بلکہ اُس کا لب و لہجہ گستاخانہ تھا۔

بجائے اس کے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرتا اُس نے مجھ پر طعن آمیزی کی کوشش کی۔ آج کل کا ایک مورخ (مسٹر ریا پرنٹس) یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "یہ جواب پورے طور پر مؤدبانہ تھا اور اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اُس سے کیا سلوک روا رکھا گیا یہ جواب نہایت ہی نرم تھا۔" آجکل کے انگریزی معیار کے مطابق یہ جواب مؤدبانہ اور نرم ہو تو ہو لیکن اِس میں اُن غلامانہ جذبات کی کمی ضرور تھی جس کی ہندوستان میں رعایا سے توقع ہونی چاہیئے جب وہ اپنے "آقائے نامدار اور خداوند نعمت" سے خطاب کر رہا ہو خاص کر ایسے وقت جب اُسے یہ بھی علم ہو کہ اُس کی حرکتوں کی وجہ سے ناراضگی پیدا ہو چکی ہے۔ ہیسٹنگز معقول طریقے سے لکھتا ہے کہ "چیت سنگھ اپنے جواب میں اُن شکایات کا تو مطلق ذکر ہی نہیں کرتا جو میری چٹھی میں درج تھیں اور نہ اُن کو رفع کرنے کے متعلق کوئی خواہش ظاہر کرتا ہے اور نہ ہی اس ارادہ کا کہیں کنایتہً ذکر کرتا ہے کہ آئندہ وہ اپنا رویہ بدل لے گا۔" ہیسٹنگز کے مطالبات کے جواز کے متعلق کوئی رائے بھی قائم کی جائے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ چیت سنگھ نے ۱۷۸۰ء میں اپنے معتمد کے ذریعہ یہ یقین دلادیا تھا کہ آئندہ سب حکموں کی پوری تعمیل کی جائے گی۔ مگر اُس کے بعد یا تو تعمیل میں تاخیر کی یا سرے سے پرواہ ہی نہ کی۔ جب اس کا جواب طلب کیا گیا تو اس نے بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ہیسٹنگز کے رحم پر چھوڑ دیتا۔ اس نے کسی قدر گستاخانہ لہجہ میں اُلٹا ہیسٹنگز پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے میری چٹھیوں کا جواب ہی نہیں دیا۔ حالانکہ ان چٹھیوں میں ٹال مٹول اور تعویق (تاخیر) کے

متعلق بہانہ سازی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ کیا اٹھارھویں صدی کے ہندوستان میں اور کیا موجودہ ہندوستان میں اس جواب کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُس سے گستاخی اور سرکشی پائی جاتی تھی جس کا توڑنا ضروری تھا۔

ہیسٹنگز نے اس جواب کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا اور غالباً یہ وجہ بھی ہو کہ چیت سنگھ کے ذاتی دشمنوں نے اپنی کانا پھوسی سے ہیسٹنگز کو اور مشتعل کر دیا ہو۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے۔ " ایسے جواب سے جو ایسے ضروری اور لابدی مطالبات سے انکار ظاہر کرتے ہوئے لکھا گیا ہو میں یہی نتیجہ نکال سکا کہ راجہ کے دماغ میں خود مختاری کے ولولے پنپ رہے ہیں اور گذشتہ چند برسوں سے اس نے اسی قسم کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔" اُس نے سخت سے سخت قدم اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے مارخیم کو حکم دیا کہ وہ سپاہیوں کی دو کمپنیاں ہمراہ لے کر چیت سنگھ کے مکان پر جائے اور اُسے گرفتار کر لے۔ اس حکم سے چیت سنگھ کے دل میں تو نہیں البتہ لب و لہجہ میں فوری تبدیلی پیدا ہو گئی۔ وہ چپکے سے گرفتار ہو گیا اور اُس نے ہیسٹنگز کو لکھا کہ "میں ہر طرح فرمانبردار ہوں"۔ ہیسٹنگز نے اُس کی اس بڑھتی ہوئی عاجزی سے کچھ متاثر ہو کر اُسے نرمی سے جواب دیا کہ وہ خوف زدہ نہ ہو اور فکر نہ کرے۔ راجہ اب بے حد پشیمان تھا۔ اس لئے اُس نے دوبارہ اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہوئے لکھا کہ " آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس سے آں والا قدر کے احکام واجب تعمیل کی وضاحت ہوئی۔ آں عالی مرتبت کا حکم کہ میں خوف نہ کروں اور بے فکر ہو جاؤں۔ میرے لئے باعث تسلی ہے۔ میرے محسن و محافظ جہاں آپ کی

رفیع الشان ذات کا سایہ ہُما پایہ میرے سر پر ہو تو مجھے فکر و غم کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ اور جب آپ خود میرے مالک و مختار ہیں تو جو کچھ آپ کر دیں گے مجھے منظور و قبول ہوگا۔"

اگر کوئی گڑبڑ نہ ہو جاتی تو صلح صفائی باہمی کا میدان صاف تھا۔ چیت سنگھ اپنی گذشتہ غلطیوں کی تلافی کر لیتا اور گراں بہا جرمانہ ادا کر دیتا اور ہیسٹنگز اُسے رہا کر کے عزت و آبرو کے ساتھ بحال کر دیتا۔ لیکن عین اس وقت دوسرے اسباب ظاہر ہو گئے۔ راجہ کی گرفتاری کا حال سن کر راجہ کے مسلح ملازموں کا جم غفیر شورش برپا کرتا ہوا اُس کے مستحکم محل رام نگر سے نکل کر دریا کے اُس پار جمع ہو گیا اور اُنہوں نے اُس گھر کا محاصرہ کر لیا جہاں راجہ کو قید کیا گیا تھا۔ بھول یہ ہو گئی کہ جو دو کمپنیاں حفاظت کے لئے وہاں متعین کی گئی تھیں اُنہیں گولی بارود نہ دیا گیا تھا۔ ایک تیسری کمپنی جسے یہ سامان دے کر وہاں بھیجا گیا وہاں تک پہنچ نہ سکی کیونکہ رستے میں بے شمار بھیڑ بھاڑ تھی اور اُنہوں نے رستہ روک رکھا تھا۔ غرضیکہ جھگڑا ہو گیا۔ آپس میں جھڑپ ہوئی اور پھر قتل عام۔ اور چیت سنگھ کے حامی کسی اچانک اور غیر معلوم اشتعال کی بنا پر نہتے سپاہیوں پر جو پہرہ دے رہے تھے ٹوٹ پڑے اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ تیسری کمپنی نے جو مسلح تھی آہستہ آہستہ مجمع کو منتشر کیا اور عمارت پر قبضہ کر لیا۔ اس گڑبڑ میں چیت سنگھ حواس باختہ ہو گیا۔ اور اس ڈر سے کہ اس خونریزی کا اُسے ذمہ دار گردانا جائے گا۔ پگڑیوں کی رسی بنا کر نیچے دریا سے لگی ہوئی ایک کشتی میں اتر گیا۔ اور وہاں سے دوسری طرف بھاگ گیا۔

ہیسٹنگز کی اپنی جان تو خطرے میں تھی۔ اگرچہ چیت سنگھ کے حامی اس گڑبڑ اور گھبراہٹ میں دریا کو دوبارہ پار کرنے کی بجائے ہیسٹنگز کی قیام گاہ پر پل پڑتے تو وہ اُس کو اور اُس کی مٹھی بھر فوج کو بخوبی دبا سکتے تھے۔ لیکن یہ ساری شورش فوری طور پر وقوع میں آئی اور پہلے سے اس کے متعلق کچھ سوچ بچار نہ کی گئی تھی چیت سنگھ کو راہ فرار کرنے کے سوا اور کوئی صورت نظر نہ آئی اور ہیسٹنگز بنارس میں بغیر چھیڑ چھاڑ کے بیٹھا رہا۔ اُس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار کئے بغیر اپنے معمول کے مطابق زمینداری پر قبضہ کرنے کا انتظام شروع کر دیا۔ جو واقعہ گذرا تھا اُس کی اطلاع وہیلر کو کلکتہ بھیج دی۔ اور چنار۔ دیناپور اور مرزا پور سے کمک طلب کر لی۔ لیکن ابھی یہ خطرہ دُور نہ ہوا تھا۔ کہ ۲۰ اگست کو ایک جلے تن نوجوان کپتان کو جس نے احکام کے خلاف رام نگر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی بھاری نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور ہیسٹنگز کی جمعیت اتنی کم ہو گئی کہ وہ چنار کے مقام تک واپس ہٹ جانے پر مجبور ہو گیا۔ یہاں بھی وہ چند روز تک کچھ محصور سا رہا۔

نزدیک کی چھاؤنیوں سے تازہ فوج آ آ کر جمع ہونے لگی۔ ہدایات جاری کی گئیں کہ علاقہ کو صاف کیا جائے اور ہر جگہ بغاوت کو دبا دیا جائے اور یہ سارا ڈرامہ کسی اچھے یا بُرے طریقے سے ختم ہو ہی گیا۔ بدبخت چیت سنگھ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے ناقابل تھا۔ اُس کو جلد ہی سندھیا کے علاقہ میں بھگا دیا گیا۔ لیکن وہ اپنے خزانے کا بہت سا حصہ اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور جو باقی بچا وہ ۲۳ لاکھ کے قریب تھا۔ یہ رقم بجے گڑھ کا قلعہ فتح کرنے کے بعد فوج میں بطور انعام تقسیم ہو گئی۔ اتنی بڑی رقم کے خورد بُرد ہو جانے پر ہیسٹنگز

بے حد ناراض ہوا۔ لیکن وہ خود اس کا ذمہ دار تھا کیونکہ لیفہم کو ایک نجی چٹھی لکھتے ہوئے اُس میں ایک غیر محتاط جملہ ایسا لکھ دیا جس کا یہ مطلب سمجھا گیا کہ اُس نے اس ناجائز تقسیم کی منظوری دے دی ہے۔ اس لئے اُس کا اصلی مقصد جس کے لئے وہ بنارس گیا تھا کہ "چیت سنگھ کے جرم سے کمپنی کے مصائب کا علاج کرے گا" نمایاں طور پر فوت ہو گیا۔ گویا کہ سرکاری خزانے کو بھرپور کرنے کی بجائے اُس نے ایک چھوٹی سی جنگ کر کے اُسے اور زیر بار کر دیا اور اُسے خود اقرار کرنا پڑا کہ "میں اُس خالی خزانے کی طرف خالی ہاتھ لوٹ آیا ہوں جسے میں خالی چھوڑ گیا تھا۔"

مورخین نے چیت سنگھ سے جبریہ وصولی کرنے اور اس کی مشکوک دیانت داری پر کافی لے دے کی ہے۔ لیکن ہیسٹنگز اُن لوگوں کی ناکامیابی کے لئے موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ یہ محض سوء اتفاق تھا۔ ہیسٹنگز نے بلا شک و شبہ یہ پیش بینی نہ کی حالانکہ اُسے اس کا خیال رکھنا چاہیئے تھا کہ چیت سنگھ کی گرفتاری سے لوگوں میں کیا جوش و خروش پیدا ہو گا۔ مسلح جم غفیر کا اُس عمارت کو گھیر لینا جس میں چیت سنگھ قید تھا اُس کے لئے ایک اچانک واقعہ تھا، تاہم اس شورش پر بخوبی قابو پا لیا جاتا اگر وہ دو کمپنیاں جو پہرے کے لئے بھیجی گئی تھیں پورے طور پر مسلح ہوتیں۔ چیت سنگھ کے جوشیلے مددگار شور و غوغا پیدا کرنے والا مجمع تھا جو فوری طور پر مشتعل ہو کر وہاں جمع ہو گیا تھا۔ اور کسی باقاعدہ سرکردگی کے ماتحت کام نہ کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سپاہی نہتے ہیں وہ وحشیانہ طریق سے صحن میں داخل ہو گئے۔ اور اُن سب کو ذبح کر کے رکھ دیا۔ انہیں ایسا

کرنے کی کبھی ہمت نہ پڑتی۔ اگر سپاہی کسی منظم طریق سے گولی چلانے کے قابل ہوتے یا تو اس گڑبڑ میں وہ سب کے سب دُم دبا کر بھاگ جاتے یا وہ کچھ فاصلے پر رہتے۔ اور اس اثنا میں ہیسٹنگز کے باقی ماندہ سپاہی جو بنارس میں تھے موقع پر پہنچ جاتے اور انہیں آسانی سے منتشر کر دیتے۔ ہیسٹنگز کے پاس اُس وقت صرف پانچ چھ سو آدمی تھے اور یہ تعداد ہر اچانک ضرورت کے واسطے کافی تھی۔ پورے دو سو آدمیوں کا چند منٹوں میں ضائع ہو جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کا کسی کو پہلے سے وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ اس مہم کے متوقع مقصد کے حصول میں ہیسٹنگز کو جو ناکامیابی ہوئی وہ ایسی مکمل نہ تھی جیسا کہ عام طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ "فوری طور پر تو کمپنی کے مصائب دُور کرنے کا" کوئی بندوبست نہ کر سکا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں مالی فوائد حاصل ہونے شروع ہو گئے۔ چیت سنگھ کو معزول کر دیا گیا اور کمپنی اب تمام معاہدوں سے آزاد ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ساری زمینداری میں اصول کے مطابق صحیح مالیانہ تشخیص کر کے وصول کر سکے۔ چنانچہ مالیانہ کی رقم چالیس لاکھ تک بڑھا دی گئی۔ اور گو یہ رقم نوراً یکمشت تو وصول نہ ہوئی اس سے سالانہ نفع ضرور بڑھ گیا۔ چیت سنگھ کے بھتیجے کو جو ابھی نابالغ تھا اس 'زمینداری' کا جانشین مقرر کیا گیا۔ لیکن جو مراعات اُس کے چچا کو حاصل تھیں وہ سب واپس لے لی گئیں اور ملک کا تمام نظم و نسق عملی طور پر کمپنی کے ہاتھوں میں آ گیا ہیسٹنگز نے خود نئے نظام کی بنا ڈالی۔ بنارس چونکہ تمام ہندوستان کے لئے جاترا کی جگہ تھی اس لئے ہیسٹنگز دل سے چاہتا تھا کہ اس مقدس شہر کے

اچھے انتظام کی وجہ سے کمپنی کا نام روشن ہو۔ اُس نے یہاں پولیس کا محکمہ قائم کیا اور نئی عدالتیں بھی بنائیں۔ اور ایک مسلمان علی ابراہیم خاں کو جس کی راست روی اور لیاقت سے ہیسٹنگز بخوبی واقف تھا ' چیف مجسٹریٹ' مقرر کیا۔ علی ابراہیم نے اپنے فرائض سے بہت اچھی طرح عہدہ برا ہُوا، اور جب ۱۷۸۴ء میں ہیسٹنگز دوبارہ بنارس گیا تو اُسے غیر معمولی تملق اور چاپلوسی کا مظاہرہ دیکھنا پڑا۔ کہ اُس کی اپنی موجودگی میں اُس کی اپنی رائے کا اظہار دوسرے کی جائز تعریف میں کیا گیا۔

بنارس کی لقبیہ زمینداری کا انتظام بھی کلیتہً دیسی ہاتھوں میں تھا لیکن اس کا نتیجہ خوش کن نہ نکلا۔ اور ۱۷۸۴ء میں اُس نے مجبور ہو کر یہ انتظام بھی سابق مہتمم سے واپس لے کر علی ابراہیم خاں کے سپرد کر دیا۔

ہیسٹنگز بجا طور پر فخر کر سکتا ہے کہ وہ بنارس کی مشکلات سے کیونکر عہدہ برا ہُوا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب صورت حالات بے حد نازک تھی اُس کے ہوش وحواس قائم رہے۔ اس تحمل اور بیدار مغزی کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ وہ خود اپنا اور کمپنی کا رعب داب قائم رکھ سکا۔ اس نے وہیلر کو کلکتہ میں کوئی پریشان کن اطلاع نہ بھیجی۔ نہ اُس سے کمک یا روپیہ مانگا۔ حالانکہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا جب اسے ان دونوں چیزوں کی سخت ضرورت تھی۔ اُس نے نواب اودھ کو بھی منع کر بھیجا کہ وہ کسی قسم کی امداد نہ بھیجے تاکہ کمپنی کی شان اور وقار پر بیرونی امداد حاصل کرنے کا حرف نہ آئے۔ ان مصائب کی انتہائی مایوسیوں کے دوران میں وہ سندھیا سے گفت وشنید کے سلسلہ میں متواتر ہدایات بھی بھیجتا رہا۔ کیونکہ اُس نے صلح کی تحریک کر رکھی تھی

اور یہ گفت و شنید بھی کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ خود اپنی رہائی کے متعلق بھی وہ فخریہ انداز میں لکھتا ہے کہ " اس میں افسروں کی محبت اور اخلاص، اطاعت اور فرمانبرداری کی نسبت زیادہ کارفرما رہا۔ جو میری امداد کے لئے قریبی مقامات سے دوڑ پڑے " اس موقع پر واقعی جو محبت، اور پاسداری لوگوں کو ہیسٹنگز سے تھی اُس کا شاندار اظہار ہوا۔ اس اظہار مسرت میں نہ صرف اُس کے اپنے افسر اور ماتحت بلکہ ملک کے بڑے بڑے رئیس بھی شامل تھے۔ راجہ برار نے بجائے اس کے کہ اُس کی پریشانیوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا اپنے وکیل پنڈت بینی رام کو اُس کے پاس بھیج کر اُس کی خیروعافیت دریافت کرائی یہ وکیل اُس وقت اتفاق سے بنارس میں موجود تھا۔ وہ نہ صرف اُس کے ساتھ چُنار تک واپس گیا۔ بلکہ عین ضرورت کے وقت اُس نے ایک لاکھ روپیہ بھی دیا۔ ہیسٹنگز نے یہ عطیہ قبول کر کے سرکاری کاموں پر خرچ کر دیا۔ اس قسم کی امداد سے جو مصیبت کے وقت دوستوں اور حلیفوں نے بڑی کشادہ دلی سے دی۔ ہندوستان کی اچھی اور قابل تعریف روایات کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ ایسے حالات میں اگر وہ واقعی کمپنی کا وفادار تھا تو چیت سنگھ سے کیا توقع ہونی چاہیئے تھی۔

ان سب باتوں کے باوجود بنارس کا واقعہ بحیثیت مجموعی ہیسٹنگز کے دامن پر ایک داغدار دھبہ ہی نظر آئے گا۔ ایک مطلق العنان حکومت کا وارث ہونے کی حیثیت سے اُس نے جو مطالبات چیت سنگھ سے کئے وہ سخت اور ناجائز نہ تھے۔ چیت سنگھ کی متواتر سرتابی کی وجہ سے اُس کی

ناراضگی بھی جائز ہے۔ لیکن جو سلوک اُس نے اُس کے ساتھ روا رکھا اگر اُسے
مکمل خود مختاری کے معیار پر بھی جانچا جائے تو وہ سخت اور ناواجب ہی
سمجھا جائے گا۔ اور جب ہم اُس کے اپنے ذاتی اخلاق اور اوصاف اور اُس
سلوک کو دیکھتے ہیں جو وہ دوسرے ہندوستانی رئیسوں اور سرداروں سے
کیا کرتا تھا تو ہمیں یہ واقعہ خاص طور پر قابلِ افسوس نظر آتا ہے۔ دو لاکھ روپیہ کا
نذرانہ قبول کر لینے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی دو ہزار سواروں کا مطالبہ کرنا۔
بکسر میں اُس کی انتہائی بے رُخی جب چیت سنگھ نے پگڑی اُتار کر اس کے
پاؤں پر رکھی۔ بنارس پہنچ کر دوسری ملاقات سے انکار۔ اُس کی تحریری جواب
طلبی اور مصنوعی اور رسمی خط و کتابت پر اصرار۔ ان سب باتوں سے چیت سنگھ
کو ضرور یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ آدمی سخت ظالم اور 'میں نہ مانوں' والی قسم کا
انسان ہے۔ جسے راضی کرنا مشکل ہے۔ ہیسٹنگز کا یہ رویّہ نہ صرف خلافِ
مصلحت بلکہ متشدّدانہ بھی تھا۔ اس سلوک سے چیت سنگھ کے دل میں
اس سخت گیری کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور اس وجہ سے ہیسٹنگز
کو مجبور ہو کر اُسے گرفتار کر کے اُسے اپنی رعایا کے سامنے ذلیل کرنا پڑا۔
اس معاملہ کو اتنا طول دینے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ اگر بکسر میں اُسے معافی
کا معمولی سا اشارہ کر دیا جاتا اور بنارس میں دوسری ملاقات سے انکار نہ کیا
جاتا تو اس سے کسی قسم کا نقصان بھی نہ ہوتا۔ اور چیت سنگھ تلافیٔ مافات
کرنے پر آمادہ ہو کر معقول تاوان دینے پر بھی رضامند ہو جاتا لیکن ہیسٹنگز۔
تو اعتدال پسندی اور نرمی کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ شروع ہی میں اُس کا یہ

ارادہ کہ وہ چالیس یا پچاس لاکھ روپیہ سے کم جرمانہ نہ کرے گا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے غصّے اور غرور میں اندھا ہو چکا تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ چیت سنگھ بالکل اُس کے اپنے قبضے میں ہے۔ اس لئے طاقت و اقتدار کے جذبے سے مغلوب ہو کر اُس نے اعتدال پسندی اور انصاف کے کل اصولوں کو فراموش کر کے ایک نہایت ہی خطرناک اور نازک صورتِ حالات پیدا کر دی۔ اور پچاس لاکھ کی بجائے اُس وقت تو ایک حبّہ بھی وصول نہ کر سکا۔ مورخین اُس کے اس طرز عمل کا باعث یہ بتلاتے ہیں کہ مالی پریشانیوں کی وجہ سے اُس نے ایسا کیا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ مطلق العنانی کا مہلک لالچ مالی پریشانیوں کی نسبت زیادہ غالب تھا اور اُس کے جابرانہ رویہ کا یہی ایک سبب تھا۔ جن لوگوں کو ہندوستان کی گرم آب و ہوا میں طاقت و اختیارات کے لالچوں کا تجربہ ہے۔ وہ مورخین کی نسبت ہیسٹنگز کے رویہ پر ذرا کم سختی سے تبصرہ کریں گے۔

بنارس سے ہیسٹنگز کا ارادہ لکھنؤ جانے کا تھا تاکہ نواب سے بھی معاملات کا فیصلہ کرے۔ لیکن چیت سنگھ کی بغاوت نے سب تجویزوں کو درہم برہم کر دیا۔ وہ نواب سے چنار کے مقام پر ملا۔ آصف الدولہ کمزور مزاج۔ خوش اخلاق۔ بیوقوف اور نا قابل شہزادہ تھا۔ نہ تو رعایا اس کے قابو میں تھی اور نہ سلطنت کی آمدنی۔ اور وہ کمپنی کی فوجوں کے اخراجات کی وجہ سے جو اُس نے اپنی سلطنت کی حفاظت اور قیامِ امن کے لئے اجارہ پر لے رکھی تھیں سالہا سال سے کمپنی کا مقروض چلا آتا تھا۔ پہلے پہل تو یہ فوج صرف ایک

بریگیڈ پر مشتمل تھی۔ لیکن 'مخالف عنصر' کے دورِ حکومت میں ایک اور بریگیڈ بھی اس کے لئے یورپین افسروں کی نگرانی میں تیار کی گئی۔ اس طرح ایک بریگیڈ کے خرچ کی بجائے اب اُس پر دو بریگیڈوں سے بھی زیادہ کا بوجھ پڑ گیا۔ اگر انتظام مملکت اچھا ہوتا تو وہ یہ خرچ آسانی کے ساتھ برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن آصف الدولہ خود نا قابل تھا۔ وہ سلطنت کی کل آمدنی اپنے چہیتوں پر صرف کر دیتا۔ اور کمپنی کے جو فوجی افسر اودھ میں متعین تھے اُن سے مرعوب رہا کرتا۔ یہ لوگ ہمیشہ اُس سے بڑی بے شرمی سے تحفے تحائف طلب کیا کرتے۔ بڑی کڑی شرح سود پر اُسے روپیہ قرض دیتے اور اس کے عوض وظیفے اور جاگیریں بھی بزور حاصل کر لیتے۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ " اودھ میں ہر انگریز خود مختارانہ شاہی اختیار رکھتا ہے۔ اُنہوں نے خود لاکھوں روپیہ بطور مالیانہ وصول کرنا سیکھ لیا ہے۔ اور یہ چالیں دوسروں کو بھی سکھا دیں۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ قمار بازی کی ایک ہی بیٹھک میں دو لاکھ سے زیادہ رقم کی ہار جیت ہو گئی۔"

اپنی بیوقوفیوں کے علاوہ آصف الدولہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور ہی میں 'مخالف عنصر' کے دو احمقانہ کاموں کی بدولت خود کمزور ہو گیا۔ اُنہوں نے اُسے بنارس کی زمینداری سے محروم کر دیا۔ دوسرے دربار لکھنؤ میں اُن کے نمائندے برسٹو نے جو معاہدہ بیگمات اودھ سے کیا تھا اُس پر بھی مُہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس معاہدہ کی رو سے وہ بہت بڑی جاگیروں پر بدستور قابض رہنے کے علاوہ شجاع الدولہ کے جمع کردہ خزانے کے بہت بڑے حصے کی مالک بن بیٹھی تھیں۔ آصف الدولہ اس نقصان

کی تلافی کبھی نہ کر سکا اور ۱۷۸۱ء میں اُس نے خود محسوس کیا کہ اُس کی سلطنت کے نظام میں گڑبڑ ہے۔ اور اس کی آمدنی اتنی گھٹ گئی ہے کہ اُسے ہیسٹنگز سے امداد مانگنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کو ہیسٹنگز سے بڑی توقعات تھیں کیونکہ اُس کے باپ شجاع الدولہ کو اُس کی ذات پر پورا اعتماد تھا اور جب وہ بستر مرگ پر تھا وہ اپنے بال بچوں کو وصیت کر گیا تھا کہ وہ اُس پر اعتماد کریں۔

ہیسٹنگز کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ نواب کسی نہ کسی طرح تھوڑی سی مدت میں کمپنی کا قرضہ اُتار دے۔ اسلئے اُس نے اُسے یہ ترغیب دی کہ وہ اپنا اور سرکاری اخراجات کا حساب الگ الگ کر دے۔ اپنے نجی اخراجات کی مقدار مقرر کرے۔ اور سرکاری خزانہ وزیروں کے اختیار میں دے دے جو برٹش ریذیڈنٹ کے عملی تعاون سے کام کریں اور فوج کی تعداد کم کر دے۔ نواب کی دلی خواہش تو یہ تھی کہ کمپنی ایک برگیڈ کے سوا باقی اپنی ساری فوج واپس بلالے اور اُنہیں اُن انگریزوں سے بھی نجات دلائی جائے جو برابر اُسے دق کرتے رہتے ہیں۔ اگر اُسکی خواہشات کو قبول کیا جائے تو ہیسٹنگز کو یہ ڈر تھا کہ وہ تمام انگریز جو ملازمت سے سبکدوش ہو جائیں گے اُن کی ناراضگی مول لینی پڑے گی یا اُن سب کا بوجھ بنگال کے مالی خزانہ پر پڑے گا اور اس فالتو فوج کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ بہر حال یہ درخواست معقول تھی۔ اور ہیسٹنگز نے اس میں کوئی تامل بھی نہ کیا۔ اُس نے فوراً یہ حکم دیا کہ جن افواج کی نواب کو ضرورت نہیں

وہ واپس بلا لی جائیں۔ اور اُس نے ریذیڈنٹ کو یہ ہدایت کی کہ جو انگریز ملک اودھ میں موجود ہیں اُنہیں نوٹس دے دیا جائے کہ وہ تین ماہ کے اندر اندر وہاں سے نکل جائیں۔

اِس کے علاوہ ایک اور امر پر بھی اتفاق رائے ہو گیا کہ نواب اپنا قرض ادا کرنے کی غرض سے اور اپنی مالی آمدنی میں اضافہ کرنے کی خاطر بہت سی جاگیروں پر بھی قبضہ کر لے۔ ہیسٹنگز کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ اُن جاگیروں پر قبضہ کیا جائے جو نکمے چہیتوں کو عطا کی گئی ہیں لیکن نواب اس بات پر مصر تھا کہ جو جاگیریں اُس کی ماں یعنی چھوٹی بیگم کے قبضہ میں ہیں وہ واپس لی جائیں۔ کیونکہ کمپنی نے بیگم کے بدستور قبضے پر مہر توثیق ثبت کی ہے۔ ہیسٹنگز کو تو پہلے ہی یہ غلط بخشی پسند نہ تھی۔ وہ موقع غنیمت جان کر اُن کو واپس لے لینے کی تجویز پر خوش ہوا اور کسی بہانے کی تاک میں رہا۔ بیگمات نے یہ موقع خود ہی دے دیا۔ کیونکہ عین اسی وقت اُسے یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ وہ خود یا اُن کے متوسلین چیت سنگھ کی بغاوت میں اُس کی حمایت و امداد کر رہے ہیں۔ اِس لئے وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ اگر چھوٹی بیگم کی جاگیروں کی قیمت ادا کر دی جائے تو ان کو دوبارہ حکومت کے قبضے میں دے دیا جائے۔ دو مہینے سے زیادہ عرصہ گذر گیا لیکن ریذیڈنٹ مڈلٹن کے تقاضوں کے باوجود نواب نے کسی جاگیر پر بھی قبضہ نہ کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے منظور نظر متوسلین سے دی ہوئی چیزیں واپس نہ لینا چاہتا تھا۔ اور اُن میں سے بعض نے تو مسلح آدمی نوکر رکھے ہوئے تھے۔ اور عنیطی کی

صورت میں مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ ماہ دسمبر کے شروع میں ہیسٹنگز کو اپنے مطالبہ یعنی ادائیگی قرضہ میں بالکل مستقل پا کر نواب نے مڈلٹن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مجھے شجاع الدولہ کے خزانے کے کچھ حصے پر قبضہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ اس میں سے بیگمات نے بہت کچھ خرچ کر ڈالا ہے اور کمپنی اپنی ضمانت یا کفالت کی بنا پر اس معاملہ میں دخل نہ دے۔" اس کے متعلق مڈلٹن ہیسٹنگز کو لکھتا ہے۔ "مہربان من! یہ ایک بہت ہی خوش کن تجویز ہے اور جہاں تک استحقاق کا تعلق ہے، مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ گذشتہ شورش میں بیگمات اودھ کا رویہ جیسا کہ کئی بیانات سے جو آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ایسا رہا ہے کہ وہ کمپنی کی حفاظت یا مداخلت کا حق بالکل کھو چکی ہیں۔ جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے بیگمات اودھ کو ہمارے مفاد سے نفرت ہے اور اس وجہ سے میں تو آسانی کے ساتھ اپنے ضمیر کو یہ ترغیب دے سکتا ہوں کہ میں نواب کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی بجائے اُس کی مدد کروں کہ وہ اُن سے سوائے ایک نہایت معقول گزارے کے باقی سب کچھ چھین لے۔" ہیسٹنگز کو اس وقت روپیہ کی ضرورت نے ایسا مجبور کر رکھا تھا کہ اُس کا ضمیر بھی اس کارروائی پر راضی ہو گیا اور اُس نے لکھا کہ "نواب کی بڑی جانفشانی سے حوصلہ افزائی اور امداد کی جائے کہ وہ بیگمات کے خزانے پر جس کا تصرف بے جا ہو رہا ہے قبضہ کر لے۔" اُس نے مڈلٹن کو ہدایت کی کہ وہ خود موقع پر حاضر رہے تاکہ طاقت کا غلط استعمال نہ ہو لیکن اُس نے

یہ بھی حکم دیا کہ کسی قسم کے تحمل یا نرمی اس معاملہ میں نہ برتی جائے حتیٰ کہ بیگمات صرف نواب کے رحم پر نہ رہ جائیں۔ اُن کی جاگیریں عاملوں کے قبضے میں نہ آجائیں اور اُن کی دولت اور خزانہ ایسے ہاتھوں میں نہ آجائے جن سے خیانت یا غبن ممکن نہ ہو۔"

بیگمات اودھ فیض آباد کے ایک نہایت شاندار قلعے میں رہا کرتی تھیں جو شجاع الدولہ کی مرغوب جائے رہائش تھی۔ مڈلٹن اور کمپنی کے کچھ سپاہی ساتھ لے کر نواب وہاں جا پہنچا قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بیگمات سے مطالبہ کیا کہ شجاع الدولہ کا خزانہ حوالہ کر دیں۔ اُنھوں نے سختی سے انکار کیا۔ اصل میں دوسرے لوگوں نے اس انکار کی ترغیب دی تھی۔ وہ تو تمام عمر زنانہ ہی میں رہیں۔ اُنھوں نے اس معاملہ کے متعلق اپنے متوسلین اور ملازموں ہی سے مشورہ کیا اور انہی کی صلاح پر عمل بھی کیا۔ ان میں سے دو سر برآوردہ خواجہ سرائے تھے۔ جو بیحد مکار ہونے کے علاوہ بے حد امیر بھی تھے۔ اصل میں یہی دو شخص تھے جو بیگمات کی دولت سے ہر قسم کا فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اور انہی دونوں نے نواب کے مطالبہ کی مخالفت کرنے میں بیگمات کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ نواب نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اور انہیں پا بزنجیر کر کے فاقوں رکھا۔ اس تدبیر سے اچھے نتائج نکلے اور چند ہی روز میں وہ اپنے گھروں کے خفیہ تہ خانوں میں سے پچپن لاکھ روپیہ نکال لائے۔ پھر ۱۷۸۲ء میں اُن پر ایسا ہی دباؤ ڈالنے سے پچاس لاکھ روپیہ اور برآمد ہوا۔ ان رقوم کا بہت بڑا حصہ نواب کے قرض کی ادائیگی میں کمپنی کے حوالہ کیا گیا۔

بیگماتِ اودھ کے ساتھ جو سلوک ہیسٹنگز نے کیا اُس کے متعلق تو اصل واقعات یہ ہیں۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اس معاملہ میں بیگمات پر بھی سختی کی گئی اُن کی ذات پر نہ کسی قسم کی سختی کی گئی اور نہ اُن کی شان میں کوئی گستاخی ہوئی صرف اُن کو اس بے شمار اور بے حد و حساب دولت کے ایک حصے سے محروم کر دیا گیا۔ جس پر اُن کا کوئی اخلاقی یا قانونی حق نہ تھا کیونکہ شجاع الدولہ کی مبینہ وصیت کبھی پیش نہیں کی گئی۔ یہ بات سچ ہے کہ اگر ہیسٹنگز دباؤ نہ ڈالتا تو آصف الدولہ اُن سے ایک کوڑی بھی وصول نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس معاملہ میں کوئی قابل نفرت بات بھی نہ تھی جو اس کا جائز حق دلوانے میں مانع ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ اُسی کے دباؤ نے اُنہیں یہ خزانہ اُگلنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس میں سختی کی بات کوئی نہ تھی نہ بیگمات کو ہیسٹنگز کے خلاف کوئی وجہ ناراضگی پیدا ہوئی۔ کیونکہ اُن کے قبضہ سے گو اُن کا نصف خزانہ جاتا رہا، اُن کے پاس اب بھی دس لاکھ پاؤنڈ کے قریب نقد موجود تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ہیسٹنگز شجاع الدولہ مرحوم کا قابل اعتماد دوست تھا ان سب باتوں سے وہ ان تعلقات کو قیمتی سمجھتی تھیں۔ اور اس دوستی کی وجہ سے اُنہیں ہیسٹنگز کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ اُسے خاندان کا خیرخواہ اور کمزور مزاج اور بیوقوف آصف الدولہ کا معاون و محافظ سمجھتی تھیں۔ جب ہیسٹنگز پر مقدمہ قائم ہوا تو اُنہوں نے اُسے ہمدردی اور شکر گزاری کے خطوط لکھے۔

خواجہ سراؤں سے جو نا واجب سلوک ہوا اور اُن پر جو سختی ہوئی اُسکی

پہلی ذمہ داری خود نواب پر عاید ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسی کے حکم کے مطابق اُنہیں پابہ زنجیر کرکے قید کیا گیا اور اُن کی خوراک میں کمی کی گئی۔ لیکن یہ سب کچھ ہیسٹنگز کے دباؤ کی وجہ سے ہوا جس نے یہ ہدایت کی تھی کہ نرمی اور کسی قسم کی گفت و شنید ہرگز نہ کی جائے۔ اس لئے ہیسٹنگز کسی حد تک اس کارروائی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا جو ان خواجہ سراؤں کے خلاف کی گئی۔ ہندوستان میں اُس وقت کے معیار کے مطابق اسی قسم کی کارروائیاں روزمرہ کا معمول تھیں موجودہ یورپ کے معیار کے مطابق معمول سے بھی زیادہ نرم تھیں۔ البتہ مہذب حکومت کے معیار کے مطابق قابل اعتراض تھیں لیکن یہ خواجہ سرائے زیادہ ہمدردی کے مستحق نہیں۔ اُنہیں اس دولت سے بہرہ اندوز ہونے کا کوئی حق حاصل نہ تھا جسے وہ چھپائے بیٹھے تھے اور جو سختی اور تکلیف اُنہیں جھیلنی پڑی وہ اُن کی اپنی کنجوسی کے جذبات کا ثمرہ تھا۔ جو بلا جبر و اکراہ ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہ تھے۔ انگلستان میں اصلی معنوں میں کنجوس اب نابود ہیں۔ لیکن ہندوستان کے شہروں میں اب بھی ایسے کنجوسوں کی کمی نہیں۔ بیش بہا دولت کے مالک بدبودار چیتھڑوں سے بدن ڈھانکے اپنی فلاکت اور ناداری کا رونا روتے ہوئے ایک روپیہ کے نقصان کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اُن کے خون کا آخری قطرہ ہے جو جاتا رہا اور خفیہ طور پر وہ سونے چاندی اور روپوں کے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں۔ یہ خواجہ سرائے اسی قسم کے لوگ تھے۔ وہ اپنی دولت سے ہر خفیہ اور فریب آمیز حیلے بہانے سے چپٹے رہے۔ کبھی آنسو بہاتے کبھی اپنے گھر کے برتن فروخت

کرتے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اُن کے پلے کچھ بھی نہیں رہا۔ اور خدا کو گواہ کر کے کہا کرتے تھے کہ اُن کو اپنی بقیہ عمر کا زمانہ فلاکت اور مفلسی میں گذارنا پڑے گا۔ بیس برس بعد اُن میں سے ایک ابھی زندہ تھا جس نے لارڈ ویلزلی سے ملاقات کی۔ اُس وقت وہ اچھا موٹا تازہ اور تندرست تھا اور عام خیال یہ تھا کہ وہ کم از کم پچاس لاکھ روپے کی آسامی ہے۔

شاید بڑے سے بڑا الزام جو اس لین دین میں ہیسٹنگز پر عاید کیا جا سکتا ہے وہ بد عہدی کا ہے۔ کمپنی نے بیگمات اودھ کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ اپنی جاگیروں اور خزانوں پر بدستور قابض رہیں گی۔ ہیسٹنگز نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ ایسا کرنے کے لئے وہ بناوٹی عذرات پیش کر سکتا تھا۔ اُس وقت کی اطلاعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنارس کی شورش کے فوراً بعد ہی بیگمات اودھ یا اُن کے کارندوں نے چیت سنگھ کے معاملہ کی عملی طرفداری کی۔ اُس کی مدد کے لئے فیض آباد سے مسلح سپاہی بھیجے۔ اور سپاہیوں کی دور افتادہ ٹولیوں پر حملہ بھی کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہیسٹنگز نے ان اطلاعات پر مبالغہ آمیزی سے یقین کیا۔ مگر یہ اطلاعات بالکل صحیح تھیں۔ اور بے بنیاد نہ تھیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی شاید سچ ہو کہ بیگمات کو اُن انگریز افسروں کے شرمناک رویہ سے نفرت پیدا ہو گئی تھی جو اودھ میں مقیم تھے۔ ہیسٹنگز کے اپنے قول کے مطابق "لکھنؤ ناانصافیوں کا مرکز تھا۔ اور لوٹ کھسوٹ کے طریقے سکھانے کا مدرسہ"۔ خیر اسباب کچھ بھی ہوں ہیسٹنگز کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے اچھا خاصہ بہانہ

مل گیا اور اُس کی سخت مجبوریوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُس نے اِن حالات میں جو کچھ بھی کیا ٹھیک کیا۔

اسی زمانے میں اودھ کے کاروبار میں ہیسٹنگز کے طرزِ عمل کا ایک اور واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کیونکہ اُس سے مالی لین دین کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے۔ جب نواب آصف الدولہ اُس سے ملاقات کرنے کی غرض سے چنار آیا اُس نے اُسے دس لاکھ روپیہ نذر کیا ہیسٹنگز نے یہ رقم قبول کر کے کمپنی کے خزانے میں داخل کر دی۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ یہ رقم ہیسٹنگز کو بطور رشوت دی گئی تھی۔ اُسے یہ توقع تھی کہ اس رقم کے ادا کر دینے سے وہ اپنی ماں اور نانی کو خزانوں سے محروم ہونے کی تکلیف سے بچا لے گا۔ جن پر قبضہ کرنے کے لئے اُسے محض اِس لئے مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ کمپنی کا قرضہ بیباق کرے۔ نواب کی نیت کی یہ وضاحت نہایت ہی غیر منصفانہ اور احمقانہ معلوم ہوتی ہے۔ آصف الدولہ یقیناً ہیسٹنگز کو خوش اور راضی کرنا چاہتا تھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی وہ اُس کا دل سے ادب اور لحاظ بھی کرتا تھا کیونکہ وہ اُس کے باپ کا دوست تھا دس لاکھ روپیہ کا نذرانہ ایسے وقت میں دیا گیا جب وہ بنارس سے بچ کر نکلا تھا اور اُسے روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ نذرانہ دینے کی خواہش یقیناً ہندوستانی فطرت کے اندرونی سچے جذبات اور کشادہ دلی کا نتیجہ تھی۔ اور ایسی خواہش کے مقابلہ میں عوضانہ کی توقع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ بات وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ نواب آصف الدولہ نے یہ نذر پیش

کر کے کبھی یہ اُمید رکھی ہو کہ ہیسٹنگز اُس کے مقابلہ میں کمپنی کا سارا واجب الادا قرض یک قلم معاف کر دے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ توقع رکھ سکتا تھا کہ جن فوجوں کے اخراجات کا بوجھ اُس پر ڈالا جارہا ہے اُس کی تعداد میں وہ مناسب تخفیف کر دے اور انگریز منچلوں کو جو اودھ میں آگھُسے تھے وہاں سے نکال دینے میں مدد دے۔ سو یہ اُمید پوری کر دی گئی۔

موجودہ زمانہ کے خیالات کے مطابق ہیسٹنگز کا یہ نذرانہ ایک ایسے حکمران سے قبول کر لینا جو پہلے ہی کمپنی کا بُری طرح مقروض تھا شاید قابل اعتراض سمجھا جائے اور شاید اس کے جواز کی یہی ایک وجہ قابل پذیرائی ہو کہ اس وقت ہیسٹنگز غیر معمولی مشکلات میں پھنسا ہوا تھا اور زمانے کی اخلاقی حالت حد درجہ پست ہو چکی تھی۔ لیکن بعینہٖ اس مثال کا اعادہ ہمارے اپنے زمانے میں بھی ہو چکا ہے۔ موجودہ صدی کی دو بڑی جنگوں میں خود گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں نے ایسے عطیات کے قبول کرنے میں ذرا سا تامل بھی نہیں کیا جو چندے کے طور پر لوگوں نے اُن کے جاری کئے ہوئے فنڈوں میں اُن کو اصالتاً پیش کئے یا بھیجے۔ بعض صورتوں میں تو دینے والوں کی نیتیں آصف الدولہ کی خواہش کی نسبت تو بیہودہ طور پر خود غرضانہ ہوا کرتی تھیں۔ اور اُس پر طرّہ یہ کہ ایسے لوگوں کی مالی مشکلات نواب کی مشکلات کے مقابلہ میں کچھ کم تشویشناک نہ ہوتی تھیں۔ اس مثال سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بددیانتی کے اُن طور طریقوں کا کچھ نشان اب تک باقی ہے۔ جنہیں اُس زمانے میں ہیسٹنگز جائز سمجھا کرتا تھا۔

آج کل کے زمانے کے معیار کے لحاظ سے ہیسٹنگز نے یہ غیر معمولی

اور نامناسب درخواست بھی ڈائرکٹروں سے کی کہ اُسے یہ روپیہ اپنے استعمال کے لئے رکھ لینے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن اُنہوں نے اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ لیکن اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ طریق عمل اُس وقت کے دستور کے مطابق جائز سمجھا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں غیر معمولی خدمات کا معاوضہ نقدی کی صورت میں دیا جاتا تھا اور ہیسٹنگز نے تیس سال کے عرصہ میں فی الحقیقت غیر معمولی خدمات انجام دی تھیں۔ کلائیو کو جو بے شمار تحفے تحائف یا نذرانے وغیرہ ملا کرتے تھے وہ بلاتردد ہڑپ کر جایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ میری خدمات کا معاوضہ ہے۔ یہاں تک کہ برسٹو کو جو بحیثیت افسر کسی بڑے درجے کا آدمی نہ تھا اُس کی سفارش پر ایک لاکھ روپیہ بطور انعام منظور ہوا کہ اُس نے لکھنؤ میں بحیثیت ریذیڈنٹ اچھا کام کیا ہے۔ حالانکہ اس کام کے متعلق یہ امر مشکوک ہے کہ اُس سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں۔ ان مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہیسٹنگز کو یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ کمپنی سے حسن خدمات کے صلہ میں کوئی نمایاں یا امتیازی اعزاز طلب کرنا چاہیے لیکن ڈائرکٹروں کا خیال مختلف تھا۔ وہ بحیثیت گورنر جنرل پچیس ہزار پاؤنڈ سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے جائز طور پر اُن تمام عطیات و تحائف کی تفصیل مانگی جو اُسے وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے رہے اور یہ بھی دریافت کیا کہ وہ کیسے خرچ ہوئے۔ ان تحائف کی مجموعی تعداد کوئی تیس لاکھ روپے کے قریب تھی۔ ڈائرکٹروں نے اس قسم کے لین دین کی جائز طور پر مذمت کی۔ اگر اُسے اس روپیہ میں سے کسی رقم کے رکھ لینے کی اجازت دے دی جاتی تو یہ ایک مہلک مثال بن جاتی۔

ہیسٹنگز اس بات سے قدرے ناخوش ہوا، اور اس کے وقار کو صدمہ پہنچا کہ جو فوائد دوسروں کو حاصل ہیں اُن سے اُسے محروم کیا جاتا ہے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے غالباً کلائو پر حملہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا۔ "میرے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا اعزاز نہیں بڑھایا گیا۔ نہ مجھے کوئی دولت یا جاگیر بخشی گئی نہ میری چھاتی پر کوئی تمغے یا اعزاز لگے۔" وہ بڑے اطمینان سے یہ بھی لکھتا ہے کہ "میں نے اپنے ڈاکٹر اور نجی پادری کو بھی (جو سرکاری طور پر ملے ہوئے تھے) علیحدہ کر دیا ہے۔ میری جسمانی صحت اور میرے مذہب کے اخراجات کا کوئی بوجھ کمپنی کے ذمّہ نہیں ہے۔ اس قسم کے امتیاز اور اعزاز دوسروں کے لئے ہیں۔ اور مجھے ان سے کوئی رشک نہیں۔"

سولھواں باب

بنگال کے آخری سال

جب ہیسٹنگز بنارس گیا ہوا تھا۔ اُس کی عدم موجودگی میں ایک اور کونسلر جان میکفرسن ولایت سے کلکتہ پہنچا اور وہیلر کے ساتھ اجلاس میں شریک ہوتا رہا۔ وہ خوش شکل، خوش مزاج، منافق، قسم کا دھوکہ باز آدمی تھا۔ یہ شخص اوّل اوّل جہاز کے ساز و سامان کا نگہبان افسر مقرر ہوکر پہنچا تھا۔ آہستہ آہستہ نواب کرناٹک سے گہرے تعلقات پیدا کر لئے اور پھر اس نے کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی۔ ہیسٹنگز مدراس ہی میں اس سے واقف ہوا تھا، اور وہاں اس سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اُس وقت وہ ڈوپرے گورنر مدراس کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ لیکن نواب محمد علی کے معاملات سے اُس کا گہرا تعلق برابر قائم رہا۔ اور اسی طرح پال بنیفیلڈ سے جو شرمناک قرضوں کا چیف منیجر تھا اُس کی پانچوں گھی میں تھیں۔ لارڈ پگٹ گورنر مدراس نے ان سٹہ بازوں کی ٹولی کی مخالفت کی۔ اور اسے موقوف کر دیا۔ لیکن چونکہ عام طور پر اس میں ایک خاص کشش تھی۔ محمد علی

بچارے کا خون چوس چوس کر اس نے بے اندازہ روپیہ جمع کر لیا تھا۔ اور بینفیلڈ کے ہم خیال جتھے کی اُسے پوری پوری تائید حاصل تھی۔ اس لئے اُس نے انگلستان میں اچھا خاصہ رسوخ پیدا کر لیا۔

ہیسٹنگز کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا۔ کثرت رائے رکھنے والے اراکین کو شکست ہو چکی تھی اور لارڈ نارتھ نے جنگ امریکہ کی پیچیدگیوں کی وجہ سے اُسے اجازت دے دی تھی کہ وہ بطور گورنر جنرل برابر کام کرتا رہے۔ اس نے بڑی پابندی کے ساتھ اپنے پُرانے مدراسی دوست ہیسٹنگز کے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے اُس سے خط و کتابت شروع کر دی اور بڑی بڑی شاندار خیالی تصویریں کھینچ کر اُسے دکھائیں۔ کہ انگلستان میں مَیں تمہارے واسطے یہ کرتا رہا اور وہ کرتا رہا۔ اور بینفیلڈ کے بددیانت طرز عمل کی بدولت پارلیمنٹ اور ڈائرکٹروں کی خوشنودی مول لے لینے میں وہ کامیاب ہو گیا اور یہ بات ہیسٹنگز کے لئے ہر طرح ممد و معاون ثابت ہوگی۔ غرضیکہ اُس نے خوب سبز باغ دکھائے۔ اس طرح اپنے آپ کو ہیسٹنگز کا دوست جتا کر اس نے لارڈ نارتھ اور ڈائرکٹروں پر یہ نمائشی اثر ڈال دیا کہ واقعی وہ بارول کے آ جانے کے بعد اُس کا بہترین جانشین ثابت ہوگا۔ اُس وقت کی حکمت عملی یہ تھی کہ ہیسٹنگز کے ہاتھ زیادہ مضبوط کئے جائیں۔ بھلا اُس کے پُرانے دوست میکفرسن سے بڑھ کر اور کون زیادہ مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ ہیسٹنگز کے حامیوں اور خود سلیوان کو جو ڈائرکٹروں کی مجلس عاملہ کے رکن تھے یہ تجویز بہت اچھی معلوم ہوئی اور لارڈ نارتھ نے بھی اسے پسند کیا۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر بیہودہ اور

شرمناک تقرری ممکن ہی نہ تھی اور نہ وہم و گمان میں آسکتی تھی۔ میکفرسن سٹہ باز تھا۔ اُس کا مفاد اور دلچسپی یہ تھی کہ مالی لین دین میں انتہائی بے ایمانی کرے۔ رشوت ستانی کو فروغ دے اور اپنے لئے بے شمار تحفے تحائف اور نذرانے جمع کرے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ وہ کمپنی کی ملازمت کی قبیح ترین روایات کو ازسرنو تازہ کرنے کے لئے بدترین عیاری اور چالاکی کا مالک تھا۔

ہیسٹنگز پہلے پہل اس نئے مصاحب کے آجانے سے نہ صرف مطمئن بلکہ خوش ہوا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ میرے دماغ میں پہلے پہل ایسا القا تو بار بار ہوا جس سے مجھے میکفرسن کی فطرت کی برہنگی نظر آگئی۔ لیکن میں نے یا تو اس تنبیہ کو محض فریب فہم سمجھا یا اسے شک و شبہ سمجھتے ہوئے اسی دھوکے میں رہنا پسند کیا۔ میکفرسن نے چیت سنگھ اور نواب اودھ کے معاملہ میں ہیسٹنگز کی بڑے زور شور سے تائید و حمایت کی اور اس کے فیصلوں کو سراہا اور ہیسٹنگز بھی اس سے بے حد خوش ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ "جس حمایت و تائید کی مجھے توقع تھی میں اُس میں پاتا ہوں اُس کی کشادہ دلی اور خوش خلقی میری توقعات سے کہیں زیادہ ہے اور مجھے اس کا پہلے کچھ علم نہ تھا۔"

۱۷۸۲ء میں پورا سال بھر یہ موافقت قائم رہی۔ سال کے اختتام پر فرانسس کا جانشین جان سٹیبلز جو ہیسٹنگز کا دوست سمجھا جاتا تھا کلکتہ میں پہنچا اور اُس نے بھی بطور رکن اپنی نشست حاصل کرلی۔ یہ شخص اکھڑ مزاج اور خاموش طبیعت تھا۔ اُس نے آتے ہی زیادہ خوش کن کام یہ شروع کیا

کرا اپنے رشتہ داروں کی مدد کرنی شروع کر دی۔ ایک مہینے کے اندر اندر اُس نے دو رشتہ داروں کو اچھے خاصے عہدے دلوا دیئے۔ میکفرسن نے بھی اپنے دوستوں کو منفعت بخش عہدوں پر مقرر کرایا۔

بنگال کونسل میں یہ موافقت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی۔ انگلستان میں واقعات نے پلٹا کھایا۔ ہیسٹنگز پہلے ہی بھانپ گیا تھا کہ فرانسس انگلستان پہنچتے ہی اُس کے خلاف تہمت و الزامات کی مہم جاری کر دے گا۔ اس کے رَدِّ عمل کے لئے اس نے ۱۷۸۱ء میں ایک گماشتے میجر سکاٹ کو انگلستان روانہ کیا اور اُسے برابر وہ ضروری مسالہ بھیجتا رہا جس سے فرانسس کے عاید کردہ شرمناک الزامات کی بخوبی تردید ہو سکے۔ سکاٹ بے حد مستقل مزاج سرگرم بلکہ گرما گرم کام کرنے والا شخص تھا لیکن کچھ بیوقوف بھی تھا۔ اُسے بھی نفرت و حقارت نے سکاٹ جیسا اُلّو ٹھک آدمی بنا دیا تھا۔ ڈائرکٹروں یا وزیروں نے تو فرانسس کی دلیشہ دوانیوں میں کوئی دلچسپی نہ لی لیکن برک اور کمپنی کے دوسرے دشمنوں نے گرم جوشی سے اُس کی آؤ بھگت کی۔ بڑے استقلال سے اُس نے اُن میں اپنا زہر پھیلانا شروع کیا اور ۱۷۸۲ء کے موسم بہار میں دار العوام کی دو کمیٹیاں ہندوستانی معاملات کی جانچ پڑتال کرنے کے لئے قائم ہو گئیں۔ فرانسس نے بغض و عناد سے بھری ہوئی شکایات خوب بہم پہنچائیں۔ اُنہوں نے رپورٹیں تیار کیں جس میں ہیسٹنگز کی ذات اور رویہ پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی اور ماہ مئی میں ڈانڈاس کی تحریک پر ایک قرارداد منظور ہوئی۔ جس کی رُو سے ہیسٹنگز کو ملامت کی گئی کہ اُس نے

متعدد موقعوں پر ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جو قوم کی عزت اور حکمتِ عملی کے خلاف تھا اور ڈائرکٹروں کو حکم دیا کہ وہ اُسے گورنر جنرل کے عہدے سے علیحدہ کر دیں۔

اس واقعہ سے چند ہفتے پہلے لارڈ نارتھ اپنا اقتدار کھو بیٹھا تھا۔ مارکوئیس راکنگھم نئے وزیر اعظم کے کابینہ میں ہیسٹنگز کے کئی دوست تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اُس کے حق میں کوئی کوشش نہ کی۔ دارالعوام میں گورنمنٹ کے حامی ناکس اور برک موجود تھے جو ہیسٹنگز کے مانے ہوئے دشمن تھے کمپنی کے نئے انتخاب میں نئے ڈائرکٹر بھی کچھ ایسے آگئے جو اس کے خلاف ہی تھے۔ اور دارالعوام کی قرارداد پر عمل درآمد کرنے کو تیار تھے۔ اس موقع پر ایک دفعہ پھر مالکان کمپنی کی مجلس عاملہ نے اُس کی مدد کی۔ بڑی بھاری کثرت رائے کے ساتھ اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہماری مرضی کے بغیر ہیسٹنگز کو علیحدہ نہ کیا جائے۔

وہ بچ تو گیا لیکن اُسکی حالت زیادہ خطرناک ہوگئی۔ زیادہ کمزوری کی وجہ یہ تھی کہ اُسے انگلستان کے کسی سیاسی فریق کی بھی مستعد حمایت حاصل نہ تھی۔ مالکانِ کمپنی اُس کی شاید زبردست تائید کرتے لیکن اب جنگ ختم ہو جانے کے باعث کسی وزارت کو بھی خواہ وہ 'وِگ' ہوں یا 'ٹوری' یا 'اتحادی' ہیسٹنگز کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ وہ کمپنی کا ملازم تھا نہ اُسے ووٹ حاصل تھے نہ اُس کا کوئی سیاسی اثر تھا۔ اور پھر اُس کا نمایندہ سکاٹ ایسا آدمی تھا جو خدائی فوجدار کی طرح ہر ایک کو اپنے جا و بے جا اصرار سے اُکتا دیا

کرتا تھا۔ راکنگھم فوت ہوگیا اور لارڈ شیلبورن وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اُس نے فاکس اور نارتھ اور چھوٹے پٹ کو اپنے ساتھ ملا کر اتحادی وزارت بنائی۔ یہ سب کے سب ہندوستان کی سرپرستی کے حامی تھے اور اُن میں سے بعض تو اس خیال سے دلچسپی کا اظہار کرتے تھے کہ حکومتِ ہندوستان کی اصلاح کی جائے لیکن اُن میں سے کوئی بھی ہیسٹنگز کے معاملات میں دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ تو اُن کے رستے میں خود رُکاوٹ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ کوئی اپنا چیدہ آدمی اُس کی جگہ بھیجیں۔ تاکہ ہندوستان کے معاملات کے متعلق وہ اپنی مرضی کے مطابق انتظام کر سکیں۔ جب میجر سکاٹ نے اُنہیں دق کرنا شروع کیا کہ وہ ہیسٹنگز کے خلاف قرارداد ملامت کو واپس لیں اور اُس کے مقابلہ میں تصدیقی قرارداد منظور کریں تو وہ خوش اخلاقی سے وعدہ کرتے ہوئے ٹال مٹول کرتے رہے اور کچھ کر کے نہ دیا۔ اس اثنا میں فرانسس برابر اُن کو تہمت زنی اور افترا پردازی کی داستانیں سناتا رہا۔ چیت سنگھ کے ساتھ بُرا سلوک اور بیگمات اودھ کی لوٹ کھسوٹ کے واقعات سے اُسے غلط بیانی کرنے کے لئے تازہ مسالہ مل چکا تھا۔

سنہ ۱۷۸۳ء کے شروع میں میکفرسن کو کلکتہ میں یہ ظاہر ہوگیا کہ ہیسٹنگز کی غلامانہ پیروی سے اُسے کچھ نفع نہ ہوگا۔ انگلستان کے دوستوں نے بھی اُسے یہی مشورہ دیا کہ وہ 'زوال پذیر مفاد' سے اپنا تعلق نہ رکھے۔ بنارس کے واقعہ کے متعلق اُس نے جو ہیسٹنگز کے رویہ کی تعریف کی تھی اُسے ناعاقبت اندیشی پر محمول کیا جانے لگا۔ کیونکہ ڈائرکٹروں نے چیت سنگھ کی گرفتاری کو

"غیر قانونی اور حد سے زیادہ خلاف مصلحت" قرار دیا تھا۔ اور انہوں نے یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ اُس کو اپنی زمینداری پر بحال کر دینگے۔

ہیسٹنگز نے بڑے زور شور سے احتجاج کیا۔ مارچ ۱۷۸۳ء میں اُس نے ڈائرکٹروں کو ایک طویل خط لکھا جس میں اُس نے بتایا کہ آپ نے اپنے علانیہ اظہارِ ناراضگی اور چیت سنگھ کی طرفداری سے میرے رسوخ و وقار کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور میرے ساتھیوں کو یہ کھُلی دعوت دی ہے کہ مجلس عاملہ میں وہ میری حمایت کرنا چھوڑ دیں۔ چیت سنگھ کو دُنیا کے اس حصے میں ہر جگہ اپنے جرائم کا سزاوار سمجھا جاتا ہے۔ وہ آپ کے ملازموں اور سپاہیوں کا قاتل ہے اور آپ کی حکومت کا باغی۔ مجھے آپ کی جانب سے تائید اور حوصلہ افزائی کے بدلے ہمیشہ ملامت جلے بھُنے فقرے اور ہتک آمیز سلوک حاصل ہوتا رہا ہے۔ اگر اب بھی آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تو میں اپنی جگہ کسی دوسرے آدمی کے لئے خالی کرنے کو تیار ہوں میں آپ کے لئے کچھ بوجھ سا ہو گیا ہوں۔ مَیں آپ کو فوراً اس بوجھ سے سبکدوش کر دیتا اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ میری اچانک علیحدگی سے بے حد بُرے نتائج پیدا ہوں گے۔" اُس نے قاعدے کے مطابق اپنے مستعفی ہونے کا ارادہ ظاہر کر دیا اور یہ بھی درخواست کی کہ اُس کا جانشین مقرر کر دیا جائے۔ اُس نے اُنہیں یہ دھمکی بھی دی کہ "اگر آپ نے چیت سنگھ کو بحال کر دیا تو میں فوراً اپنا عہدہ اور مقام سکونت چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

اِس دھمکی کا اثر ضرور ہوا۔ چیت سنگھ کو بحال نہ کیا گیا۔ لیکن ہیسٹنگز کا

جانشین مقرر کرنے میں دیر لگ گئی اور اُسے برابر دو سال تک بنگال ہی میں بدستور رہنا پڑا۔ اس دو برس کے عرصہ میں کوئی خاص مقصد حاصل نہ ہُوا اور اکثر اوقات مجلس عاملہ کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے کاروبار میں بھی رکاوٹ پیدا ہوتی رہی۔ سٹیبلز اور میکفرسن کی پیہم مخالفت کی وجہ سے اُسے اپنے پُرانے دشمنوں کو یاد کر کے افسوس ہُوا کرتا۔ وہ میجر سکاٹ کو مشہور ڈرامہ "کنگ لیر" کے چند اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "میں جنرل کلیورنگ کو اُن تمام نقصانات کے عوض جو اُس نے مجھے پہنچائے دل سے معاف کرتا ہوں۔ وہ میرا مانا ہُوا دشمن تھا۔ یہ لوگ میرے عزیز دوست ہیں۔ جن کے متعلق مسٹر سلیوان نے مجھے یقین دلایا تھا کہ "ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے لیکن وہ میرا ساتھ نہ چھوڑیں گے"۔ لیکن میکفرسن اور سٹیبلز کو اب یقین ہو چکا تھا کہ ہیسٹنگز کا طویل دورِ حکومت اب عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ اس سے گہرا تعلق قائم رکھنے کو اب تیار نہ تھے۔ اب ایسا وقت آ گیا تھا کہ وہ کچھ خود مختاری سے کام لیں اور اُن تدابیر یا تجاویز کی حمایت و تائید نہ کریں جو انگلستان والوں کی ناپسندیدگی یا ناراضگی کا موجب ہو۔ ہیسٹنگز قدرتی طور پر اس طرزِ عمل سے خفا ہوتا تھا۔ ۱۷۸۰ء سے اب تک یعنی فرانسس کی روانگی کے بعد ہی سے وہ بڑی آزادی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس دو سال کے عرصہ میں اُس کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہیلر اور اُس کے بعد میکفرسن بھی اُسی کے جذبات کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ اب وہ مخالفت برداشت نہیں کر سکتا تھا اور

معمولی سی مخالفت پر وہ خفا ہو جایا کرتا تھا۔ اُسے ہمیشہ یقین ہوتا تھا کہ میری رائے ہی درست ہے اور وہ دوسروں کی رائے پر چلنا یا اپنی رائے تبدیل کرنے کے لئے کبھی رضامند نہ ہوتا تھا۔ اب وہ ہیسٹنگز ہی نہ رہا تھا جو دس سال پہلے اپنے تدبّر اور معاملہ فہمی کی بدولت مجلس عاملہ کی اتفاق رائے کے ساتھ اپنی مجوزہ تخفیف اور اصلاحات کے منصوبوں کو منظور کرا کے عملی جامہ پہنا سکا۔ وہ بے حد چڑچڑا اور بدمزاج ہو گیا اور اُس کی صحت خراب ہو گئی جیسا کہ وہ کئی بار خود بھی تسلیم کرتا ہے۔ میجر سکاٹ کو لکھتا ہے کہ "پیارے سکاٹ! مجھ میں پہلی سی بردباری اور مستقل مزاجی نہیں رہی۔ جس کی بدولت مجھے کلیورنگ اور اُس کے ہجولیوں پر کامیابی حاصل ہوا کرتی تھی۔ پچھلے سال کی علالت کی وجہ سے مجھ میں ایک عام کمزوری پیدا ہو گئی ہے جو دُور نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ میں سرد آب و ہوا میں رہ کر اسے دُور کرنے کی کوشش نہ کروں۔"

بچارے وہیلر کو اس بحث مباحثہ اور ہنگامہ آرائی سے سخت نفرت تھی۔ ایک طرف تو سٹیبلز اور میکفرسن اُسے دھمکاتے رہتے تھے اور دوسری جانب ہیسٹنگز کی قدر و منزلت کے قائم رکھنے کے لئے وفاداری اور شکرگذاری کا جذبہ اُسے مجبور کرتا تھا۔ کیونکہ ہیسٹنگز نے اُس کے تمام دوستوں کو بڑی اچھی اچھی جگہیں دی تھیں۔ اُس کی انتہائی کوشش یہی ہُوا کرتی تھی کہ صلح قائم رہے۔ اس لئے اُس نے میانہ روی کے اصول کو قائم رکھا۔ اور وہ اس جھگڑے میں بُرا آدمی ثابت نہ ہُوا۔

مدراس میں لارڈ میکارٹنی کے رویہ نے ہیسٹنگز اور اُس کی مجلس عاملہ کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا۔ میکارٹنی نے ہیسٹنگز کو اس وجہ سے بیحد ناراض کیا کہ اُس نے بغیر کسی قسم کی احتیاط برتنے کے ٹیپو سلطان سے صلح کر لینے کا اعلان کر دیا۔ اور مرہٹوں اور سلبئی کے عہد نامہ کا خیال کئے بغیر ناجائز طور پر صلح کی گفت و شنید شروع کر دی۔ لیکن غالباً اس سے بڑھی ہوئی گستاخی اُس نے یہ کی کہ نواب کرناٹک کے خلاف بھی تحکمانہ سلوک شروع کر دیا۔ حیدر علی سے جنگ شروع ہونے کے بعد ہی نواب نے تا اختتام جنگ اس بات کو منظور کر لیا تھا کہ کرناٹک کی مالیات کا انتظام کمپنی اپنے ہاتھ میں لے لے۔ شرط یہ ہوئی کہ اُس کے شاہی اختیارات میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور کلکٹروں اور دوسرے تمام عہدہ داروں کی تقرریاں اُس کی منظوری اور اُس کے نام پر کی جائیں گی۔ چند مہینوں تک تو یہ انتظام قائم رہا مگر جب کلکٹروں کی دو آسامیوں کے متعلق لارڈ میکارٹنی کی نامزدگیوں پر نواب نے اعتراض کیا۔ میکارٹنی نے شرائط معاہدہ کو بالائے طاق رکھتے ہوتے اپنے جرنیلی حکم سے اُنہیں مقرر کر دیا۔ نواب نے حکومت بنگال سے اپیل کی جنہوں نے لارڈ میکارٹنی کو تنبیہ کی کہ معاہدہ کی شرط ٹوٹ جانے کی وجہ سے خود معاہدہ ہی قائم نہیں رہا اور اُسے حکم دیا کہ وہ مالیات کا سارا کام نواب کے حوالہ کر دے۔ میکارٹنی نے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ ہیسٹنگز نے خود تو تجویز نہ کی لیکن وہ چاہتا تھا کہ اُسے معطل کر دے۔ لیکن اس معاملہ پر اُس کی مجلس عاملہ نے اتفاق رائے کرنے سے انکار کر دیا۔

میکارٹنی کے انگلستان میں بڑے زبردست اور طاقتور دوست تھے۔ اور اُسے وارن ہیسٹنگز کے بعد گورنر جنرل بن جانے کی قوی اُمید تھی میکفرسن سٹیلز۔ وہیلر سب کی یہی صلاح تھی کہ اس معاملہ میں کچھ بھی نہ کیا جائے ایسا نہ ہو کہ یہ بات اُس کی ناراضگی کے علاوہ انگلستان والے دوستوں کی ناراضگی کا بھی موجب ہو۔ ہیسٹنگز نے اُن کی آبرو اور اقتدار کا واسطہ دیتے ہوئے بہتیرا سر مارا لیکن بے سُود۔ میکارٹنی اس دیدہ دلیری اور معدول حکمی کے باوجود صاف بچ نکلا۔

حقیقت یہ ہے کہ میکارٹنی کا طرزِ عمل کچھ غیر منصفانہ بھی نہ تھا۔ شاید نواب کو قابو میں لانے کے لئے اُس نے مصلحت اندیشی سے کام لیا ہو لیکن اُس کا مقصد ضرور قابلِ تعریف تھا۔ اُس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مالیات کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر بنیفیلڈ کے بدنام گروہ کی بداعمالیوں کی روک تھام کرے جو اب تمام کرناٹک میں چھا گئے تھے۔ اور اپنے ہیبت ناک سُود اور منافعہ کی وصولی کی وجہ سے اُنہوں نے تمام ذرائع آمد کو بند کر رکھا تھا۔ محمد علی تو اُن کے ہاتھوں گرد ہو چکا تھا۔ اور اُس نے جو میکارٹنی کے احکام میں کچھ پس و پیش کی تو یہ بھی یقیناً اُسی شرارت پسند طبقہ کی انگیخت پر ہُوا ہوگا۔

اس امر کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا ہیسٹنگز کو ان باتوں کا علم تھا یا نہیں۔ اور اگر علم تھا تو کیا وہ بنیفیلڈ گروہ کے اثر میں آ گیا جس نے انگلستان میں اُس کی تائید و حمایت کی تھی۔ جو بات واضح ہے

وہ یہ ہے کہ میکارٹنی نے ہیسٹنگز کے دو بنیادی اصولوں کی سرتابی کی یعنی اُس نے ایک باضابطہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور دوسرے ایک بااختیار شہزادے کے اختیارات پر دست بُرد کی۔ محمد علی ابھی تک ایک بااختیار شہزادہ تھا۔ اور ہیسٹنگز نے اُس کے حقوق کی بڑے زور شور سے حفاظت کی۔ جیسا کہ بیس برس قبل اُس نے میر قاسم کی حمایت کی تھی۔ حقیقت میں محمد علی جیسا کہ برک نے بیان کیا ہے "ایک سایہ۔ ایک خواب اور ظلم و تعدی کا ایک خواب پریشان تھا۔" اُس کی نمائشی بادشاہی کے سایہ میں اُس کے اور اُس کے قرض خواہوں کے درمیان ایک فریب آمیز سازش پوشیدہ تھی جس کے ذریعہ کرناٹک کے بدبخت باشندے شکار ہو رہے تھے۔" یہ وہ خفیہ طریقہ تھا جو نجی طور پر" لوٹ کھسوٹ اور تغلب" کا پردہ بنا ہوا تھا۔ جس سے ہیسٹنگز کو سخت نفرت تھی۔ اس لئے میکارٹنی اس طرز عمل کی بیخ کنی کرنے میں ٹھیک اُسی طرح حق بجانب تھا جس طرح ۱۷۷۲ء میں ہیسٹنگز خود بنگال کی توابی ختم کرنے میں تھا۔ ہیسٹنگز شاید اس معاملہ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ نہ سکا۔ اور میکارٹنی نے بھی مزید معاہدہ کی شرائط کو توڑا۔

بدقسمت اودھ کے معاملات بھی ہیسٹنگز اور اُس کی مجلس عاملہ کے درمیان اختلاف کا باعث ہوئے۔ چُنار کے مقام پر نواب اودھ نے مالیات اور طرز حکومت کی اصلاحات کے سلسلہ میں چند تجاویز پر عمل درآمد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ہیسٹنگز نے مڈلٹن ریذیڈنٹ اودھ کو تاکید کی تھی کہ وہ ان تجاویز پر پورا پورا عمل درآمد کرائے۔ اُس سے یہ کام نہ ہو سکا۔ بلکہ اُس کا

کوئی زیادہ قصور بھی نہیں کیونکہ جو کام اُس کے سپرد کیا گیا تھا تقریباً ناممکن العمل تھا۔ وہ نہ تو نواب کے قرضہ جات کمپنی کا حساب صاف کر سکا اور نہ ہی وہ تمام انگریزوں کو اودھ میں سے خارج کر سکا۔ گو اُس نے اپنے کام میں کسی قسم کی غفلت۔ بھی نہ کی ہیسٹنگز نے مڈلٹن سے ناخوش ہو کر پھر برسٹو ہی کو مقرر کر دیا جو فرانسس کا آوردہ تھا اور جسے ڈائرکٹر دوبارہ لکھنؤ میں مقرر کرنے کے خواہشمند تھے۔ اگر مڈلٹن اس معاملہ میں کچھ کمزور ثابت ہوا تھا تو برسٹو اُس کے مقابلہ میں زیادہ زبردست ثابت ہوا۔ اور نواب کو جلد ہی یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ وہ میرے معاملات میں ناجائز دخل اندازی کرتا ہے اور میری بے ادبی کرتا ہے۔ اس پر ہیسٹنگز بے حد مشتعل ہو گیا۔ برسٹو سے وہ پہلے بھی کچھ ناخوش نہ تھا اب تو ہیسٹنگز کی نظروں میں ناقابل معافی جرموں کا مرتکب ہوا تھا۔ اُس نے برسٹو کے خلاف " ایک با اختیار شہزادے کی ہتک اور بے عزتی اُس کے اختیارات غصب کرنے " کا الزام لگایا۔ برسٹو نے صورتِ حالات اور بھی خراب کر دی۔ اُس نے یہ جواب دیا کہ " مَیں نے جو کچھ بھی کیا ہے ہیسٹنگز کے حکم کی تعمیل میں کیا ہے "۔ ہیسٹنگز نے بڑی خفگی اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اپنی یادداشت میں لکھا کہ " مَیں نے اپنے احکام میں ایک حرف بھی ایسا نہیں لکھا جس سے یہ مترشح ہو کہ مَیں کسی ایسے اختیارات کے جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو نواب کے نظام حکومت میں مخل ہو "۔ اُس نے مطالبہ کیا کہ برسٹو لکھنؤ سے واپس بلا لیا جائے۔ اُس کی مجلس عاملہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور اسی بات پر طویل تکرار شروع ہو گئی۔

برسٹو ایک ایسا افسر تھا جس کی قوت فیصلہ کمزور تھی اور وہ یقینی طور پر

بد دیانت بھی تھا۔ لیکن اس کے خلاف ہیسٹنگز کا رویہ بھی معقول نہ تھا۔ اس نے خود تو اصرار کیا کہ اودھ میں بعض اصلاحات جاری کی جائیں۔ اور پھر خود ہی برسٹو کے خلاف اس نے یہ الزام لگایا کہ وہ اس کی ہدایات اور مشورے کی حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ خود نواب کو اس معاملہ میں ترغیب و تحریص دیتا تو جو چاہتا کرا لیتا کیونکہ اس کا ذاتی رسوخ کافی تھا۔ برسٹو کی جداگانہ حیثیت تھی۔ کمزور اور ناقابل آصف الدولہ جو کمپنی کی امداد کے بغیر اپنے آپ کو سنبھال بھی نہ سکتا تھا یہ آرزو بھی رکھتا تھا کہ کسی طرح اسے کمپنی کی عاید کردہ ذمہ داریوں اور پابندیوں سے نجات مل جائے۔ اس نے کہنے کو تو ہیسٹنگز سے اصلاحات کے نفاذ کا وعدہ کر لیا۔ لیکن ادھر ہیسٹنگز نے پیٹھ موڑی اور ادھر کئی خوشامدی پیدا ہو گئے جو اسے یہ سمجھانے لگے کہ انگریزوں کے 'کنٹرول' پر لات مارو۔ برسٹو کے لئے یہ بات بے حد مشکل تھی کہ وہ صرف دم دلاسا دے کر اسے ایفائے وعدہ کے لئے مجبور کرے۔ ہیسٹنگز کو اس موقع پر ان مشکلات کا احساس کرنا چاہیئے تھا جو اسے آج سے پچیس برس پہلے میر جعفر کے سلسلے میں پیش آئی تھیں۔

مجلس عاملہ کے اراکین نہ صرف یہ سمجھتے تھے کہ ہیسٹنگز برسٹو پر نامناسب سختی کر رہا ہے بلکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ڈائرکٹر اسے لکھنؤ واپس بھیجنے کے معاملہ پر مُصر تھے۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ محض ہیسٹنگز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ڈائرکٹروں کی ناراضگی مول لینے کو تیار نہ تھے۔ ہیسٹنگز اپنی پرانی ضد اور ہٹ پر قائم تھا۔ غرضیکہ کئی مہینوں کے تکرار کے بعد کونسل اس بات پر رضامند ہو گئی کہ برسٹو کو واپس بلا لینے کی بجائے جس کی وجہ سے اس کی ملازمت پر دھبہ

آتا تھا۔ وہاں سے ریذیڈنسی ہی اُٹھالی جائے۔ چنانچہ نواب اودھ سے مشہور ومعروف ساہوکاروں کی ضمانت لے کر کہ وہ کمپنی کا قرضہ بیباق کردے گا۔ وہاں سے ریذیڈنسی اُٹھالی گئی۔ نواب اور اُس کے وزیر بھی یہی چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ ہیسٹنگز بھی خوب جانتا تھا کہ ریذیڈنسی کے اُٹھتے ہی نواب کی جانب سے یہ درخواست پیش ہوگی کہ ہیسٹنگز خود لکھنؤ آئے اور اُسے اپنے معاملات روبراہ کرنے میں مدد دے۔ ہیسٹنگز سکاٹ کو ۱۷۸۴ء کے آغاز میں لکھتا ہے کہ "میں نے واقعی فتح حاصل کی ہے۔ لیکن مجھے اپنی فتح پر فخر کرنے کی کوئی تمنا نہیں کیونکہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اور وزیر کے معاملات ایسے خراب ہوچکے ہیں کہ اس سے زیادہ حوصلہ شکن اور کوئی بات ہی اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔ اگر نواب وزیر نے میری امداد طلب کی تو میں یہ معاملہ بورڈ کے پاس بھیج دوں گا اور میری دلی خواہش یہی ہوگی کہ وہ بھی انکار کردیں تو اچھا ہی ہوگا۔ تاہم میں یہی کوشش کروں گا کہ جس طرح بھی ہوسکے وہ ضروری امداد دینے پر رضامند ہوجائیں" آخر متوقع دعوت نامہ آہی پہنچا۔ سٹیبلز نے اُس کے منظور کرنے سے انکار کردیا لیکن وہیلر کی کچھ کچی سی حمایت سے اُس نے یہ قرارداد منظور کراہی لی کہ ہیسٹنگز لکھنؤ جائے۔

ملازمت کے اختتام پر ہیسٹنگز کی یہ "مشن" غیر معمولی سی تھی۔ وہ خود یہ نہ جانتا تھا کہ ایسی مشکلات میں ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اپنے آپ کو پھنسا لینے سے اُس کا کیا مقصد تھا۔ ڈائرکٹروں کو کوئی ایک سال پہلے وہ یہ اطلاع دے چکا تھا کہ میں مستعفی ہونا چاہتا ہوں۔ اُس کی اپنی صحت خراب ہوچکی تھی اور ڈائرکٹروں نے

اُسے مشورہ دیا تھا کہ اگر بیگم ہیسٹنگز ایک سال اور ہندوستان میں رہی تو یہ بات اُس کے لئے مہلک ثابت ہوگی۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جب ۱۷۸۴ء میں وہ انگلستان جائے تو ہیسٹنگز بھی اُس کے ہمراہ جائے۔ اور غالباً اُس کا اصلی ارادہ بھی یہی تھا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اور اب کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ جس کی وجہ سے وہ رک جائے۔ لیکن اُس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ اُس کی بیوی تنہا جائے۔ ایک سال کی جُدائی اُس کے لئے صبر آزما تھی۔ اُس نے ایک سال اور یا جب تک اُس کا جانشین نہ آجائے یہیں رک جانا مناسب سمجھا۔ اُس نے اس کی وجہ خود تو یہ بتائی کہ اودھ کی فضا مایوس کن ہے۔ اس کی وجہ سے اس ملک کے تمام ذرائع آمد مسدود ہو چکے ہیں۔ اور میری یہی کوشش ہے کہ اس کی تلافی ہو جائے۔" اُسے یقین تھا کہ میکفرسن اُس کے جانے کے بعد ہی نواب سے کسی پابندیٔ مراسم کو لحاظ میں نہ لائے گا۔ اس کے علاوہ اُسے کرناٹک کے بدبخت نواب سے بھی کچھ ہمدردی تھی۔ اور اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس تھا۔ اُسے میکارٹنی محض صفر سمجھتا تھا۔ اُسے خیال تھا کہ "اُس کی نظر بھی مجھ پر ہی پڑتی ہے کیونکہ اُس کے پاس نواب ایک تنکا بھی باقی نہ تھا۔" مگر یہ سب فضول بہانے ہی تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ اقتدار و اختیار چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور یقیناً اس بات کا مخالف تھا کہ یہ طاقت میکفرسن اور سٹیبز کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے جو اس کے اہل نہ تھے۔ بہت ممکن ہے کہ اُسے یہ خیال بھی ہو کہ انگلستان میں سیاسی تبدیلیاں ہو جائیں۔ اور اُسے اس طرح چند سال اور بڑے ہوئے اختیارات کے ساتھ ملازمت کرنے کا موقع مل جائے۔ اگر اُس کا یہ خیال تھا

تو یقیناً وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا تھا۔

ہیسٹنگز کی بیوی دس جنوری کو جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی۔ وہ اُسے لکھتا ہے کہ "میں تمہارے جہاز کو برابر دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور میں نے وہ منحوس دن بڑے درد و کرب میں گذارا۔ میرا دل غم سے معمور تھا اور میرا سر درد کے مارے پھٹا جاتا تھا۔" عالم تنہائی کے پورے ایک سال میں جو چٹھیاں اُس نے اپنی بیوی کو لکھیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں اُس کی کتنی محبت اور قدر تھی۔ وہ اُسے محبت آمیز لہجہ میں یاد دلاتا ہے کہ "میں کس شوق سے اپنے کام سے فارغ ہو کر تمہارے کمرے میں لپک کر پہنچ جایا کرتا تھا۔ تاکہ تمہاری شکل و صورت، مسکراہٹ اور میٹھی آواز سے خوش ہو کر چند لمحات کے لئے خوشی اور اطمینان حاصل کروں۔" بار بار یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر اُس سے جُدا ہونا درست تھا یا نہیں لیکن کام کے دباؤ کی وجہ سے اُسے زیادہ غم کھانے کی مہلت ہی نہ ملی۔ اُس نے اپنے دوست امپے کو بتایا تھا کہ کاروبار میں مختلف قسم کی مصروفیت کی وجہ سے مجھے تکلیف یا نقصان کا اتنا احساس نہیں ہوتا جیسا کہ عام طور پر ہونا چاہیئے۔" سخت خشک سالی کی وجہ سے قحط کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے لئے کلکتہ میں کافی کام اور غور و فکر کی صورت پیدا ہو گئی۔ اور مسز ہیسٹنگز کی روانگی کے کوئی ایک مہینہ بعد وہ لکھنؤ کو روانہ ہو گیا۔

شمالی ممالک کے اس آخری سفر میں ہیسٹنگز اکثر اوقات تھکان اور کمزوری کی شکایت کیا کرتا تھا۔ اُس کی جسمانی طاقت گرمی برداشت کرنے کے قابل نہ

رہی تھی۔ تاہم اُس کی سرگرمی اب تک اُسی طرح قائم تھی۔ اِس لیے وہ اپنی پرانی پامردی اور ہمت کے ساتھ اب بھی اُسی طرح محنت کرتا رہا۔ بنارس میں اُس نے پانچ دن تک قیام کیا اور وہاں سے اُس نے اپنی مجلس عاملہ کو اس زمینداری کے متعلق ایک طویل بیان بھیجا۔ شہر کو چھوڑ کر اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "بکسر کی سرحد سے لے کر بنارس تک مجھے ساری راہ میں مصیبت زدہ باشندوں سے سابقہ پڑا جنہوں نے اپنی شکایات سنا سنا کر مجھے تھکا دیا۔ زیادہ تر یہ بدحالی سخت خشک سالی کی وجہ سے ہے۔ لیکن اصل نقص غالباً رشوت ستانی اور ظلم نہیں تو ناقص انتظام ضرور ہے۔ یہ وہی انتظام تھا جس کی داغ بیل اس نے کوئی تین سال ہوئے چیت سنگھ کی بغاوت کے بعد خود ڈالی تھی۔ لیکن اُسے اپنے کیے کا کوئی غم نہ تھا۔ اُس نے نئے عہدہ دار مقرر کیے اور انتظام کے لیے نئی تجویزیں کیں جو مجلس عاملہ نے کچھ تامّل کے بعد منظور کر لیں۔ لیکن کوئی خاص بہتری نہ ہوئی۔ دو سال بعد لارڈ کارنوالس نے بنارس کو بدترین بددیانتی اور بدعملی کا مرکز قرار دیا۔ ہیسٹنگز اپنے ہم وطنوں کے رجحانات کو خوب سمجھتا تھا۔ اس لیے اُس نے پہلے ہی سے یہاں کے ریذیڈنٹ کو عام نظم و نسق میں کسی قسم کا دخل دینے سے باز رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ سارے کاروبار میں دخیل ہو گیا۔ اس طریق سے وہ چار لاکھ روپیہ سالانہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ تجارتی کاروبار کی مکمل اجارہ داری اپنے ہاتھ میں لے کر وہ کثیر منافع حاصل کرتا تھا۔

بنارس سے ہیسٹنگز لکھنؤ روانہ ہوا۔ برسٹو حساب صاف کرنے سے

پہلے ہی جا چکا تھا۔ ہیسٹنگز نے بڑی محنت سے اس کی پڑتال کی اور نواب کو ترغیب دی کہ بلا حیل و حجت چند زیر بحث رقوم کی ادائیگی منظور کرے اور ۳۷ لاکھ کے قرضے میں سے اُس نے تقریباً نصف رقم اُس سے وصول بھی کر لی۔ اُس کے اخراجات میں یعنی سرکاری اور نجی اخراجات میں تخفیف کرنے کا انتظام کیا گیا۔ پنجسالہ بندوبست کی تجویز کی گئی۔ اُس کے فوجی عملے میں اصلاحات رائج کی گئیں اور بیگمات اودھ سے اُس کی صلح بھی کرا دی گئی۔ ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "نواب نے صدق دل سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے وضع کردہ انتظام کی تعمیل میں سر مو تجاوز نہ کروں گا۔ میں نے بتایا کہ اگر ان میں کسی قسم کا فرق نہ آیا تو ایک سال کے اندر اندر کمپنی کا تمام قرضہ بخوبی ادا ہو سکے گا اور آپ بالکل خود مختار اور آزاد ہو جائیں گے۔ نواب کا چچا اُس کی والدہ اور اُس کی نانی جو خاندان بھر میں بڑی عزت کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں۔ سب کے سب مجھے بے حد چاہتے ہیں اور مجھے اپنے گھر کا سرپرست سمجھتے ہیں۔"

ہیسٹنگز نے کونسل کو اطلاع دی کہ میری آمد کا مقصد پورا ہو گیا ہے گو وہ دل ہی دل میں یہ بخوبی سمجھتا تھا کہ غریب افیمی آصف الدولہ کے وعدوں پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے جس کی تربیت ہی عیش و عشرت اور تن آسانی میں ہوئی ہے"۔ اس خیال سے کوئی شخص وقتاً فوقتاً اُس کو اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی یاد دہانی کراتا رہے۔ وہ اپنے سیکرٹری میجر پامر کو پیچھے چھوڑ گیا تاکہ وہ اُس کے ذاتی نمائندے کے طور پہ وہاں کام کرتا رہے گویا کہ اُس نے ریذیڈنٹ کی جگہ جسے واپس بلا لیا گیا تھا دوسرے نام کے پردے

میں وہی پہلا طور طریقہ جاری کر دیا۔ اس کا بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ پامر پہلے سے کچھ اچھا ثابت نہ ہوا، اور نہ ہی اودھ کے بھاری اخراجات میں اس تقرری سے کوئی کمی آئی۔ وہی حال رہا جو برسٹو اور مڈلٹن کے عہد میں تھا۔ چند سال بعد کمپنی کا قرضہ پھر ستر لاکھ تک پہنچ گیا۔ یورپین لٹیرے پھر ملک کو پامال کرنے آ گئے۔ اُس کے نظام حکومت میں پہلے سے زیادہ گڑبڑ مچ گئی اور وہ خود کمینہ مسخروں اور مفت خوروں کا تماشہ بن کر رہ گیا۔ اودھ میں کرناٹک کی طرح اور اس سے پہلے بنگال میں یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ جہاں کسی کمزور حکمران نے یورپین امداد مانگی بس وہ ملک یورپین سٹہ بازوں کی جولانگاہ بن کے رہ گیا۔ ہیسٹنگز بچارا یہ واویلا کرتا ہی رہ گیا کہ " ہماری غاصبانہ چالوں اور مختلف افراد کے بے پناہ لالچ نے جن کی حفاظت بھی کی جاتی تھی ہماری قومی شہرت کو اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ اُس کے مقابلہ میں ہماری فوجی طاقت اور وقار اتنی عظمت حاصل نہیں کر سکا۔" میر قاسم کے عہد حکومت سے لے کر آج تک وہ برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح ملک کو اس غاصبانہ دستبرد اور لالچ سے بچائے۔ اور اودھ میں بھی اُس کی آخری دست اندازی اسی وجہ سے تھی کہ کسی طرح نواب کا قرض اُتر جائے اور اس طرح وہ انگریزوں کی دستبرد سے بچ کر " آزاد اور خود مختار" بن کر رہے۔

لیکن ہیسٹنگز کی یہ تمام جدوجہد تاریخ کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھی۔ کیا وہ واقعی یہ چاہتا تھا کہ کمپنی کی تمام فوج اودھ میں سے نکال لے اور سارے ملک کو پہلے تو اندرونی فساد اور بعد میں مرہٹوں کے حملوں کی نذر

کردے، اور اس طرح بنگال میں بھی کمپنی کے لئے خطرہ پیدا کر دے۔ وہ ہرگز تیار نہ تھا نہ کمپنی تیار تھی اور نہ انگریزی حکومت۔ جو کچھ اُن کے پاس تھا وہ اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے لکھنؤ سے ریذیڈنسی کا ہٹا لینا اور نواب کو خود مختار اور آزاد قرار دینا ایک فضول سی بات تھی۔ محض اس بات پر بھروسہ کر کے کہ کمپنی کی فوج اُس کی حفاظت اور ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے موجود ہے وہ ایک حلیف ہونے کی حیثیت سے گر کر باج گذار سردار بن گیا اور جب یہ صورت ہو گئی تو پھر کمپنی اور کمپنی کے ملازموں کی لوٹ کھسوٹ سے وہ کیسے بچ سکتا تھا۔

ہیسٹنگز لکھنؤ میں کوئی پانچ مہینے رہا۔ یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ اس نے ہر وقت کی خوشامد اور چاپلوسی کا گہرا اثر قبول کر لیا۔ جب نواب بیگمات راجہ اور وزیر اُس سے یہ کہتے کہ وہی اُن کا آخری سہارا ہے اور اُسی کی عقل و فہم پر اُن کا انحصار ہے تو وہ ان خوشامدانہ جملوں کو حرف بحرف سچ سمجھتا۔ جب شاہ عالم کا بیٹا دہلی میں محض قیدی ہونے کی حالت سے بچ کر اور ہیسٹنگز کا چرچا سُن کر لکھنؤ آپہنچا اور یہاں آ کر اُس کی امداد کا طالب ہوا تو وہ اپنے آپ کو اتنا بڑا آدمی سمجھنے لگ گیا کہ وہ سچ مچ اس بات پر تیار ہو گیا کہ وہ کمپنی کی فوج کے چند دستے اُن کو اس غرض سے دے دے کہ وہ سکھوں کو اُس کے باپ کی نام نہاد حکومت سے نکال دیں۔ کمپنی نے اس احمقانہ منصوبے کو بجا طور پر مسترد کر دیا۔

جب وہ کلکتہ واپس آ رہا تھا تو راستے میں اُسے اپنے ساتھی دہیلر کی

موت کی اطلاع ملی۔ مجلس عاملہ میں پھر تین اشخاص ہی رہ گئے۔ یعنی ہیسٹنگز۔ سیبلز اور میکفرسن۔ اگر وہ اور رہے تو باقی دو رکن جو پہلے سے متحد تھے اُس کو بیکار کر دینے کے لئے کافی تھے۔ لیکن اب اُس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ چلا جائے۔ مسٹر پٹ کا تجویز کردہ 'نیو انڈیا بل' اُسے ۱۷۸۴ء کے آخر میں موصول ہوا۔ اس مسودہ قانون کے پڑھنے سے اُس کی آخری اُمیدوں پر بھی پانی پھر گیا کہ شاید اُسے اپنی خاطر کچھ مدت کے لئے یہاں رہنے کا موقع مل جائے وہ لکھتا ہے کہ "میری حیثیت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی ہے"۔

ہیسٹنگز کو اب نئی اتحادی حکومت سے جس میں لارڈ نارتھ اور فاکس شامل تھے سوائے مخالفت کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ حکومت ۱۷۸۳ء کے موسم بہار میں قائم ہوئی۔ فاکس کمپنی کا جانی دشمن تھا۔ ہندوستان کے متعلق اُس کا مسودۂ قانون اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ کمپنی کے اختیار و اقتدار کو بالکل ختم کر کے تمام طاقت اور سرپرستی تاج برطانیہ کے مقرر کردہ کمشنروں کے حوالہ کر دیا جائے۔ فاکس کی تائید برک کر رہا تھا۔ اس برک کو فرانسس نے بھڑکا رکھا تھا۔ کمپنی کی حکومت کے خلاف جو براہ راست حملے وہ 'پارلیمنٹ' میں کیا کرتے تھے وہ اصل میں ہیسٹنگز ہی کے خلاف ہوتے تھے۔ لیکن فاکس کا مسودہ قانون جو دارالعوام میں منظور ہو چکا تھا دارالامرا میں پیش ہونے پر مسترد ہو گیا۔ بادشاہ نے جو اتحادی حکومت سے متنفر تھا اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وزارت کو موقوف کر دیا۔ پٹ کو نئی وزارت قائم کرنے کی دعوت دی گئی اور ۱۷۸۴ء کے موسم بہار میں عام انتخابات کے

بعد وہ پوری طاقت میں آگیا۔

ہیسٹنگز کے دوستوں نے فاکس کے مسودہ قانون کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جس کی وجہ سے اتحادی وزارت کا خاتمہ ہوگیا۔ اب انہیں پوری اُمید تھی کہ نئی حکومت اُن کا پورا ساتھ دے گی۔ پٹ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہیسٹنگز کو بہت بڑا اور عجیب وغریب آدمی سمجھتا تھا۔ لارڈ تھرلو وزیر خزانہ نے سکاٹ سے کہا کہ میرے خیال کے مطابق اس وقت دُنیا بھر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو شہرت اور لیاقت کے لحاظ سے ہیسٹنگز سے بڑا ہو" اور اُسے مزید یقین دلایا کہ" یہ ہیسٹنگز ہی کا حسن انتظام ہے کہ اُس نے سابقہ وزارت کو اس طرح ختم کیا جیسے خود پستول ہاتھ میں لے کر اُن کے سروں میں ایک ایک کر کے گولیاں آر پار کر دیں"۔ اس قسم کے خوشامدانہ جملے اور دوسرے چُست فقرے مثلاً " اے خدا! اگر ہیسٹنگز نے وزارت ختم کرا دی تو ہم کیا کریں گے"! بیوقوف میجر سکاٹ نے اپنے افسر کو لکھ بھیجے لیکن ہیسٹنگز اس سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اُس نے اپنی بیوی کو لکھا کہ" اگر یہ توقع ہے کہ مجھے رہنے دیا جائے تو پھر با اختیار لوگ مجھے ایسا کیوں نہیں لکھتے اور مجھے میری حیثیت کے مطابق اختیارات کیوں نہیں دیتے۔ مجھے تو اُن حالات سے جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ موجودہ حکومت ہو یا کوئی اور وہ مجھے برقرار رکھنے کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے اس وقت تک محض صفر کی حیثیت سے یہاں رہنے دیں۔ جب تک کہ وہ اپنی پسند کا آدمی چُن کر

اُسے یہ عہدہ بطور عطیہ اپنی سرپرستی کے اظہار میں نہ دے سکیں۔"
اُس کے اس خیال کی تصدیق اُس بحث مباحثہ سے ہوئی جب پٹ کا مسودہ قانون ہند ۱۷۸۴ء میں دارالعوام میں پیش ہوا۔ اس مسودے میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ مصالحت کی صورت پیدا کی گئی تھی۔ یعنی کمپنی کی تجارتی مراعات اور سرپرستی کو برقرار رکھتے ہوئے تاج برطانیہ کو مکمل اختیارات دیئے گئے کہ وہ حکومت کی حکمت عملی پر پورا پورا ضبط خود رکھ سکے۔ ہیسٹنگز کو یہ تجویز ناپسند تھی۔ کیونکہ اس میں گورنر جنرل کا وقار محض کونسل کے رحم پر موقوف رکھا گیا تھا۔[1]

ہیسٹنگز کی مایوسی کا باعث یہ مسودہ قانون نہ تھا بلکہ پٹ کی وہ تقریر تھی جو اُس نے اِس مسودے کو پیش کرتے وقت دارالعوام میں کی۔ اگرچہ پٹ نے اپنی تقریر میں اُس کا نام نہیں لیا لیکن کمپنی کی بدعملی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا سارا نزلہ اسی پر پڑ رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "شاید پٹ نے میری موقوفی کی تجویز براہِ راست پیش کرنے کو خلاف مصلحت یا مناسب سمجھا ہو لیکن یہ امر قطعی ناممکن ہے کہ وہ میرے رہنے کا خواہش مند ہو یا مجھ پر اعتماد کرے یا میرے اختیارات میں کوئی توسیع کرے۔"

اب زیادہ عرصہ تک اڑے رہنے کا کوئی خاص مقصد ہی نہ تھا۔

---

[1] اس قانون میں لارڈ کارنوالس کی تقرری سے پہلے مناسب ترمیم کردی گئی تھی۔

اس لئے اُس نے ۱۳ر جنوری ۱۷۸۵ء کو مجلس عاملہ کے باقی دو ممبران
کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ میں اس عہدے سے سبکدوش ہو رہا ہوں
یکم فروری کو وہ آخری مرتبہ کونسل کے اجلاس میں شامل ہوا اور میکفرسن
کو اپنے عہدے کے فرائض سپرد کر دیئے۔ ایک ہفتہ بعد وہ 'بیرنگٹن'
نامی جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا اور ہندوستان کے ساحل اُس کی
نظروں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گئے۔

وہ اِس ملک سے چلا گیا جہاں اُس نے تیس سال ملازمت کی تھی
اور سمجھتا تھا کہ میں نے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "میں نے
ہندوستان کو غیر ملکی فتوحات سے بچا لیا ہے۔" لیکن اُسکی آرزوئیں
اور خواہشات کبھی پوری نہیں ہوئیں۔ کیونکہ وہ اختیارات جو وہ اپنی حیثیت
اور شان کے مطابق حاصل کرنا چاہتا تھا اُسے نہ ملے۔ بحری سفر اختیار
کرنے سے پہلے وہ بڑے غم اور مایوسی کی حالت میں لکھتا ہے کہ "مجھے
سخت افسوس ہے کہ میری دِلی آرزو کہ مجھے میری شان اور وقار کے مطابق
اختیارات دیئے جائیں پر نہ آئی اس کا مجھے بے حد اشتیاق رہا اور اس
کے پورا ہونے کے شوق میں میں بڑی مستقل مزاجی سے سخت مشکلات سے
دوچار ہوتے ہوئے جن کی وجہ سے شاید مجھ سے زیادہ قابل دل و دماغ کا آدمی بھی
گھبرا اُٹھتا، متواتر تیرہ سال تک منتظر رہا کہ شاید کسی نہ کسی دن یہ خواہش پوری
ہو جائے اور میں اس کے ذریعہ انگریزوں کے وقار و اقتدار کو بلند تر کر سکوں۔
اور اُن کے ہندوستانی مقبوضات میں قابل قدر اضافہ کر کے اُس خوشحالی کا

موجب ہیوں جو اس امانت کی قدر وقیمت کے مطابق ہے۔ افسوس ہے کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ بلکہ دونوں آرزوئیں خواب و خیال ہو کے رہ گئیں میرا یہی خیال میری تسلی کے لئے میرے دل میں باقی رہ گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں کیا کچھ کرتا۔ مگر میری قسمت میں وہ عروج نہ لکھا تھا جس کا میں متمنی تھا اور جس کے حصول کے لئے میں نے ہر ممکن کوشش کی اور ان تھک جدوجہد بھی کی۔"

سترھواں باب

فرودِ حرم کا لگنا اور ملازمت سے کنارہ کشی

جب وہ انگلستان واپس آیا تو ہیسٹنگز کی عمر صرف باون سال کی تھی۔ لیکن اُس کا تمام کاروبار ختم ہو گیا۔ گو وہ اسکے بعد بھی ۳۲ سال تک زندہ رہا۔ اُسے دوبارہ کوئی ملازمت نہ مل سکی۔ اُسے اُمید تھی کہ مجھے لارڈ بنا دیا جائے گا۔ اُسے پٹ کے قائم کردہ 'بورڈ آف کنٹرول' میں ایک نشست مل جائے گی یا شاید وزارت ہی میں لے لیا جائے۔ لیکن اب تو سوائے شاہی چالان اور اُس کے بعد پچیس سال تک ڈیلزفورڈ میں خلوت نشینی کے سوا اور کوئی واقعہ رونما نہ ہونے والا تھا۔

انگلستان میں جب وہ آیا تو اُس کا استقبال بڑی شان و شوکت سے ہوا۔ وہ اپنے وطن مالوف میں ایک ممتاز شخصیت لے کر واپس آیا جس سے لوگ ابھی پورے طور پر واقف نہ تھے۔ اور لوگوں کو اُس سے ملنے کا بے حد شوق تھا۔ کچھ مہینوں تک تو یہ حال رہا کہ جہاں کہیں بھی وہ جاتا اُسے ہر جگہ بڑا آدمی سمجھا جاتا اور وہ یہ دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا کہ اُس کی اچھی قدر و منزلت ہوتی ہے۔

ڈائرکٹروں نے بھی جو ہمیشہ اُسے سخت فقرے کس کس کر اُس کی ہتک کیا کرتے تھے بالاتفاق ایک قرارداد منظور کی جس میں اُس کی تابناک خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ بورڈ آف کنٹرول کے اراکین بھی زیادہ خلق سے پیش آئے خود بادشاہ اور ملکہ نے حدود آداب شاہی سے تجاوز کر کے اُس پر اور اُس کی بیوی پر اظہار نوازش کیا۔ عام طور پر اُس نے ہر جگہ اپنا اچھا اثر ڈالا فینی برنی جو اس وقت اُس سے ملی اور اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ وہ اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہے " جو کچھ میں نے دیکھا ہے یا مشاہدہ کیا ہے اُس سے یہی نتیجہ اخذ کرتی ہوں کہ وہ سرکاری حلقوں میں آجکل کے زمانے میں سب سے بڑی شخصیت کا مالک ہے۔ بحیثیت ایک انسان کے اُس کی شرافت۔ صاف دلی۔ کشادہ پیشانی خوش اخلاقی بے حد پسندیدہ ہے "۔

انگلستان میں آئے ہوئے اُسے ابھی ایک ہفتہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ برک نے دارالعوام میں ایک نوٹس بھیجا کہ " میں کسی آئندہ تاریخ پر ایک تحریک پیش کروں گا جس کی رُو سے ایک ایسے شریف آدمی کے رویہ اور طرز عمل پر بحث کی جائے گی جو حال ہی میں ہندوستان سے واپس آیا ہے "۔ اس کے بعد کئی مہینے گذر گئے اور اُس نے کوئی تحریک پیش نہ کی۔ اس دھمکی سے ہیسٹنگز کو زیادہ بے چینی نہ ہوئی۔ اُسے یقین تھا کہ اگر اُس کے معاملہ یا طرز عمل کے متعلق کوئی غیر جانبدارانہ تحقیقات بھی کی گئی تو اُسے یہ باور کر لینے کی وجہ نہیں کہ اراکین دارالعوام جن کا انتخاب ۱۷۸۴ء میں ہوا ہے محض تعصب کی بناء پر اُس کے خلاف ہو جائیں گے کیونکہ فاکس اور برک کی 'پارٹی' کو ان انتخابات میں بھاری شکست

ہو چکی تھی۔ پٹ اور ٹوری اب مضبوطی کے ساتھ اپنا اقتدار جما چکے تھے اور اگر وہ کھلم کھلا اُس کی حمایت نہ بھی کریں تو کم از کم مخالفت بھی نہ کریں گے تھرلو جو لارڈ چانسلر تھا اور جسے غالباً بادشاہ ہی نے سمجھا بجھا رکھا تھا خاص طور پر اُس کا سرگرم حامی اور اُس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ برک خود بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ ہیسٹنگز کے متعلق رائے عامہ عام طور پر اُسی کے حق میں ہے۔ ہیسٹنگز یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے خلاف کوئی الزام بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا بھی تو وہ یہ ہو گا کہ معمولی سی اقلیت اُس کے خلاف رائے دے۔ وِگ پارٹی کے سربرآوردہ لوگوں میں سے بہتوں نے ایسا حملہ کرنے سے منع کیا۔ برک اگرچہ فرانسس کے دوستوں میں سے تھا۔ وہ بھی اس بات پر رضامند ہو گیا کہ وہ اپنا ارادہ ترک کر دے لیکن ہیسٹنگز نے ارادتاً مخالف گروہ کو للکارا، اور اس وجہ سے یہ کارروائی زیر بحث آ ہی گئی۔ سنہ ۱۷۸۶ء کی پارلیمنٹ کے پہلے ہی اجلاس میں میجر سکاٹ نے جواب پارلیمنٹ کا رکن بن چکا تھا اور اس کے انتخاب پر ہیسٹنگز نے کوئی چار ہزار پاؤنڈ بھی خرچ کئے تھے اپنی نشست سے اُٹھ کر یہ سوال کیا کہ مسٹر برک اپنی تحریک جس کا وہ نوٹس دے چکے ہیں کب پیش کریں گے۔ اس کھلی بے باکی کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا تھا۔ فاکس اور برک دونوں نے اُٹھ کر کہا کہ جس معاملہ میں میجر سکاٹ کو اتنی دلچسپی ہے یقیناً نظر انداز نہ کیا جائے گا۔ ۱۷ فروری کو برک نے کاغذات طلب کر لئے اور جنگ شروع ہو گئی۔

میجر سکاٹ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے مخالف فریق کو علانیہ مجبور کیا کہ وہ اپنے عاید کردہ الزامات کی بناد پر کارروائی شروع کریں۔ اگر اس کے متعلق کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے تو اس کا ذمہ دار خود ہیسٹنگز ہی ہے۔ کیونکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ اُس نے کوئی کام اُس کی ہدایت یا مشورے کے بغیر کیا ہو۔ ہیسٹنگز کی یہ عادت کہ وہ حملہ کا مقابلہ کرنے کے علاوہ خود اُس کی اُمید کرنے لگ جاتا تھا۔ وہ خاموش بچاؤ کا قائل نہ تھا۔ اُس کا زبردست عقیدہ یہ تھا کہ معاملہ کا دو ٹوک فیصلہ کیا جائے اگرچہ انگلستان میں اُس کی آؤ بھگت اچھی ہوئی لیکن سرکاری طور پر اُس کی خدمات کا اعتراف نہ ہوا، اور اس تجویز کو روک لیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پٹ اُسے لارڈ بنانے کی سفارش کرنے پر بھی متامل ہے جب تک کہ ۱۷۸۲ء کی منظور کردہ قرارداد جس کی رُو سے اُس کے خلاف زبردست الزامات کی بنا پر اظہار ملامت کیا گیا تھا منسوخ نہ کردی جائے۔ ہیسٹنگز کا خیال تھا کہ اعزازات حاصل کرنے اور ملازمت پانے کے رستے میں جو رکاوٹیں حائل ہیں اُن کو دُور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ برک جو بُرائی کرنا چاہتا ہے کر لے۔ اپنے معاملہ کی مضبوطی پر بھروسہ کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ دارالعوام میں کثرت رائے اُس کے حق میں ہوگی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اُس کی عزت دوبارہ مکمل طور پر قائم ہو جائے گی۔ اور پہلی ملامت کا دھبہ بھی دُھل جائے گا۔

دارالعوام کی پہلی چند جھڑپوں سے یہ تیقن اور بھی بڑھ گیا۔ پٹ اور دوسرے وزراء نے برک کی اس کوشش کی مخالفت کی کہ الزامات مرتب کرنے

سے پہلے ہی کاغذات اُس کے حوالہ کیئے جائیں اور اس کے علاوہ مرہٹہ جنگ کے متعلق ہیسٹنگز کی حمایت بھی کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت اُس کی امداد پر آمادہ تھی۔ اپریل کے مہینے میں برک نے اپنے الزامات پیش کیئے۔ اور ہیسٹنگز نے درخواست دی کہ اُسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور یکم مئی کو وہ دار العوام کی عدالت کے سامنے پیش ہؤا۔ اُس نے اپنے دوستوں سے شکایت کی کہ مجھے اپنا جواب تیار کرنے کے لئے صرف پانچ دن کی مہلت ملی ہے۔ یہ مہلت تھوڑی ہے۔" کاش کہ وہ وقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسی عرصہ کو کافی مہلت سمجھ کر اس سے پورا فائدہ اُٹھاتا۔ میکالے لکھتا ہے کہ" اس موقع پر اُسے چاہیئے تھا کہ وہ پُر زور، فصیح و بلیغ اور مؤثر تقریر کرتا۔" اس کی بجائے اُس نے ایک نہایت ہی طویل تحریری جواب کیا جس کے پڑھنے کے لئے اُسے اپنے پہلے سیکرٹری مارخیم کی مدد کی ضرورت پیش آئی اور اس کام میں پارلیمنٹ کے دو کلرکوں نے بھی امداد دی۔ یہ تلاوت دوپہر کے چار بجے شروع ہوئی اور رات کے دس بجے تک جاری رہی۔ پھر بھی سارا بیان ختم نہ ہو سکا۔ قدرتی طور پر صرف چند ممبر ہی اسے سُنتے رہے اور اس کا اثر کچھ نہ ہؤا۔ ہیسٹنگز نے خیال کیا کہ اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ" میرے بیان کو اس توجہ کے ساتھ سُنا گیا جو عام طور پر اس قسم کی مجلس میں غیر معمولی ہے اور اس کا اثر بھی حسب منشاء ہؤا، کیونکہ اس سے سب کا رجحان میری طرف ہو گیا، اور جو اثر اُس وقت میں قائم کر سکا اب تک قائم ہے۔" اُسے اپنی فتح کا مکمل یقین تھا

اُس نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ " میرا وقار پہلے کی نسبت اب کئی درجہ زیادہ ہے "

سب سے پہلے الزام یعنی جنگ روہیلہ کے متعلق ماہ جون کے شروع میں بحث ہوئی۔ اس الزام پر برک کو پوری کامیابی کی اُمید تھی۔ کیونکہ اس لڑائی پر خود ڈائرکٹروں نے نفرت کا اظہار کیا تھا۔ دارالعوام نے ناپسند کیا تھا اور ڈنڈاس نے بھی جو پٹ کا دوست اور دست راست ہونے کے علاوہ معاملات ہند کا اعلیٰ افسر تھا اس کی مذمت کی تھی۔ لیکن ڈنڈاس نے اس الزام کی تائید کرنے کی بجائے ہیسٹنگز کی تائید کی اور کہا کہ " روہیل کھنڈ میں ہیسٹنگز سے اگر کچھ غلطیاں بھی کی ہیں تو اس کی بعد کی خدمات سے اُس کی تلافی خوب ہو چکی ہے۔ پٹ نے خود تو کوئی تقریر نہ کی۔ لیکن ہیسٹنگز کی حمایت میں رائے دی اور وہ ۶۷ راؤں کے مقابلہ میں ۱۱۹ رائیں حاصل کر کے اس الزام سے بری ہو گیا۔

اس نتیجہ سے صاف ظاہر تھا کہ دارالعوام کی عام رائے اس مقدمہ کے خلاف ہے۔ یہ بھی گمان کیا جاتا تھا کہ فریق مخالف ایک دو الزام اور پیش کرنے کے بعد خود ہی یہ تحریک واپس لے لیں گے۔ ۱۳ر جون کو فاکس نے چیت سنگھ سے بدسلوکی کے متعلق دوسرا الزام پیش کیا۔ ہیسٹنگز کے دوستوں کے حوصلے بلند تھے۔ وزارت کے حامیوں کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ اس تحریک کے خلاف ووٹ دینے کے لیئے حاضر رہیں۔ بڑی بھاری کثرت رائے سے اس تحریک کا نامنظور ہو جانا یقینی بات تھی۔ پٹ نے چند روز پہلے

ہیسٹنگز سے کہا تھا کہ وہ 'زمیندار' کی اصلاح کی تشریح کے متعلق ایک یادداشت اُسے لکھ کر بھیجدے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُن دلائل کے خلاف بخوبی تیار ہو کر آئے گا۔ جن کی بنا پر یہ کہا جاتا تھا کہ چیت سنگھ خود مختار شہزادہ تھا۔ اور اُس سے جنگ کے لئے نقد امداد مانگنا بالکل ناجائز تھا۔

بحث مباحثہ کے دوران میں پٹ نے اوّل اوّل جیسا کہ توقع تھی اپنی تقریر میں فاکس کے بنیادی اصول توڑ کر رکھ دیئے۔ اُس نے ثابت کر دیا کہ ہیسٹنگز نے جو مطالبات چیت سنگھ سے کئے وہ جائز تھے اور اُس کی ٹال مٹول پر جو جرمانہ اُس نے اُس پر کیا وہ بھی جائز تھا۔ چنانچہ اس امر کے باور کر لینے کے آثار صاف طور پر نمایاں ہو گئے کہ یہ الزام بھی جھوٹا ہے لیکن پٹ نے یہ دلائل دیتے ہوئے اچانک اور ناگہاں طریق سے اپنے استدلال کا رُخ بدل لیا۔ وہ کہنے لگا کہ "ہیسٹنگز گو جرمانہ کرنے میں حق بجانب تھا۔ اُس نے جو رقم بطور جرمانہ وصول کرنی چاہی وہ بالکل غیر متناسب ناموزوں اور شرمناک طور پر زیادہ تھی۔ صرف پچاس ہزار پونڈ کی ادائیگی کی تاخیر میں پانچ لاکھ پونڈ کا تاوان وصول کرنا جرم اور سزا کے درمیان کوئی تناسب ہی باقی نہیں چھوڑتا اس مجرمانہ نیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جس پر عملدر آمد نہ ہو سکا پٹ نے اعلان کیا کہ میں اپنا ووٹ فاکس کی حمایت میں دوں گا۔"

دارالعوام کو نہایت حیرت ہوئی اور پٹ کے اپنے حامی بھی گھبرا گئے اُن سے کہا تو یہ گیا تھا کہ تحریک کے خلاف رائے دینا اور اب اُن کا اپنا سردار ہی اس کے حق میں ووٹ دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ ایسے ممبروں کی بہت بڑی

تعداد نے اِس بھول بھلیاں کو نہ تو خود سمجھا اور نہ اسے پسند کیا اور اس سے منحرف ہو گئے لیکن باقی سب نے اُس کی اندھا دھند تائید کی اور اس طرح اُن کے اور فاکس کے ووٹ مل ملا کر ہیسٹنگز کے خلاف فیصلہ صادر کرنے میں کافی ہو گئے۔ فاکس کی یہ تحریک ۱۱۹ موافق اور ۹۷ مخالف کی نسبت سے منظور ہو گئی۔ فرانسس نے اپنا انتقام لے لیا کیونکہ اس فیصلہ سے ہر عملی لحاظ سے ہیسٹنگز پر مقدمہ چلانا ضروری ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بیگمات اودھ کے معاملہ کے متعلق بھی جو تحریک پیش ہوئی وہ بھی زیادہ کثرت رائے کے ساتھ منظور ہو گئی۔ اس کے علاوہ بے شمار الزامات یعنی تحفے تحائف قبول کرنا۔ ٹھیکوں اور دوسرے کاموں میں جعلسازی کرنا وغیرہ وغیرہ منظور کر لئے گئے۔ آخر ۲۱ مئی ۱۷۸۶ء کو ہیسٹنگز گرفتار کر لیا گیا اور اُسے دارالامرا کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ واقعہ بنارس کے متعلق جو الزام تھا وہ فیصلہ کن تھا۔

پٹ کا رویہ اُس کے ہمعصروں کے لئے معمّا ہی بنا رہا اور آج تک بھی معمہ ہے۔ اُسے یہ محسوس ہوا کہ اس میں جواب کی ضرورت تھی اور اُس نے بڑی مشکل سے یہ بات اپنے دوست ولبر فورس کے ذہن نشین کی کہ "میں نے کسی بدنیتی سے یہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ میں نے دیکھا کہ ہیسٹنگز کی بعض کارروائیاں ایسی خراب تھیں کہ میں دیانتداری کے ساتھ اس کی امداد نہ کر سکتا تھا" ولبر فورس کو یقین ہو گیا کہ جو کچھ وہ کہتا ہے درست ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بنارس والے معاملہ میں تو اُس نے چیت سنگھ پر جو دست درازی

کی تھی گو وہ اس مقدمے کے لئے ناکافی ہو سکتا کا نہ تھی اور قرین مصلحت بھی نہ تھی۔ اگر پٹ نے مکمل طور پر اُس کی حمایت نہیں کی تو وہ حق بجانب تھا۔

تاہم خواہ پٹ نے بالکل غیر جانبدارانہ طریق سے یہ اقدام کیا ہو اور اُس کی نیت میں سوائے حفظ عزت کوئی اور بُرا خیال نہ بھی آیا ہو یہ گمان ضرور ہوتا ہے کہ دوسرے اثرات[1] ضرور کارفرما ہوئے۔ ہیسٹنگز الزام سے مبرا نہ تھا لیکن ہمعصروں پر یہ بات خوب واضح تھی جیسا کہ اب تک واضح ہے کہ اصلی واقعات کا منصفانہ جائزہ لیتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ اُس کے خلاف جو الزامات تھے وہ اتنا وزن اور اہمیت نہ رکھتے تھے کہ اُن کی بنا پر ہیسٹنگز کے خلاف سرکاری طور پر مقدمہ چلایا جائے۔ پٹ کو اصلی واقعات کا علم تھا۔ وہ ایسا آدمی بھی نہ تھا کہ فرانسس کی شرمناک غلط بیانیوں یا برک کی مصورانہ فصاحت سے دھوکے میں آجائے۔ وہ فرانسس کی بغض و عناد والی طبیعت سے بخوبی واقف تھا اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ برک اُس کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے آخر یہ کیسے ہوا کہ پٹ نے غلط فیصلہ دے دیا۔ ایسا فیصلہ جو ہیسٹنگز کی سرکاری یا سیاسی زندگی کو بالکل برباد کر کے رکھ دے؟

اس سوال کا تسلی بخش جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دوست ڈنڈاس کے منحوس اور خود غرضانہ رسوخ سے اثر پذیر ہو گیا۔ پہلے اس کا ارادہ یہ تھا کہ بنارس والے الزام میں وہ ہیسٹنگز کی حمایت کرے اور اسی لئے اپنے

---

[1] اس خیال سے موجودہ زمانے کے مؤرخین کو اتفاق نہیں ہے۔

حامیوں کو نوٹس بھی جاری کیئے گئے کہ وہ فاکس کی تحریک کی مخالفت کرنے کے لیئے حاضر رہیں۔ اور اس کے علاوہ اُس نے فاکس کی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیئے خود بھی دلائل تیار کیں۔ لیکن عین آخری بحث کے دن اسے یہ ترغیب دی گئی کہ وہ ہیسٹنگز کی تائید کرنے کا خیال ترک کر دے۔ اُس کی دلائل کی کمزوری ہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح اُس نے فوری اور اچانک طریق سے اپنے منصوبے کو بدل ڈالا۔ جو وجہ اُس نے ہیسٹنگز کی مذمت میں پیش کی وہ نہ صرف منطق کے لحاظ سے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی غلط تھی لارڈ تھرلو نے بیجا طور پر یہ نہیں کہا کہ "اگر کوئی لڑکی اس طرز میں قانون کی تشریح کرتی تو اُسے معذور سمجھا جاتا"۔ اگر پٹ کا اخذ کردہ نتیجہ یہی تھا کہ ہیسٹنگز کے خلاف شہادت ایسی زبردست ہے کہ اُس کی صفائی پیش کرنا مشکل ہے تو وہ مقدمے کے نشیب و فراز کو زیادہ دلنشین اور یقین دلا دینے والے دلائل کے ساتھ پیش کر سکتا تھا۔ مگر اُس کی یہ رائے پورے غور و خوض کے بعد قائم نہ ہوئی تھی بلکہ آخری لمحہ میں جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ ڈنڈاس بحث والے دن کئی گھنٹے متواتر اُس کے پاس رہا اور اسی بات کا ذکر کرتا رہا۔

ڈنڈاس نے کئی دلائل پیش کئے ہونگے لیکن جو مشورہ اُس نے دیا وہ یقیناً غیر جانبدارانہ نہ تھا۔ گذشتہ زمانہ میں وہ ہیسٹنگز کا مانا ہوا مخالف تھا اُس نے روہیلہ جنگ کی مذمت کی۔ اُس نے ۱۷۸۲ء میں اُس کے خلاف ملامت کی قرارداد منظور کرائی۔ آپس کی مخالفت کے یہ تاثرات ابھی زائل نہ ہوئے تھے اور اس پرانی شکر رنجی کے علاوہ آئندہ کے اختلافات ابھی

سامنے تھے۔ ڈنڈاس 'بورڈ آف کنٹرول' کا سب سے بڑا رکن تھا۔ وہ ہندوستان کے عہدوں پر وہ پہلے ہی سے تاک لگائے بیٹھا تھا کہ اُن سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور اپنے سکاچ رشتہ داروں کو بھی نفع پہنچائے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس مالِ غنیمت میں کوئی حریف بھی شامل ہو۔ ہیسٹنگز اُس کا یقینی حریف تھا۔ وہ اب بادشاہ کا منظورِ نظر تھا اور کمپنی میں بھی اس کا بے حد رسوخ تھا۔ اگر اُس کا نام بے داغ رہا تو یہ ناممکن ہو گا کہ اُسے لارڈ بنانے کی سفارش نہ کی جائے یا اُسے بورڈ آف کنٹرول میں نہ لیا جائے۔ اور اگر وہ ایک دفعہ بورڈ میں آ گیا تو اُس کا لمبا تجربہ ہندوستان کے معاملات میں اُس کی وسیع معلومات اور کمپنی سے اُس کا دیرینہ تعلق یہ سب باتیں لازمی طور پر اُسے ڈنڈاس پر ترجیح دیں گی۔ اور وہ صرف حکمت عملی کے تعین میں بلکہ کمپنی سے اثر و رسوخ وغیرہ میں بھی یقینی طور پر سبقت لے جائے گا۔ مفادِ عامہ یا انصاف کا خیال کئے بغیر محض اپنی نفرت اور ذاتی مفاد کے مدِ نظر اُس نے پٹ کے ساتھ پورے تین گھنٹے تک مغز مارا، اور ہیسٹنگز کے خلاف زہر اُگلتا رہا، اور نوجوان وزیر اعظم کو ترغیب دیتا رہا کہ وہ اپنے صحیح فیصلے سے پھر کر غلط روی اختیار کرے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تھی جس کے متعلق ہمعصروں کا خیال ہے کہ اس تبدیلیٔ فیصلہ کا باعث ہوئی ہو۔ لارڈ تھرلو زبردست اور بے حد قابل وزیر خزانہ تھا اور ہیسٹنگز کے سب سے بڑے حامیوں میں سے بھی تھا۔ میجر سکاٹ سے بات چیت کرتے ہوئے اُس نے طعن آمیز حقارت سے

یہ ذکر کیا کہ پٹ خواہ مخواہ ہیسٹنگز کے لارڈ بننے کی سفارش کرنے میں تامل کر رہا ہے اور اگر پٹ ذمہ داری لینے سے ڈرتا ہے تو میں ایسی سفارش کرنے کو تیار ہوں۔ میجر سکاٹ احمق اور بے سمجھ آدمی تھا۔ اس نے کئی جگہ اس کا ذکر کیا اور ہوتے ہوتے یہ بات پٹ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی جس سے وہ آگ بگولا ہو گیا۔ وہ صرف ستائیس سال کا نوجوان تھا اور اپنے اختیار و وقار کے معاملہ میں بے حد حاسد۔ اُسے تھرلو کی یہ بات بے حد بری معلوم ہوئی کہ اس نے اُس کے سر چڑھنے کی جسارت کی ہے۔ پٹ خود تو ہیسٹنگز کے بڑے حامیوں میں سے نہ تھا اور تھرلو کی بڑھتی ہوئی سرپرستی کو دیکھ کر شاید وہ دل ہی دل میں جل گیا ہو اور اب ڈنڈاس کی ترغیب و تحریص نے اُسے ہیسٹنگز کے مخالف کر دیا ہو۔

تاہم کچھ بھی ہو تقدیر نے ان دونوں سے اپنا انتقام لیا۔ پورے اُنیس سال بعد پارلیمنٹ کے آخری اجلاس میں جس میں پٹ موجود تھا ایک قرارداد پیش ہوئی جس کی رو سے ڈنڈاس کی دیانتداری پر شبہ کیا گیا اور پٹ کو بے حد رنج و غم دیتے ہوئے یہ قرارداد منظور ہو گئی۔ ڈنڈاس پر مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن وہ بھی ہیسٹنگز کی طرح بری ہو گیا۔ لیکن دوبارہ اُسے کوئی عہدہ نہ دیا گیا۔

اب عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ہیسٹنگز پر مقدمہ چلانا ایک بڑی غلطی تھی۔ عظیم الشان خدمات کا یہ بہت ہی برا صلہ تھا۔ لیکن اگر ہم ژرف نگاہی سے کام لیتے ہوئے انسانی تقدیر کی گہرائیوں پر نظر ڈالیں

توہمیں یقین ہو جائے گا کہ وہ خود ہی اس کا باعث تھا۔ انسان کے اپنے ضمیر ہی کے ناگزیر نتائج ہمیشہ سخت سزا یا عذاب کا موجب ہو جاتے ہیں یہ مقدمہ غرور کے بعد انتقام و سزا کی سادہ مثال تھا۔ گورنر جنرل ہیسٹنگز کو اپنے طویل دورِ حکومت میں آہستہ آہستہ یہ گمان ہونے لگ گیا تھا کہ وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ درست ہے اور جو کوئی اُس کی مخالفت کرتا ہے وہ ضرور غلطی پر ہوتا ہے۔ اگر ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء کے درمیانی عرصہ کی اُس کی ساری تحریروں اور خط و کتابت کا مطالعہ کیا جائے تو ہندوستان سے چلے جانے سے پہلے تک اُن میں یہی خود ستائی اور غرور پایا جاتا ہے۔ یہ خوفناک بلکہ سب گناہوں سے زیادہ مہلک گناہ اُس کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ اُس کے دل و دماغ کی خطرناک حالت کا اندازہ اُس کے اُس تبصرے سے واضح ہوتا ہے۔ جو اُس نے ہندوستان کی حکومت کے متعلق اپنے بحری سفر کے دوران میں لکھا۔ یہ تبصرہ اُس کی خود رائی اور آسودہ خاطری کی وجہ سے بھیانک بن کر رہ گیا۔ نمونے کے طور پر صرف ایک مثال ہی کافی ہے۔ لکھتا ہے کہ "میں نے آج تک کوئی فوجی منصوبہ یا فوجی نقل و حرکت کی تجویز ایسی وضع نہیں کی اور نہ اُس کی اجازت دی ہے جس میں پوری کامیابی نہ ہوئی ہو اور تمام مطلوبہ مقاصد پورے نہ ہوئے ہوں۔ اور عمر بھر میں میں کسی ایسی سیاسی گفت و شنید میں مصروف نہیں ہوا جس کا نتیجہ میری خواہش اور توقع کے مطابق برآمد نہ ہوا ہو۔ یہی نتیجہ اُن اصولوں کی صحت اور

ناقابلِ انکار حقیقت کا قطعی ثبوت ہے۔ جن پر میں نے اِن دونوں معاملات میں عمل کیا ہے۔"

یہ بات قابل تعجب نہیں کہ پٹ اور ڈنڈاس جنہیں اس قسم کا مسالہ پڑھنے کے لیئے دیا گیا ضرور ہیسٹنگز کی سرگرم امداد کرنے میں ٹھنڈے پڑ گئے ہونگے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تعجب کی بات نہیں کہ اُس نے اپنی خود اعتمادی کے نشے میں اندھا ہو کر اپنے دشمنوں کی بلا ارادہ ہتک آمیز مخالفت کرتے ہوتے یہ کھلی دعوت دی ہو کہ جو تمہاری مرضی میں آئے کر لو اور اپنے دل کا غبار نکال لو اور اس طرح اپنی تباہی آپ مول لی ہو۔ اگر وہ اپنی گوناں گوں پریشانیوں میں موقع بموقع تھوڑی سی نرمی بھی دکھاتا اور اپنے اعمال میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتا تو دار العوام کے سب رکن فوراً اُس کی طرفداری پر آمادہ ہو جاتے۔ کیونکہ اُس کے مخالفین شور و غوغا اور بغض و عناد سے پہلے ہی متنفر تھے۔ لیکن ہیسٹنگز اپنی غلطی تو کبھی مانتا ہی نہ تھا۔ وہ تو اپنی شاندار خدمات کا ذکر کرنے سے بھی گریز کرتا تھا کیونکہ اس کے خیال میں اس طریق عمل سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ بالکل بے گناہ نہ تھا وہ اس خیال میں مست تھا کہ اس کے سارے اعمال نکتہ چینی سے مبرا تھے اُس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اور اس لیئے کوئی بات ہی ایسی نہ تھی کہ اُن غلطیوں کا ازالہ پورا کرنے کے لئے اپنی شاندار خدمات کا ذکر کرے۔ ممکن ہے کہ یہ اُس کی پاک ضمیری کا تقاضہ ہو لیکن غرور کا مرض دنیا ہونے والا تھا۔

یہ مقدمہ بڑی نشر و اشاعت اور دھوم دھام کے ساتھ فروری ۱۷۸۸ء

میں شروع ہوا۔ نمائشی اور 'فیشن' والی دُنیا کے لئے یہ ایک تماشا اور تفریح تھی
ویسٹ منسٹر ہال میں ٹکٹ داخلہ حاصل کرنے کے لئے ایک جم غفیر جمع ہو گیا
برک۔ فاکس۔ شیریڈان اور اس مقدمہ کے دوسرے حامیوں نے سامعین
کے لئے اپنی فصیح و بلیغ تقریروں کا شاندار مظاہرہ کرنے کے لئے خوب
تیاریاں کر رکھی تھیں۔ بعض تقریریں تو کئی کئی روز تک جاری رہیں۔ آج کل کے
زمانے میں ایسی تقریریں نہ صرف اپنی طوالت کے باعث بلکہ محض مصنوعی اور
بیہودہ طور پر مبالغہ آمیز ہونے کی وجہ سے بھی ناقابل برداشت تھیں۔ لیکن
اٹھارھویں صدی کے سننے والے انہیں پسند کرتے تھے۔

یہ جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ مقدمہ طول پکڑ جائے گا۔ پہلے سال کے ختم ہونے
پر اس مقدمہ کی تدریجی ترقی پر غور کرتے ہوئے یہ اندازہ لگایا گیا کہ اس میں
پورے بیس سال لگیں گے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس سال بھر میں صرف پانچ
چھ مہینوں کے لئے ہوا کرتا تھا اور اُسے ہیسٹنگز کے مبینہ جرموں کی تحقیقات
کرنے کے لئے اور بھی بہتیرے کام تھے۔ دوسرے سال کے اختتام پر
جب عدالت پورے چھتیس روز اجلاس کرنے کے بعد پارلیمنٹ کے آئندہ
اجلاس تک ملتوی ہونے کے لئے برخاست ہونے لگی تو ہیسٹنگز نے یہ
پیشکش بھی کی کہ میں اپنی صفائی کے حق سے دستبردار ہوتے ہوئے یہ درخواست
کرتا ہوں کہ جو شہادت اب تک مثل پر آچکی ہے اُسی کی بنا پر جو فیصلہ مناسب
سمجھا جائے کر دیا جائے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ کارروائی اتنی لمبی ہو جائیگی
تو میں ضرور جرموں کا اقبال کر لیتا۔ لیکن استغاثہ کی شہادت ابھی مکمل نہ ہوئی تھی
اور یہ حکم ہوا کہ سماعت جاری رہے۔

اس وقت تک مقدمہ کی دلچسپی تو ختم ہو چکی تھی استغاثہ کی طرف سے مقدمے کی تکمیل کا کام ایسی آہستگی سے جاری اور بیزاری کا باعث ہو رہا تھا اور خال شہادت کے متعلق نہ ختم ہونے والی بحثیں ہوتیں اور ۱۷۹۰ء میں نئی پارلیمنٹ کے آ جانے پر یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا ایک پارلیمنٹ کے ختم ہو جانے کے بعد مقدمہ بھی باقی رہا یا نہیں۔ طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ مقدمہ جاری رہے گا لیکن استغاثہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ بعض الزامات واپس لے لے اور مئی ۱۷۹۱ء میں استغاثہ کی شہادت و ثبوت ختم ہوا۔ اور ہیسٹنگز نے اپنی صفائی شروع کی۔

وہ اس کارروائی سے بے نیاز ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ معاملہ ختم ہو لیکن خاتمہ ابھی دور تھا۔ امیر تو اس مقدمے کی وجہ سے اتنے بیزار ہو چکے تھے کہ بعض اوقات اتنی تعداد میں بھی حاضر نہ ہوتے تھے کہ عدالت قائم ہو سکے۔ برک گواہوں پر طول طویل اور ناقابل برداشت جرح کرنے پر مُصر تھا اور اس طرح صفائی کے پیش ہونے میں پورے تین سال اور لگے۔ ۱۷۹۳ء میں ہیسٹنگز نے پھر یہ درخواست کی کہ فوراً حکم سنا دیا جائے۔ اُس نے اُنہیں یاد دلاتے ہوئے یہ عرض کیا کہ "میں بھی بہت جلد اُن عظیم المرتبت ججوں کے ساتھ شمار ہونے والا ہوں جو سال بسال اس مقدمے کے دوران میں فوت ہوتے رہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ اُن کی موت کی بھاری تعداد کی وجہ سے کہیں باقی رہنے والوں کے فیصلے سے بھی میں محروم نہ ہو جاؤں۔" تھوڑے سے بحث مباحثہ کے بعد یہ درخواست بھی مسترد ہوئی اور مقدمہ ۱۷۹۴ء کے 'سیشن' پر ملتوی ہوا۔

اب تو عوام الناس کو اس سے کوئی دلچسپی ہی نہ رہی۔ نہ صرف انقلاب فرانس اور فرانس کے خلاف جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی توجہ دوسری طرف تبدیل

ہوگئی بلکہ اب اس کا آخری فیصلہ بھی نظر آنے لگ گیا تھا۔ صرف برک ہی کو یہ امید تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہیسٹنگز کو مجرم قرار دلوا کر ہی چھوڑے گا۔ جب لارڈ کارنوالس بھی بڑے زور شور کے ساتھ ہیسٹنگز کے حق میں شہادت دے گیا تو اس کے بعد بھی برک نے ہمت نہ ہاری اور تازہ الزامات کے ادخال کی کوشش کرنے لگا کیونکہ پہلے الزام تو بالکل جھوٹے ثابت ہو چکے تھے۔ عدالت نے اس کی اجازت نہ دی۔

۲۳ اپریل ۱۷۹۵ء کو آخری فیصلہ سنایا گیا۔ سماعت کے وقت ایک سو ساٹھ لارڈ موجود تھے لیکن اُن میں سے صرف ۲۹ امیر ایسے تھے جو باقاعدگی کے ساتھ سماعت میں حاضر رہے اور اب اتفاقاً انہی کو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔ ہر ایک الزام سے کثرت رائے سے ہیسٹنگز بری ہوا۔ اس کے خلاف سب سے زیادہ ووٹ صرف چیت سنگھ اور بیگمات اودھ والے الزام میں پڑے جن کی تعداد صرف چھ تھی یعنی موافق ۲۳ اور مخالف چھ۔ رائے شماری کے ختم ہونے کے بعد لارڈ چانسلر نے اُسے بلا کر کہا کہ آپ کو بری کیا جاتا ہے۔ اس کی عزت و آبرو برقرار رہ گئی لیکن اس مقدمہ پر ایک لاکھ پونڈ خرچ ہوا، جو ہندوستان کی ساری کمائی سے بھی زیادہ تھا۔ مالی لحاظ سے وہ اس مقدمہ کے بعد بالکل برباد اور تباہ حال ہو گیا۔

کیا اس مقدمہ سے کوئی خاص مقصد حاصل ہوا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ برک کی ملامت آمیز تقریروں سے گو وہ بے حد غیر منصفانہ تھیں لوگوں کو کمپنی کی بدعملی اور بدنظمی کا پورا احساس ہو گیا اور اس مقدمہ کے بعد ہندوستان میں نئے نظم و نسق کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ خیال غلط ہے۔ کمپنی کے ملازموں کی بدعنوانیاں ہیسٹنگز کے مقدمے کی سماعت کی تقریروں سے پبلک کے نوٹس میں نہیں آئیں۔ وہ پہلے

ہی سے بدنام تھے اور گذشتہ بیس سالہ بحث مباحثہ میں یہی تذکرہ رہتا تھا اور جو جو اصلاحات اس سلسلہ میں نافذ ہوئیں وہ مقدمے سے پہلے طے پا چکی تھیں۔ ان میں سب سے ضروری اصلاح تو یہ تھی کہ پٹ کا وضع کردہ مسودۂ قانون ہند منظور ہُوا، اور لارڈ کارنوالس کو ۱۷۸۵ء میں گورنر جنرل ہند مقرر کر کے بھیجا گیا۔ اس قانون کی رُو سے بورڈ آف کنٹرول قائم ہُوا، اور ہندوستان کے نظم ونسق کی ذمہ داری پارلیمنٹ کو تفویض ہوئی۔ لارڈ کارنوالس کے تقرر سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ کمپنی کے ملازمین کی اصلاح کا کام جو ہیسٹنگز کے زمانے ہی میں شروع ہو گیا تھا اب زیادہ پختہ ارادے اور زیادہ مؤثر طریق سے پورا کیا جائے گا۔ کیونکہ کارنوالس مسلمہ دیانتداری اور خود مختاری کا مالک تھا اور اُس کے اختیارات میں وہ توسیع کر دی گئی تھی جس سے ہیسٹنگز محروم رہا۔ اُسے اپنی مجلس عاملہ کے اراکین کی بداعمالیوں پر اُن کی ناراضگی کے خوف سے چشم پوشی کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ وہ اس بات کا روادار تھا کہ اُن کے آدمیوں کو اچھے اچھے عہدے دے۔ ہیسٹنگز کے برعکس وہ اس بات سے بھی بے نیاز تھا کہ ڈائرکٹروں کے حکم کی تعمیل کرے جن کے متعلق ہیسٹنگز کا خیال تھا کہ وہ 'ظالمانہ لوٹ مار کے معدن ہیں'۔ کارنوالس نے اپنی خود اعتمادی اور پٹ کی حمایت پر پورا بھروسہ کر کے کمپنی کے ملازمین کے معیار و اخلاق میں نمایاں اصلاح کی۔ ادھر برک اپنی برق بیانی میں مصروف رہتا اور اُدھر کارنوالس کام کرتا۔

اس طرح اس مقدمے کے ساتھ ساتھ ہی بُرے وقت اچھے وقتوں میں تبدیل ہونے لگے لیکن یہ مقدمہ اس تبدیلی کا باعث نہ تھا۔ اُس وقت تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہُوا، لیکن آئندہ نسل کی نگاہوں میں یہ واقعہ یادگار رہے گا۔

اِس مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد ہیسٹنگز کوئی بیس سال تک ڈیلز فورڈ میں پُرامن پرائیویٹ زندگی گذارتا رہا۔ اُس کی دیرینہ آرزو کہ وہ اپنے بزرگوں کی جائے رہائش کو دوبارہ حاصل کرے پوری ہو چکی تھی۔ اُس نے نمایاں فضول خرچی کی اور اس مکان کو ازسرِ نو تعمیر کرنے اور اس کے باغات درست کرنے میں پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ زرخرید کو شامل کرتے ہوئے کوئی ساٹھ ہزار پونڈ اس پر صرف ہوا۔ اتنا روپیہ خرچ کرنے کی توفیق نہ تھی۔ جونہی مقدمہ سے فراغت ہوئی اُس کے پلّے ایک پائی نہ رہی اور بُری طرح مقروض بھی ہو گیا۔ اُس نے اخراجات مقدمہ کی ادائیگی کے لئے درخواست دی لیکن پِٹ نے تنگدلی کی وجہ سے اُسے مسترد کر دیا۔ اور جب ڈائرکٹروں نے اُس کی امداد کرنا چاہی اور اخراجات کی منظوری کے علاوہ پانچ ہزار پونڈ سالانہ بطور وظیفہ بھی منظور کیا تو بورڈ آف کنٹرول نے جس کی منظوری نئے قانون ہند کے مطابق ضروری تھی اس کی منظوری نہ دی۔ تاہم ڈائرکٹروں نے اپنے مظلوم ملازم کے دعوے کو پامردی اور قابلِ تعریف طریق سے سنبھالا اور آخرکار مصالحت کی صورت پیدا ہو گئی۔ ہیسٹنگز کو چار ہزار پونڈ سالانہ بطور وظیفہ اور پچاس ہزار پونڈ بطور قرض بلا سود بھی دیا گیا۔ جب ہیسٹنگز سولہ ہزار پونڈ ادا کر چکا تو بقایا معاف کر دیا گیا۔

ڈیلز فورڈ میں ہیسٹنگز مزے سے ایک معزز زمیندار کی حیثیت سے رہنے لگا اُس نے مویشی پالے اور ہندوستانی پودے اُگانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ اپنے دوستوں کی خاطر تواضع کیا کرتا اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ ڈالتا۔ اگرچہ اُسے اس بات کا بیحد صدمہ تھا کہ نہ تو اُسے کوئی اعزاز ملا اور نہ کوئی عہدہ۔ وہ آہستہ آہستہ آرام و تنہائی کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہو گیا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "میرے لئے یہی کافی ہے کہ اپنی

قسمت پر قناعت کروں یعنی مجھ پر مقدمہ چلے۔ مجھ پر طعن آمیزی ہو۔ میں بُری ہو جاؤں اور فراموش ہو جاؤں۔"

وہ محسوس کرتا تھا کہ یہ کچھ کم شکر گزاری کی بات نہیں کہ اُسے اپنے بچپن کے ماحول میں زندگی کے آخری ایام گذارنے کا موقع ملا۔ وہ لکھتا ہے کہ "گو بہت تھوڑے ماہرینِ سیاست کو میری نسبت اس دنیا اور اس کی چال کے تلخ تجربہ کی شکایت کا موقع ملا ہوگا۔ لیکن میں خدائے کریم کا اس عنایت بے غایت کا کما حقہٗ شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں جس کی نوازش اور مہربانی نے مجھے اپنی لمبی زندگی جو بیکار ثابت نہیں ہوئی کے آخری ایام ایسے ماحول میں گذارنے کا موقع دیا جو مجھے ذاتی اور روایتی طور پر بیحد عزیز ہے۔"

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اُسے اس امر کا اطمینان ہوتا گیا کہ وہ تعصبات اور نفرت جو اُس کے خلاف اُبھاری گئی تھی خود بخود مرتی جا رہی ہے۔ ۱۸۱۳ء میں اُسے اس کا عملی ثبوت بھی مل گیا جب اُسے دارالعوام کے سامنے پیش ہونے کے لئے طلب کیا گیا۔ کمپنی کے شاہی فرمان کی تجدید زیرِ غور تھی۔ اور اِس لئے اُسے محکمۂ مال اور عدل و انصاف کے معاملات پر شہادت دینے کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اُس وقت اُسکی عمر ۸۱ برس کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "جس وقت میں اُٹھ کر واپس جانے لگا وہ بیک وقت کسی اندرونی جذبہ سے مجبور ہو کر برہنہ سر کھڑے ہو گئے اور جب تک میں اُن کے کمرے سے باہر نہ نکل گیا وہ برابر کھڑے رہے۔"

اس خوش کن واقعہ کے کئی سال بعد تک وہ زندہ رہا۔ وہ خوش اور قانع تھا

اور اب تک اُس کے قوائے جسمانی میں کسی قسم کی خاص کمزوری نہ آئی تھی۔ ۱۸۱۵ء میں وہ اپنے ایک دوست کو لکھتا ہے۔ "مجھے گذشتہ واقعات پر نظر ڈالنے کیلئے ایسی لمبی عمر عطا ہوئی ہے۔ اگرچہ میری جسمانی اور ذہنی قوتوں میں کچھ نقص ضرور آگیا ہے لیکن وہ ابھی تک تباہ نہیں ہوئیں۔ اور جب مجھے میرا حافظہ گذشتہ واقعات کی یاد دلاتا ہے تو میں حیران رہ جاتا ہوں۔ جس طرح ریت کا وہ ذرہ جو ملنٹے کی میز کے گیند کا رُخ بدل ڈالے میری زندگی نے بھی دُنیا کے لڑھکتے ہوئے واقعات کا رُخ ایسی طرف بدل دیا جو میرے بغیر شاید معرض وجود ہی میں نہ آسکتے۔" اُس نے یاد کر کے بتایا کہ یہ حالات آج سے ٹھیک ۶۵ سال پہلے رونما ہوئے تھے۔

تین سال بعد وہ بے حد بیمار ہوگیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُور سے لوگوں کے شور و غوغا کی آواز سنائی دیتی ہے اور چند ہفتوں تک وہ سخت درد میں مبتلا رہا۔ ۲۲ر اپریل ۱۸۱۸ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے کمپنی کے ملازمین، اپنے ملک اور ہندوستان کے لئے دعا مانگی اور یہ کہا کہ "میں مرتے وقت اپنے دل میں ایک جذبہ پاتا ہوں جو ہر رعایا کے دل میں میرے لئے ہوگا۔" اُسے ڈیلزفورڈ میں دفن کیا گیا۔

اٹھارھواں باب

ہیسٹنگز کے افعال و اطوار اور اُسکے متعلق رائیں

ہیسٹنگز سب سے پہلے کمپنی کا وفادار ملازم تھا۔ اُس نے ڈائرکٹروں کو بتایا کہ "جس سرگرمی اور جوش سے مَیں نے آپ کا حقِ خدمت ادا کیا ہے اُس سے زیادہ یا اُس کے برابر کوئی ملازم نہیں پہنچ سکا"۔ اِسی جملہ سے اُس کے عہدِ ملازمت کی کارکردگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اُس کی سرگرمی سے کمپنی تباہی سے بچ گئی لیکن کمپنی کے گناہوں کا خمیازہ خود اُسے بھگتنا پڑا۔ کیونکہ کمپنی کے دشمن صرف اسی کو سب سے بڑا حرامزادہ سمجھتے تھے۔ تیرہ برس تک وہ کمپنی کا سب سے نمایاں ملازم رہا۔ کمپنی نے دو مرتبہ اُس کی امداد کرکے وزارت اور پارلیمنٹ کی تجویزوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اِس لئے اُس نے سارے غم و غصے، ناراضگی اور حسد و بغض کا طوفان جو کمپنی کے خلاف اُن لوگوں کی جانب سے اُٹھا جن کو اِس کی مراعات حاصل نہ تھیں لے دے کر اِسی بیچارے پر ٹوٹ پڑا۔[1] اُن کی نظروں میں اس ظلم و استبداد کا بانی مبانی

---

[1] یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کمپنی کی بدنظمی کے بدترین زمانے میں برک نے دیوانہ وار کمپنی کا سامان و ذخیرہ خرید لئے اور وہ کمپنی کی مراعات کا زبردست حامی تھا۔ جب وہ سارا روپیہ برباد کر چکا اور کمپنی کی مالیات سے اُس کا کوئی تعلق نہ رہا تو وہ کمپنی کی بدعنوانیوں کے اظہار پر اُتر آیا۔

یہی شخص تھا۔

اُس پر الزام لگانے والوں میں سے چند ایک اُسے ذاتی طور پر نہ جانتے تھے
اُنہیں اپنے دوست فلپ فرانسس سے یہ معلوم کرکے بے حد تعجب ہوا کہ یہ خون اور لالچ
کا پتلا بیحد غریب، منکسر المزاج اور خوش اخلاق ہے"۔ اور جب سماعت کے موقع پر
اُنہوں نے اس کمزور، دُبلے پتلے، زرد رُو شخص کو غور سے دیکھا تو اُنہیں یقین نہ آیا
کہ ایسا شخص اُن کے پہلے خیال کے مطابق سفاک، ظالم اور بیرحم انسان ہو سکتا ہے۔

اس کے پچاس سال بعد میکالے[1] کو بھی تعجب ہوا۔ کیونکہ ہیسٹنگز کے متعلق جو
خیالات اُس نے پہلے سے قائم کر رکھے تھے اُن کے مقابلے میں اُس نے بنگال
میں آکر بڑی شہرت اور ہر دلعزیزی کا مالک پایا۔ چونکہ وہ خود وِگ پارٹی سے تعلق
رکھتا تھا اُسے یہ ماننا پڑتا تھا کہ ہیسٹنگز نے بڑے بڑے جرم کئے ہیں۔ اگر
ایسا نہ کیا جائے تو وِگ پارٹی مورد ملامت ہو جاتی ہے کہ اُس نے اتنا بڑا ظلم اور
ناانصافی کی۔ لوٹ کھسوٹ اور بد دیانتی کے الزامات تو نمایاں طور پر بے بنیاد تھے
لیکن ہیسٹنگز کے عہد کے کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن پر اگر بجائے خود غور
کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ سخت گیر، بے باک اور بے اصول آدمی مزور تھا۔ میکالے
نے ان واقعات کو جمع کیا۔ اُنہیں بڑی فصیح اور بلیغ عبارت میں قلمبند کیا اور اُسے
ایک ایسے مدبر ملک کی صورت میں پیش کیا جو اخلاقی پابندیوں سے بے پروا اور
دوسروں کے احساسات اور جذبات سے قطعی نابلد ہو۔ تاہم اُس کے لئے یہ بات

---

[1] میکالے ۱۸۳۴-۳۸ء میں گورنر جنرل کی کونسل کا رکن قانون تھا۔ وارن ہیسٹنگز پر اس کا مضمون ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔

مشکل ہو گئی کہ جو تصویر اُس نے الفاظ کی صورت میں اس شخص کی کھینچی تھی وہ حالات کے برعکس تھی اور وہ دونوں میں کوئی مطابقت پیدا نہ کر سکا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "وہ سخت گیر اور غیر محتاط آدمی تھا جس نے چیت سنگھ کے معاملہ میں انتہائی بے رحمی اور سختی برتی۔ اور اُن خواجہ سراؤں کے اُن دردناک آنسوؤں پر رحم نہ کھایا جنہیں دیکھ کر دلیر سے دلیر انگریز جنگ آزماؤں کے دل بھی پانی پانی ہو گئے تھے۔" اصل حالت یہ تھی کہ بنگال میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے ادنےٰ اور اعلےٰ لوگوں میں وہ حیرت انگیز طریق سے مقبول تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میکالے نے چند سال بنگال میں خود گذارے تھے اور اُسے ہیسٹنگز کی شہرت کا حال بھی اُسے معلوم ہو چکا تھا۔ وہ اس کا اقبال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "عام مخلوق کے دلوں میں گھر کر جانے اور اُن کا دل موہ لینے کا جو طریقہ ہیسٹنگز کو یاد تھا کہ وہ کسی حکمران میں نہیں پایا جاتا، اور وہ سب سے سبقت لے گیا تھا۔ اُسکو ایسی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل تھی جو دوسرے گورنروں کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ لیکن اُنہیں یہ چیز کبھی حاصل نہ ہوئی۔" اب اس سے خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ اگر وہ دوسروں کے حقوق و جذبات سے قطعی بے پروا اور مستغنی تھا تو اُسے ایسی ہمہ گیر مقبولیت کیونکر حاصل ہوئی۔ میکالے سے اور کچھ بن نہ پڑا تو کمزوری سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا کہ "اُس کی بے رحمی اور ظلم کی داستانیں ملحقہ ریاستوں سے متعلق ہیں نہ کہ بنگال کے لوگوں کے خلاف۔ حالانکہ ملحقہ ریاستوں کے حکمران بھی اسکی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے۔

حق یہ ہے کہ میکالے وِگ پارٹی کے تعصب سے متاثر ہو چکا تھا اور ہیسٹنگز کے متعلق پہلے ہی سے مخالف رائے قائم کر چکا تھا جو بالکل یکطرفہ تھی۔ وہ اُس کی ذہنی قابلیت۔ اُس کی شجاعت۔ اُس کی اہلیت اور اُس کے شریفانہ تحمل و بردباری کی بڑی تعریف کرتا ہے لیکن اُس کے بے نظیر اور اعلیٰ اوصاف یعنی ہمدردی اور اعتدال پسندی کی قدر کرنے سے قاصر ہے حالانکہ یہی صفات حمیدہ ایسی تھیں جو اُس کے طرز عمل میں سنہری زنجیر کی طرح درخشاں نظر آتی ہیں اور باوجود آب و ہوا کی سختی اور لگاتار مخالفت اور لعنت ملامت کا شکار ہونے اور بیشمار مشکلات کا سامنے کرنے کے اُس کی اِن صفات میں کبھی کسی قسم کا فرق نہ آیا۔

اس میں شک نہیں کہ ہیسٹنگز میں دوسرے قابل آدمیوں کی طرح خودسری کا مادہ موجود تھا اور یہ خودسری کی عادت طاقت و اختیار ملنے کے باعث بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کا پہلا شرمیلا پن جس پر کلائو نے بھی اعتراض کیا تھا۔ اب خود اعتمادی میں بدل چکا تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات غرور و تمکنت اور اکھڑ پن بھی ظاہر ہو جاتا تھا۔ صرف فرانسس ہی کو یہ شکایت نہ تھی کہ ہیسٹنگز ہمیشہ اپنی مرضی پر عمل کرنے کا عادی ہے اور کاروبار سرکار میں اپنا واحد عمل دخل چاہتا ہے۔ لیکن اس کی پہلے زمانے کی شرافت اور شرم و حیا کی عادت جس کا نقشہ رینلڈس نے بجا طور پر کھینچا ہے فراموش نہیں کی جا سکتی۔ کوپر جو ویسٹ منسٹر میں اُس کا ہمجولی تھا اُسے نیک فطرت لڑکا سمجھتا تھا۔ میکالے بھی یہ بات لکھنے کو تو لکھ گیا ہے لیکن اسکی اہمیت کو نظر انداز کر گیا ہے وہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ جو نیک فطرت کوپر ایسے شاعر کو

موثر کئے بغیر نہ رہ سکی وہ ہیسٹنگز کی تمام عمر میں اُس کے کردار کا جزو لاینفک رہا ہے۔ اسی نیک فطرتی سے ہر شخص اُس کے لڑکپن سے لے کر بڑھاپے تک متاثر ہو جاتا تھا یہی اُسکی ہر دلعزیزی کا راز تھا اور یہی نیک فطرتی اور خوش مزاجی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ برسوں تک مایوسی اور مصائب جھیلنے کے بعد بھی وہ اپنے ذہنی اعتدال کو بخوبی قائم رکھ سکا۔

اُس کی اس نیک مزاجی سے خود فرانسس بھی حیران تھا ہیسٹنگز کو بددیانت انتہائی گیرا سمجھتے ہوئے اُسے مجبور ہو کر یہ نتیجہ نکالنا پڑا کہ اُس کی محبت اور خوش خلقی محض ریاکاری اور دکھاوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ اپنی مسکراہٹ اور معصومیت کی نمائش کچھ ایسے طریق سے کر سکتا ہے کہ کشادہ دل آدمی کا دل موم ہو جائے اور جو آدمی اُس کے ہتھکنڈوں سے واقف نہ ہو دھوکا کھا جائے۔" دوسرے لوگ اُس کی مسکراہٹ اور خوش خلقی کو اصلی معنوں میں بے لوث سمجھا کرتے تھے۔ جو کریم النفس اور مخلص طبائع کا خاصہ ہوتا ہے۔ اُس زمانے کا ایک ہندوستانی مصنف (منشی غلام حسین خاں مصنف سیر المتاخرین) جو اُسے ۱۷۸۱ء میں ملا اُس کے متعلق لکھتا ہے کہ "وہ باطنی خوبیوں کا سرچشمہ ہے"۔ اس کے علاوہ بنارس کے پنڈت اور برہمن جہاں چیت سنگھ پر مبیّنہ ظلم و ستم ڈھایا گیا یہ کہتے ہیں کہ جب کبھی مسٹر ہیسٹنگز گورنر جنرل جو وسیع قابلیت کا آدمی ہے یہاں آتا ہے تو ہر درجہ اور ہر طبقے کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں وہ اپنے حسن سلوک سے ہر ایک کے دل کو خوش کرتا ہے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ دکھی لوگوں کی دلجوئی کرتا ہے۔ اُن پر ترس کھاتا ہے۔ خوش اخلاق ہے اور ہر کہ و مہ کی بلا امتیاز دادرسی اور حفاظت

کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے۔

مذکورہ بالا راؤں سے اُس عظیم المرتبت حکمراں کی خوش کن تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ جو خندہ پیشانی والا۔ خوش اخلاق اور ہمدرد شخصیت کا مالک ہے۔ یہ تصویر میکالے کی تصویر سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اُسے ایک سخت دِل حقیقت پسند شخص کی حیثیت میں پیش کرتا ہے جس کے "اصول ڈھیلے اور نرم" تھے۔

جس طرح میکالے ہیسٹنگز کے کردار کے شریفانہ پہلو کو بالکل نظر انداز کر گیا اور اُس کی صحیح قدر و قیمت نہ جانچ سکا اُسی طرح وہ اُس کو کامیاب مدبّر ہونے کی حیثیت سے بھی گہری نظر سے نہ دیکھ سکا۔ بنگال میں حکومت انگلشیہ کا قیام لالچ اور دست درازی کی وجہ سے عمل میں آیا۔ میکالے کو اُس کی ذلیل ابتداء اور متشددانہ طریقِ عمل کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ کمپنی کے ملازمین "منچلے"۔ "عقلمند"۔ "امارت کے شوقین" اپنی تہذیب کی طاقت بغیر کسی رحم کے استعمال کیا کرتے تھے۔ انگریزوں کی زبردست دستبرد کے مقابلہ میں بنگال کے لوگ عاجز تھے۔ اُنکی عافیت اسی میں تھی کہ وہ اپنے فاتحین کی حکمت عملی میں اعتدال اور نرم دلی کی توقع رکھیں۔ میکالے لکھتا ہے کہ "بعد کے زمانے میں برک کی برق بیانی کی بدولت اور پارلیمنٹ کا حکومت کی ذمہ داری قبول کرنے پر لوگوں کو عافیت حاصل ہو گئی۔ لیکن وہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کو اس بات کا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ وہ اس کھلی حقیقت کو دیکھنے سے قاصر ہے کہ برک کی فصاحت نہیں بلکہ ہیسٹنگز کی اپنی مثال نے کمپنی کے ابتدائی کھُلے لالچ اور تشدد کو راہ راست پر لانے اور اُن کے رویہ میں کافی تبدیلی

پیدا کرنے میں بڑی حد تک مدد کی۔ اور جب تک اُن ملازمین کمپنی کی نیتوں کو درست نہ کیا جاتا جو موقع پر موجود تھے تو حکومت انگلشیہ کی شیرازہ بندی ضروری شروع ہی میں کسی مسلمہ اصول کی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے بکھر جاتی۔ یہ تبدیلی محض ہیسٹنگز کے رسوخ اور ذاتی مثال ہی کی وجہ سے عمل میں آئی۔

ہیسٹنگز اپنے ہمعصروں کے درمیان ہندوستان میں بہت بلند ہستی رکھتا تھا۔ اُن لوگوں کا مقصد واحد یہی تھا کہ وہ بیشمار دولت پیدا کریں۔ وہ ایک مدبر ملک تھا نہ کہ لٹیرا۔ وہ اپنی روشنیٔ طبع کی وجہ سے اس سلطنت عظیم کو اُن نظروں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جیسے ایک سمندری ڈاکو تجارتی جہاز کو دیکھتا ہے میکالے کو اس امر کا اعتراف ہے لیکن وہ پوچھتا ہے کہ "کیا 'اعتدال پسندی' 'نرم دلی' اور باقاعدہ 'نظام حکومت' ہیسٹنگز کے تدبر کا نتیجہ سمجھا جائے"؟ میکالے کا خیال ہے کہ ہیسٹنگز برابر اسی اصول پر مستعدی کے ساتھ کاربند رہا کہ "جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس"۔ وہ لکھتا ہے کہ "ضوابط۔ انصاف۔ جذبات انسانیت'۔ 'عہد ناموں کی پابندی یا اُن پر اعتماد' ہیسٹنگز کے نزدیک کچھ وقعت نہ رکھتے تھے۔ جب وہ حکومت کے فوری مفاد میں رکاوٹ کا باعث ہو جائیں"۔ یہ تنقص آمیز فیصلہ ہیسٹنگز کی اپنی کارکردگی یا اُس کے متعلق تحریر شدہ راؤں کے ساتھ کسی طرح بھی مطابقت نہیں کھاتا۔

ہیسٹنگز کے عہد حکومت پر اگر تاریخی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے اعمال کے آخری نتائج عام طور پر اُس کے اپنے ارادے اور توقع کے خلاف ہی نکلتے تھے۔ مثلاً بنگال میں کمپنی کی حکومت کو دیوالیہ پن طور

بدنظمی سے نجات دینے اور اُس کے بعد جنگ کے زمانے کے نازک ترین سالوں میں اُسے محفوظ رکھنے سے، اس نے مفصلہ ذیل اٹل نتائج ظاہر ہو جانے کا امکان پیدا کر دیا۔ (۱) کہ مملکت برطانیہ تمام ہندوستان میں وسعت پذیر ہو جائے (۲) جو ہندوستانی حکمران بچ رہیں وہ محض کٹھ پتلی کا کام دیں۔ (۳) ہندوستان میں انگریزی طرز کا نظام قائم ہو جائے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک مقصد کا بھی وہ خود خواہشمند نہ تھا۔ پہلے مقصد کو وہ ممکن سمجھتا تھا لیکن اُس کے حاصل کرنے کا بالکل آرزومند نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے مقصد کے متعلق وہ ہمیشہ افسوس کرتا رہا اور یہ کوشش بھی کرتا رہا کہ ایسا نہ ہو لیکن تیرہ برس حکومت کرنے کے باوجود وہ واقعات کے بہاؤ کو نہ روک سکا۔ بلکہ اُس کے ارادوں کی نسبت کہیں زیادہ خرابی واقع ہوئی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اُسے ملازمت ختم کرنے پر مایوسی ہوئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ اُس کی ظاہر کردہ آرزو کہ وہ کمپنی کی خوشحالی کو ترقی دے اور انگریزی دبدبہ اور اقتدار کا بول بالا کرے اب پوری ہو چکی تھی۔ اپنے دورِ حکومت کے اختتام پر اُس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ کمپنی کی تاریخ میں بنگال کی حکومت کو "بلحاظِ دولت، طاقت اور خوشحالی" کے ایسا مرتبہ نصیب نہیں ہوا۔ یہ دعویٰ سچا تھا۔ پھر مایوسی کی وجہ کیا تھی؟ دیکھنا یہ ہے کہ کون کون سے مقاصد اُس کی اُمیدوں کے مطابق حاصل نہ ہوئے؟

اِس کا سادہ جواب صرف یہ ہے کہ کمپنی کی خوشحالی میں ترقی اور انگریزی رسوخ اور اقتدار کا بول بالا غالباً اُس کی اپنی توقعات کے مطابق کہیں زیادہ

ہونا چاہیئے تھا، اُسے یقین تھا کہ اگر میرے کام میں رُکاوٹ نہ ڈالی جاتی اور اُسے اپنے مرتبہ کے مطابق پورے اختیارات استعمال کرنے کا موقع دیا جاتا تو وہ انگریزی رسوخ کو ہندوستان اور دکن کے ہر طبقے تک وسیع کر دیتا اور ہر مقامی حکمران کو انگریزوں کا مطیع و منقاد کر لیتا۔

آئندہ کے متعلق یہ خوش کن خواب کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ اپنے ہمعصروں کی نظروں میں رُسوا ہوا، اور اُس کے جانشینوں نے اُس کی تعریف کی۔ دونوں نے اُسے غلط سمجھا اور غلط طریق سے پیش کیا۔ اُس کے جانشین تو اُس کی حیرت انگیز پیش بینی سے متاثر ہو کر یہ یقین کرنے لگ گئے کہ وہ ارادتاً یہ چاہتا تھا اور اسی کے مطابق اُس نے عمل بھی کیا کہ وہ ہندوستان میں ایک ایسی وسیع مملکت قائم کر دے جو بعد میں قائم ہو کر رہی حقیقتاً اُسے ایسی وسیع سلطنت کے قیام کے آثار نظر آئے تھے۔ وہ ۱۷۷۹ء کے شروع میں لکھتا ہے کہ "مجھے اخلاقی طور پر پورا الیقین ہے کہ اس ملک بنگال کے ذرائع جو فوجی لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اور ایک متفقہ اور متحدہ حکومت کے ماتحت رہ کر نہ صرف ملک کی اندرونی فلاح و بہبود اور عام ترقی کے لئے بخوبی استعمال ہو سکتے ہیں بلکہ اُن کے ذریعہ وہ طاقت بھی پیدا ہو سکتی ہے جو تمام ہندوستان پر حاوی ہو جائے۔" لیکن اس تحریر کے بعد ہی جملہ معترضہ کے طور پر وہ یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ "یہ تو امر واقعہ ہے لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ایسا دیکھنے کا خواہشمند نہیں ہوں۔" لارڈ کرزن جو ہیسٹنگز کے مداحوں میں سے ہے۔ یہ جملہ اس کی پیش بینی کی دلیل میں پیش کرتا ہے لیکن وہ جملہ

معترضہ کی اہمیت کو نظر انداز کر جاتا ہے۔ وہ اُس کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ تعریف اُس کے اپنے زمانہ کی شہنشاہیت پسند اعتقادات پر ہی مبنی تھی۔ وہ ناگزیر طور پر خود اپنے آپ سے اور اپنے ناظرین سے اس حقیقت کو چھپائے رکھتا ہے کہ ہیسٹنگز جو سلطنت ہند کے قیام کا دوسرا بانی سمجھا جاتا ہے، اصل میں کسی ایسی حکومت کے قیام کا خواہشمند نہ تھا جیسی کہ وہ یا یہ لوگ سمجھتے تھے۔

ہیسٹنگز کے معاصر فرانسس کے طرزِ بیان سے دھوکا کھاتے ہوئے ہیسٹنگز سے یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ فتوحات دل آویز منصوبوں کو پورا کرنے کی وجہ سے کمپنی کی خوشحالی، قومی وقار اور حکمت عملی کی تباہی کا باعث ہوا۔ وہ پہلے ہی سے یہ بھانپ گیا تھا کہ "اپنے ملک کی طاقت کو ترقی دینے اور بادشاہ کے نام پر اُس کے رسوخ کو بڑھانے" کے کام میں اُسے تکلیفیں جھیلنی پڑیں گی کیونکہ اُسے خوب معلوم تھا کہ بڑے زور شور سے یہ عام خیال ترقی پا رہا ہے کہ فتوحات کے کل منصوبے ناجائز ہیں اور اُن سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ وہ خود بھی اسی عقیدے کا آدمی تھا۔ توسیع مملکت اور الحاق کے خیالات یا منصوبے اُس کی اپنی حکمت عملی میں بھی شامل نہ تھے۔ اپنے ابتدائی زمانے میں جب وہ وینی سٹارٹ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا، اُس نے میر قاسم کے شاہی حقوق بطور نواب بنگال کی پامالی کے خلاف آواز اُٹھائی تھی، اور پھر اُس کے بعد اپنے عہد ملازمت میں وہ برابر سلیوان کے ہمنواؤں میں رہا جو کمپنی کے ڈائرکٹروں کی مجلس کے ایک فریق کا ممبر تھا جو کلائیو کے طرز عمل کو ناپسند کرتے تھے اور توسیع مملکت کے منصوبوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ ہیسٹنگز بکھلم کھلا کمپنی اور بادشاہ کے رسوخ اور

اقتدار کے بڑھانے کا حامی تھا وہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ توسیع فتوحات یا شاہی اختیارات کے بڑھانے کے ذریعہ پیدا کی جائے بلکہ اسکی منشا یہ تھی کہ ہندوستان کے حکمرانوں سے کمپنی کا رابطہ و اتحاد بڑھا کر یہ مقصد حاصل کیا جائے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اگر مجلس عاملہ کی کثرت رائے رکھنے والی مخالف پارٹی اُس کے اختیارات میں رکاوٹ نہ ڈالتی تو وہ کس قسم کی حکمت عملی اختیار کرتا وہ خود لکھتا ہے کہ "میں کسی علاقہ کے الحاق پر رضامند نہ ہوتا اگر مجھے اس قسم کی کوئی پیشکش بھی کی جاتی جس کے ذریعہ ہماری دفاع کی طاقت اور پھیل جاتے تو میں ایسی پیشکش کبھی قبول نہ کرتا تا وقتیکہ اُسی تناسب سے میری دفاعی قوت اور مالی آمدنی نہ بڑھے"۔ میں اتحاد کی نئی تجویزوں کی حوصلہ افزائی ضرور کرتا لیکن خود کبھی کسی نئے اتحاد یا عہدنامہ کی درخواست نہ کرتا بلکہ موجودہ عہدناموں کی مثال دیتے ہوئے اپنی حکومت سے اتحاد کرنے کی ترغیب دلاتا"۔

کمپنی کا نواب اودھ کے ساتھ جو عہدنامہ ہوا تھا اُس کی مثال اُس کے دل میں تھی۔ اُس نے خود ہی اُس کی بنیاد باہمی عزت و آبرو کے اصولوں پر رکھی تھی کہ "ایک دوسرے کی معاونت مساوات کے اصولوں" پر کی جائیگی۔ یہ عہدنامہ شجاع الدولہ سے ۱۷۷۳ء میں ہوا تھا۔ اسی عہدنامہ کو دوسروں کے لئے نمونہ بنانا مقصود تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر کمپنی اپنی فوجی طاقت کے ساتھ ساتھ اپنے حلیفوں سے بے لوث انصاف، رواداری اور اعتدال پسندی سے کام لے اور سیاسی معاملات میں ہر ایک اصول کو مقدس سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ کاربند بھی ہو تو ہندوستان کی تمام مقامی طاقتیں بطیب خاطر کمپنی کا حلیف بننا منظور کر لیتیں۔ نئے اراکین مجلس عاملہ پہنچ گئے اور اُنھوں نے نہ صرف عہدنامہ اودھ کی دھجیاں اڑا دیں بلکہ بجائے اس کے بنارس کی زمینداری بھی چھین لی۔

سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور دس سال بعد ہیسٹنگز نے خود بھی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس وقت اُسے خود شبہ ہونے لگ گیا کہ آیا اس قسم کے عہد ناموں سے انگریزی رسوخ کا بڑھانا قرین مصلحت ہوگا اور اسکے علاوہ اب یہ تجویز قابل عمل بھی نہ رہی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان کی سب طاقتیں کمپنی کی امداد کی طالب ہیں لیکن سب کو ایسا تعلق پیدا کرنے سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اُن کا بھی وہی حشر نہ ہو جو اُن طاقتوں کا ہوا ہے جنہوں نے کمپنی کی امداد حاصل کی"۔ بنگال میں میر جعفر اور میر قاسم، کرناٹک میں محمد علی اور اودھ میں آصف الدولہ۔ ان سب کی مثالیں زبردست انتباہ کا کام دیتی تھیں۔ ان سب نے کمپنی کی امداد منظور کی اور خود باجگذار بن گئے۔

ہیسٹنگز بڑی استقامت کے ساتھ اس طریق عمل کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہ جائز طور پر اس کا مدعی تھا کہ جہاں تک اُسکی ذات کا تعلق ہے وہ بڑی حزم و احتیاط سے اُنکے حقوق اور معاہدات کی بڑی پابندی سے قدر کرتا رہا ہے۔ اُسکے معاصروں نے اُس کے اس دعوے کا یقین نہ کیا اور اُنہوں نے ہندوستان کے حکمرانوں سے بے رحمانہ سلوک کرنے کا الزام لگایا۔ موجودہ مورخین بھی اُسکے اس فخر آمیز دعوے کا مذاق اڑاتے ہیں کہ "میں نے عہد ناموں کے اصل مقصد کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی"۔ چیت سنگھ سے بدسلوکی اور بیگمات اودھ کی بربادی فراموش ہو چکی ہے لیکن اُس کے ساتھ ساتھ ہی اصل حقیقت بھی فراموش کی جا رہی ہے کہ ہیسٹنگز ہندوستانی حکمرانوں کے ساتھ غیر معمولی طور پر انصاف اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔

آخر سچ، سچ ہی ہوتا ہے اور یہ حقائق ناقابلِ تردید ہیں اور اُسوقت کے حکمرانوں کے ذہن سے فراموش نہ ہوئے تھے جن کسی سے بھی اُسے واسطہ پڑا۔ کیا اودھ کا خاندان شاہی۔ کیا نظام حیدرآباد، کیا راجہ برار اور کیا مہاراجہ سندھیا۔ ان سب کو اُس پر پورا بھروسہ تھا۔ اصل

وہی شخص تھا جس نے اُنہیں یقین دلایا کہ انگریزوں سے ڈرنا تو یقیناً ضروری ہے لیکن اُن پر بھروسہ بھی کرنا چاہیئے۔ اُن میں اُسکی شہرت اپنے کردار پر مبنی تھی۔ اپنی نوجوانی میں اُس نے میر قاسم کی حمایت کرکے اپنے ہموطنوں کی نفرت مول لی۔ بنگال کا گورنر مقرر ہونے پر وہ مُصر ہوا کہ شجاع الدولہ کی قدر و منزلت کی جائے۔ اور اُسکے شاہی حقوق کی پاسداری ضروری ہے۔ اور اس سے فوجی حلقوں سے خطرناک اختلاف پیدا ہو گیا۔ اُس نے بڑی دلیری سے گورنر مدراس کو معطل کر دیا اور اپنے آخری ایام حکومت میں آصف الدولہ اور محمد علی کی امداد و حمایت کی حالانکہ وہ بیحد نکمے اور معذور حکمران تھے۔ اُسکے انصاف کی ایک چھوٹی سی مگر عجیب و غریب مثال رانا گوہاڈ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ رانا گوہاڈ نے جب حکومت بنگال سے مل کر مرہٹوں سے جنگ کی تو اس سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ گوالیار کا قلعہ تمہیں دے دیا جائیگا لیکن جونہی کپتان پپہم نے اُسے فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اس وعدے کے ایفا میں طرح طرح کے حیلے بہانے شروع ہو گئے۔ رانا کو قدرتی طور پر اس سے ناراضگی پیدا ہوئی اور اُس پر بغاوت کی تہمت لگنا شروع ہو گئی (ہندوستان کے تعلقات کے سلسلے میں ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں)۔ اس پر ہیسٹنگز نے بڑے زور شور سے احتجاج کیا۔ وہ پوچھتا ہے کہ "ہمیں اُسکی وفاداری پر مُصر ہونے کا کیا حق حاصل ہے۔ ہم خود اُسے اُس حق سے محروم کر رہے ہیں جس کا ہم نے اُس سے وعدہ کیا تھا۔ اور اب اُس کی ہر ظاہر حرکت پر ناراض ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہم اُسکی جانب منسوب کرتے ہیں وہی ہم پر بھی عاید ہوتا ہے۔" آخر کار یہ قلعہ اُس کے حوالہ کر دیا گیا گو بعد میں سندھیا نے اُس سے چھین بھی لیا۔ اگر ہیسٹنگز نہ ہوتا تو اُس بیچارے کی کون سنتا تھا۔

نواب اودھ کے معاملہ کے متعلق وہ خود لکھتا ہے کہ "میں ایسا خطرناک مدبر نہیں ہوں

کہیں اُس کے شاہی حقوق غصب کر کے اُسکو اپنے جائز اختیارات سے محض اِسلئے محروم کر دوں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں"۔ وہ اس قسم کی غیر معمولی اعتدال پسندی کو قبول کرنے میں بہت سُست تھا۔ اُسے باربار یہ دیکھنے کا موقع ہوا کہ طاقت و اقتدار کا غلط استعمال کی ناجائز جدوجہد کی جاتی ہے بعض وقت بالکل کھلم کھلا اور شرمناک طریقے سے بھی ایسا کیا جاتا ہے یا فریب آمیز حیلے بہانوں کو کام میں لایا جاتا ہے مثلاً حفاظت و انتظام اور کمزوروں کی امداد کا بہانہ۔ راجہ برار کو اپنا حلیف بنانے کے سلسلہ میں یہ عذر جو بظاہر صحیح تھا کہ اگر اُسے حلیف بنا لیا گیا تو وہ خطرناک طور پر زیادہ طاقتور ہو جائیگا۔ اُس نے خود پیشینگوئی کرتے ہوئے سب کو متنبہ کر دیا تھا کہ "اِس نظریہ کے بالکل برعکس نتائج کا احتمال ہے یعنی ہم پہلے حلیف بنینگے اور بعد میں خود مختار اور ظالم ہو جائینگے"۔ اسکی پیشینگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ تاہم وہ اِسی ہٹ پر قائم رہا کہ باوجود اعلیٰ فوجی طاقت رکھنے کے کمپنی کو اپنی ہمسایہ طاقتوں سے "مساوات اور باہمی تعاون" کے اصولوں پر روابط قائم کرنے چاہئیں صرف گورنر جنرل کی میعاد کے آخری ایام میں اُسے یہ سمجھ آئی کہ ایسا کرنا ناممکن ہے اور جس نظریہ کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ "ہماری قوم کی مقرر کردہ حکمت عملی یہ ہے کہ جس طاقت سے تعلق پیدا ہو اُسے کمزور کیا جائے"۔ اصل میں ایسی مقرر کردہ حکمت عملی نہیں ہے بلکہ یہ اُسی طاقت کا استعمال ہے جسے خود اُسکی اپنی اعتدال پسندی بھی روک نہ سکی۔ آخر کار وہ اپنی اس منصوبہ بازی کی صحت کو کہ اتحاد و اتفاق کا عام سلسلہ قائم کیا جائے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا کیونکہ اِسکے ذریعہ ہی میر قاسم تباہ ہو چکا تھا اور میر جعفر محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔

شہزادوں کو کٹھ پتلیوں میں تبدیل ہو جانے کا انسداد کرنے کیلئے ہیسٹنگز ان

قدرتی رجحانات کا ناکام مقابلہ کرتا رہا جن کی طاقت اُسکی اپنی جدوجہد سے زیادہ تھی اُسکی یہ کوشش بھی کہ حکومت بنگال مغلیہ طرزِ حکومت سے انگریزی طرزِ حکومت میں تبدیل نہ ہو بُری طرح ناکام ثابت ہوئی۔ یہ بات گو اُسوقت واضح نہ تھی لیکن اب بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ آج ہم غالباً یہ بات اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کہ ہیسٹنگز اور اس کے معاصرین کے لئے قدرتی طور پر یہ زیادہ آسان تھا کہ مغلوں کی جانشینی حاصل کرنے کے بعد کمپنی یا تاجِ برطانیہ مغلوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہی طرزِ حکومت جاری رکھیں۔ وہ طرزِ حکومت بالکل خود مختارانہ تھی۔ اُس قسم کی طرزِ حکومت اور اٹھارھویں صدی کے انگلستان کی آزادانہ جمہوری حکومت میں جو تفاوت تھا اُس کا احساس تو اُنہیں ضرور تھا لیکن اُنہیں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اُس کا تبدیل کرنا ممکن العمل ہے اِس نظریہ سے سب کو اتفاق تھا۔ فرانسس کا یہ خیال تھا کہ چونکہ طرزِ حکومت خود مختارانہ ہے اور انگلستان کی عام آزادی کے اصولوں کے بالکل منافی۔ انگریزوں کو صرف وصولی خراج پر اکتفا کرنا چاہیئے اور انتظام وغیرہ کی تمام ذمہ داری مقامی نواب کے سپرد کر دینی چاہیئے۔ ہیسٹنگز مقامی نظم و نسق کی تباہی جو کمپنی کی زبردست دخل اندازی سے پیدا ہوئی تھی بخوبی دیکھ چکا تھا کہ حقیقی نظم و نسق قائم کرنے کے لئے کمپنی کو خود کوئی حتمی اور مستقل ذمہ داری لینی چاہیئے لیکن یہ ذمہ داری صرف اس حد تک ہو کہ کمپنی کی نگرانی میں مقامی عمال کے ذریعہ پرانے طرز کی حکومت قائم رکھی جائے۔ اُس نے پارلیمنٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "باشندگانِ ایشیا کے لئے وہ دن بڑی مسرت و شادمانی کا ہوگا جب چنگیز خاں اور تیمور کی خود مختارانہ حکومت کی بجائے اُنہیں انگریزی مجلس مقننہ عطا ہوگی اور مجھے اپنے موجودہ مقدمہ کے متعلق بڑی طمانیت ہوگی اگر اُس کے ذریعہ اس قسم کا

انقلاب واقع ہو جو بنی نوع انسان کے جملہ مفاد کیلئے بیحد مفید ہے۔" لیکن یہ متوقع انقلاب جس کا آخری نتیجہ آج ایک سو ساٹھ سال گذر جانے کے بعد بھی مبہم و مشکوک ہے ہیسٹنگز اتنا بعید از قیاس سمجھتا تھا کہ اُس کے ممکن العمل ہونے کے سوال پر غور کرنا ہی لاحاصل تھا۔ اس لئے وہ خود مختارانہ طرز حکومت اور خالص ہندوستانی نظم و نسق قائم رکھنے کا حامی تھا۔

ہیسٹنگز کے مرنے سے پہلے بلکہ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے ہندوستان میں دو عنصر کام کر رہے تھے جن کی وجہ سے ہندوستان میں انگریزی نظم و نسق جاری ہونا شروع ہوا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ انگلستان کی رائے عامہ برک کی رائے کے مطابق یہ تھی کہ " ایک انگریز گورنر کا فرض ہے کہ وہ انگریزی قانون جاری کرے۔ لوگوں کے رسم و رواج کی اصلاح کرے اور اپنی رائے کو وہاں کے رسم و رواج کا پابند نہ کرے۔" دوسری بات جسے عام طور پر ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے خویش نوازی تھی ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ ریگولیٹنگ ایکٹ کے منظور ہونے کے بعد خویش نوازی بجائے گھٹنے کے بڑھ گئی ہے۔ اُس کے لئے کلکٹروں کے عہدوں کی تخفیف اور انگریز افسروں کا کلکتہ کے ماحول میں بند رکھنے کا منصوبہ سب رائگاں تھا۔ نہ صرف ڈائرکٹر بلکہ وزیروں تک اُسے برابر مجبور کیا کرتے تھے کہ وہ ہندوستان میں اُن کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے عہدے مہیا کرے اور وہ واقعی ایسا کرنے پر مجبور تھا کیونکہ خود اُس کی ملازمت کا انحصار ہی اس بات پر تھا کہ وہ اُن کے مطالبات کو پورا کرے۔ اس لئے اپنی رائے اور خواہش کے خلاف، انتظام عامہ میں انگریز نوازی کا کام اُس کے عہد حکومت میں جاری رہا اور اُس کے چلے جانے کے بعد ہر اعلیٰ عہدے سے ہندوستانیوں کو بڑی سرعت سے ہٹا دیا گیا۔

ہیسٹنگز اس عام اخراج کی حکمت عملی کے سخت مخالف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ تو اُسے اپنے ہم قوموں کی نیکی اور اعتدال پسندی پر بھروسہ نہ تھا اور کچھ وہ خود باشندگان بنگال کی خوبیوں اور اُن کے حقوق کی بڑی پاسداری کیا کرتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں وہ مارکوئیس ہیسٹنگز کو اپنے گورنر جنرل مقرر ہونے کے موقع پر لکھتا ہے کہ "یہاں ایسے عقلمند۔ دیانتدار اور باعزت لوگ موجود ہیں جو تمام ممالک محروسہ کے بہترین آدمیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مجھے بیحد افسوس ہے کہ اُن کی حالت پر نہ کافی توجہ دی جا رہی ہے نہ انہیں کافی تعداد میں ملازم رکھا جاتا ہے اور نہ اُن کا ادب کیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس کے ہر طرح کے مستحق ہیں۔ میں اپنی جسارت کی معافی چاہتے ہوئے آں عالی مرتبت سے التماس کرونگا کہ آپ اس نسلی امتیاز کو دُور کریں۔ آپ اُن کے حامی کار ہوں۔ آپ اُن کے خاص دوست اور محافظ بنیں اور اپنی مثال سے ہمارے ہموطنوں کو ترغیب دیں کہ وہ اُن سے خوش اخلاقی سے پیش آتے ہوئے تمدن و معاشرت کے حقوق میں خود ہی مساوات برتیں اور ہر معاملہ میں جہاں قانون نہ چل سکتا ہو اُن سے رواداری کریں"۔

ہیسٹنگز کے سارے طرز عمل اور کردار میں میکالے کی رائے کی خود سری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ بات بڑے کھلے اور واضح طور پر نمایاں ہے کہ اُسے مفتوحین سے جو محض تقدیر کے چکر میں آکر اچانک مٹھی بھر انگریز منچلوں کے قبضہ اور قابو میں آ گئے تھے بیحد ہمدردی تھی۔ اٹھارھویں صدی کے بے مروتی اور بددیانتی کے زمانے میں یہ شخص پیدا ہوا۔ لڑکپن ہی میں مدرسے سے نکال کر کلکتہ کے حساب کتاب کے دفتر میں بٹھا دیا گیا۔ یہ یتیم بچہ جس کی تعلیم و تربیت ایک دیہاتی گرجا میں ہوئی۔ جسے صرف قدیم علم ادب اور انگریزی گرجا کی مذہبی تعلیم دی گئی۔ ایسے ضبط و تحمل۔ انسانیت اور باطنی روشنی کی

مثال قائم کر گیا ہے جو اُس کے جانشینوں میں بہت کم ملتی ہے۔

البتہ اُسے ایک فوقیت حاصل تھی جو دوسروں کو نصیب نہ ہوئی۔ وہ چھ سال تک بنگال کے باشندوں میں رہ چکا تھا۔ وہ بنگال۔ قاسم بازار اور ڈھاکہ میں امیر کبیر یا مالک و مختار کی حیثیت سے نہیں بلکہ معمولی کلرک کی حیثیت سے رہا۔ وہ حکومتِ وقت کے ماتحت محض غلامانہ حیثیت رکھتا تھا۔ اس عرصہ میں اُسے اِن لوگوں کی فطرت کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور یہ موقع کسی اور گورنر کو نصیب نہیں ہوا۔ گو اُس کو اپنی فطرتی خوش اخلاقی اور بردباری کے اثر نے اُن کے کردار کی بہترین صفات کو بروئے کار لانے میں بڑی مدد کی۔ جس محبت اور قدر و منزلت کا اظہار اُس نے لوگوں کے لئے کیا اُسکی وجہ سے نہ صرف کمپنی کی دولت میں بے شمار اور حیرت انگیز اضافہ کیا بلکہ وہ انقلاب کی مصیبت سے بچ گئی بلکہ اُسے خود بھی خلاف توقع اُسے سب سے اونچا اور بڑا با اختیار عہدہ بھی مل گیا۔ بنگال میں کمپنی کے دوسرے ملازمین کی طرح وہ اپنے آپ سے باہر نہیں ہوا۔ حالانکہ معمولی تاجر سے حکمران بن جانا کوئی معمولی سی بات نہ تھی۔ اُس نے دیکھ لیا کہ لوٹ مار کی دیوانگی اور لوگوں کے جائز حقوق پر دستبرد شرمناک طریقہ سے رائج ہو گئی ہے اور یہ طریق عمل نہ صرف اُن لوگوں کے لئے غلط تھا بلکہ کمپنی کے لئے بھی تباہ کن تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "کمپنی کے ممالک و مقبوضات کی بقاء و دوام ملازمین کی لیاقت پر نہیں بلکہ اُن کی نیکی پر منحصر ہے۔"

جب وہ بنگال سے روانہ ہوا تو اُس وقت بھی ملازمین کمپنی بددیانت تھے اور سارا نظام بے ایمانی اور رشوت ستانی کے دھبوں سے داغدار تھا۔ گو اُس نے اپنے ابتدائی زمانے میں اعلیٰ عہدوں کے لئے دیانتدار اور قابل آدمیوں کا انتخاب کرنے کی

کوشش کی۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ قابلیت اور دیانتداری ہی کافی معیار نہیں اُس کے سارے عہد حکومت میں اُسے یہی مصیبت درپیش رہی کہ وہ ڈائرکٹروں اور اپنی کونسل کے اراکین کو کسی طرح خوش رکھے۔ اُسکی مخالفت جتنی زیادہ ہوتی جاتی تھی اُسی قدر اُس کے لئے یہ ضروری ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے حمایتیوں کے دوستوں اور رشتہ داروں کو فائدہ مند عہدے عطا کرے۔ ہمیں ہیسٹنگز کے کردار کا مطالعہ انیسویں صدی کی آسودگی کے زمانے کے معیار کے مطابق میکالے کی طرح نہیں کرنا چاہیئے جس نے چار سال کے عرصہ قیام میں اپنی تنخواہ ہی میں سے کافی دولت بچالی۔ بلکہ ہمیں اُس کے طرز عمل کو جانچنے کے لئے اٹھارھویں صدی کے بے ایمان زمانے کو مدّ نظر رکھنا چاہیئے جب کہ اُس کا معیار نہ صرف کلکتہ اور مدراس ہی میں بلکہ ویسٹ منسٹر اور وائٹ ہال میں بھی بے حد گرا ہوا تھا۔ ہیسٹنگز مصلح ہونے کا دعویدار نہیں ہے اور نہ ہی اُسے کوئی زبردست اختیارات حاصل تھے جن کے دباؤ کی وجہ ہی سے کوئی حقیقی اصلاح ہو سکتی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ کبھی ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ آدمی ناجائز فائدہ اُٹھانے سے باز رہ سکیں۔ جب اس قسم کا فائدہ حاصل کرنا بھی آسان ہو۔ اُن کا حاصل کرنا خاص طور پر ممنوع نہ ہو۔ کوئی سزا یا جرمانہ عاید نہ ہوتا ہو۔ ہر ایک شخص کا ہاتھ ایسے نفع کے حصول تک پہنچ سکتا ہو اور عام دستور کے ماتحت اُسے جائز بھی سمجھا جاتے۔" باوجود ان تمام باتوں کے جو کچھ اُس کی اپنی ذاتی مثال کی تقلید کرانے سے حاصل ہو سکا وہ ہوا۔ اگرچہ خود اُس کے مالی لین بھی اعتراض سے مبرّا نہ تھے لیکن اس طول طویل عرصہ کارکردگی میں اُس کی عام راست روی جو اس حرص و آز کے زمانہ میں ناممکن تھی عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے اور اس کا اعتراف کیا

جاتا ہے اور بنگال میں کمپنی کے سب ملازمین بیحد پاس کرتے تھے۔ اگر اُس کی اپنی مثال سے کوئی اور مفید نتیجہ نہیں نکلا تو کم از کم اتنا تو ضرور ہوا کہ کمپنی کے جملہ ملازمین محض روپے کے لالچ کے علاوہ حقیقی محنت سے کاروبار حکومت میں دلچسپی لینے لگ گئے اور اُن میں ان لوگوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری کا احساس بھی پیدا ہو گیا جن پر وہ حکومت کرتے تھے۔

ان دنوں میں صرف طمع اور لالچ ہی کمپنی کے ملازموں کا سب سے بڑا گناہ نہ تھا وہ لوگوں کی انتہائی اطاعت اور تابعداری کی وجہ سے بیحد مغرور اور بے پروا بھی ہو گئے تھے۔ یہ ہیسٹنگز اور اُس کے جانشینوں کا بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس نقص کو سمجھا اور اُسے دُور کرنے کی کوشش کی۔ بیچر جو ہیسٹنگز کا دوست تھا اپنے ہدایت نامہ میں جو سپروائزروں کے نام جاری کیا گیا تھا لکھتا ہے کہ "انکساری ان قومی اصولوں کا ایک ایسا جزو ہے جس کی وجہ سے انگریزوں کا قومی کردار مخصوص و ممتاز ہوتا ہے۔" واقعی انکساری بالخصوص ایک فاتح قوم کے لئے ایک نہایت ہی شاندار صفت اور نیکی ہے جس پر سب سے زیادہ زور دینا چاہیئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اٹھارھویں صدی میں بھی ایسے عناصر موجود تھے جن کی ابتدا گہری عیسائیت تھی اور اس لئے عیسائی مذہب کے مطابق نیکی اور خوش اعمالی کی تلقین بیحد موثر ثابت ہوتی تھی ہیسٹنگز خود ان نیکیوں کو جو وقعت دیتا تھا وہ اُس کے اُس الوداعی پیغام سے ظاہر ہے جو اُس نے کمپنی کے تمام ملازمین کو اپنی روانگی کے وقت بھیجا۔ اس پیغام میں وہ خاص طور پر اُن کی تعریف کرتا ہے کہ "انہوں نے شرافت اور اعتدال پسندی سے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔" اس میں شک نشیر کرنے کی مطلق گنجایش نہیں

کہ اُس نے اپنے رویّہ کو بطور عملی ثبوت پیش کر کے انہیں اچھا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے یہ بھی کوشش کی کہ انگلستان میں اپنے ہموطنوں کو بھی ہندوستانی رعایا کے احوال سے بخوبی واقف و آشنا کرے۔ فرانسس کے خیالات کے بالکل برعکس جو بنگالی کو بے سمجھ اور ناتربیت یافتہ انسان کہا کرتا تھا اُس نے اُن کو یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب مغرب کی تہذیب سے کسی درجہ کم نہیں۔ اُس نے ہندوؤں کا قانونی ضابطہ انگریزی زبان میں ترجمہ کرا کے لارڈ مانسفیلڈ کو اس بات کے ثبوت میں بھیجا کہ ہندوستان کے باشندے بے علم اور وحشی نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر وہاں سمجھا جاتا ہے اور اُن کے متعلق غلط خیالات پھیلائے جاتے ہیں۔ وہ اُن کی شجاعت اور سخاوت کے قصے مثالاً پیش کر کے اس نظریہ کی تردید کیا کرتا تھا کہ انہیں انگلستان کی روشنی کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں حکومت انگلشیہ کے استحکام کے بعد اُس کا یہ نظریہ اور بھی مضبوط ہو گیا اور اپنے بڑھاپے میں ہندوؤں کی خوبیوں کے متعلق اُس نے خراج تحسین پیش کیا۔ وہ مارکوئیس آف ہیسٹنگز کو لکھتا ہے کہ "ہندوستانیوں کے متعلق یہ غلط فہمی پیدا کی گئی ہے کہ وہ انتہائی وحشت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہر قابل نفرت گناہ میں ملوث ہیں جو انسانیت کا نام و نشان مٹا دے۔ اور اسلئے یہ کہا جاتا ہے کہ جب ہمیں اقتدار و طاقت حاصل ہے تو اُن کی اصلاح کرنا بلکہ اُن پر دباؤ ڈال کر انہیں اپنے مذہب کی تلقین کرنا ہمارا فرض ہے۔ اگر اُنکی اخلاقی پستی ہی ایک ایسا عذر ہے جس کی بنا پر اُن کی اصلاح کے لئے حکومت کی زبردست دخل اندازی کی ضرورت ہے تو میں آں عالی مرتبت سے بادب التماس کرونگا کہ انہیں اُن کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے بالخصوص ہندوؤں کو

جن کے متعلق یہ الزامات نہایت ہی اشتعال انگیز ہیں"۔ "میں اس قسم کے اظہار رائے پر مجبور ہوں اور آل والا قدر بھی اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ انسانی فطرت کے بدترین رجحانات سے دنیا کی کوئی قوم بھی ہمارے سمیت محفوظ نہیں۔ یہ لوگ شریف، نیک فطرت، پرلے درجے کے احسان شناس اور شکر گذار۔ گزند و نقصان پہنچنے کی صورت میں مقابلتاً کم کینہ جو۔ خونریزی سے نفرت کرنے والے۔ خدمت میں وفادار اور مخلص اور قانون کا احترام کرنے والے ہیں۔ وہ توہم پرست ضرور ہیں لیکن وہ ہمیں اپنا موافق حال نہ پا کر برا نہیں سمجھتے۔ اگرچہ اُن کی عبادت کے طریقے جاہلانہ ہیں لیکن اُن کے مذہبی اصول امن و آشتی کے قائم رکھنے کیلئے بیحد موزوں ہیں۔ اور اُن کے مذہبی دلائل جو اور کوئی نہیں پیش کر سکتا۔ ہمارے مذہب کے نہایت باریک نکتوں کی بخوبی وضاحت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے ناقابل برداشت اور تشدد آمیز رویہ کے باوجود وہ تین صدیوں سے متواتر زندہ چلے آتے ہیں اور وہ متواتر اپنے عقیدوں پر متحد و متفق رہے ہیں۔ اسلئے کسی آزاد خیال اور روشن دماغ قوم سے جنہیں قدرت نے ان کا محافظ مقرر کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہی توقع ہونی چاہیئے کہ ان کو ظلم و تعدی سے بچایا جائے۔ اور ان کے مذہبی عقاید کا سوال اُسی خالق کے سپرد کر دیا جائے جس نے آج تک اُنہیں ایسی حالت میں رکھا اور جو اُسی طرح اپنے موعودہ وقت پر انکی اصلاح بھی کر دیگا"۔

یہ قابل یادگار عبارت اور بھی زیادہ شاندار ہو جاتی ہے جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہیسٹنگز کا بدترین دشمن 'نند کمار' ہندو ہی تھا۔

ہندوستان کی تہذیب اور تمدن اور زبانوں سے دلچسپی رکھنے کا شوق ہیسٹنگز کو "قاسم بازار کی ابتدائی ملازمت کے زمانہ ہی میں پیدا ہوا۔ ۱۷۶۵ء میں جب وہ انگلستان

واپس آیا تو اُس نے کوشش کی کہ آکسفورڈ میں فارسی زبان کی درس تدریس کا سلسلہ جاری کیا جائے لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ لیکن وہ ڈاکٹر جانسن کو اپنی سرگرمی اور مشرقی علوم کے حاصل کرنے کی اہلیت سے متاثر کئے بغیر نہ رہا کئی سال بعد ڈاکٹر جانسن نے اُسے لکھا کہ "میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ شخص جس نے اس ملک کے علم و ادب میں فارسی زبان کے مطالعہ کی ترویج کا کام شروع کیا تھا اب مشرق کی قدیم روایات اور تاریخ کا بغور مطالعہ کریگا۔ وہ اُس کی پُرانی عمارات کے عجائبات کو بغور دیکھے گا اور اُس کے پُرانے کھنڈرول اور آثارات کا پتہ چلائے گا اور اُس کی واپسی پر ہمیں اُس نسل کے کمالات کا حال معلوم ہو سکے گا جن کے متعلق آجتک ہمیں کچھ زیادہ علم حاصل نہیں ہو سکا۔"

اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے اُسے اتنا وقت نہ مل سکا کہ وہ ایسے شاندار پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوئی زیادہ وقت نکال سکتا لیکن ہندوستان کے لوگوں کی طرز زندگی اور اُن کے خیالات کا مطالعہ کرنے کی دلچسپی متعدی صورت اختیار کر گئی اور اُس کی سرپرستی اور ہدایت کے اثر سے کمپنی کے ملازمین میں سے بہتوں کو مشرقی علوم کے حاصل کرنے کا علمی شوق پیدا ہو گیا۔ اُن میں سے کئی ایک بالخصوص ہال ہیڈ فارسی زبان کے عالم فاضل بن گئے۔ ہال ہیڈ ہی نے سر چارلس ولکنز کی شراکت عمل سے ہندو قانون کا فارسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اُس کے بعد ولکنز نے سنسکرت زبان کی طرف توجہ کی۔ اور پھر ۱۷۸۳ء میں اس قسم کے مطالعہ کو امداد ترقی ہوئی۔ جب سر ولیم جونز کلکتہ ہائی کورٹ کا جج مقرر ہو کر آیا۔ اُس کا خاص مقصد اپنے فرائض منصبی کے علاوہ یہ بھی تھا کہ وہ ان علوم کا گہرا مطالعہ کرے۔ ہیسٹنگز نے اس خیال کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد چار سرگرم رکنوں

یعنی ہیسٹنگز۔ جونز۔ ولکنز اور ہال ہیڈ نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال قائم کی تاکہ اس قسم کے مطالعہ کو ترقی دی جائے۔

گو ہیسٹنگز نے خود سنسکرت زبان نہ سیکھی لیکن اُسے ہندو فلسفے میں بڑی دلچسپی تھی اور وہ اپنے ہمعصروں کے قول کے مطابق اکثر اوقات "پنڈتوں کا شکار" کرتے بنارس جایا کرتا تھا۔ میکالے لکھتا ہے کہ "یہ ہیسٹنگز ہی کے رسوخ کا نتیجہ تھا کہ برہمن لوگ خوشی خوشی انگریزوں کو اپنے علم و ادب کے خفیہ راز بتادیا کرتے تھے۔ اس کا پہلا ثمرہ یہ تھا کہ ولکنز نے بھگوت گیتا کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ہیسٹنگز نے اس کا دیباچہ لکھا جس سے بڑی خوبی کے ساتھ اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ خود ایک جامع کمالات انسان تھا اور کسی حد تک اس دعوے کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اٹھارھویں صدی کے انگریز بھی "تمام قوموں سے زیادہ روشن دماغ اور آزاد خیال" تھے۔ گیتا کے اخلاقی اور فلسفی محاسن بیان کرنے کے بعد جن سے وہ بہت کچھ متفق تھا وہ ذیل کے الفاظ میں عام تبصرہ کرتا ہے :۔

"علم کو ہر طریق سے جمع کرنا بالخصوص ایسا علم جو ایسے لوگوں سے میل جول پیدا کرنے کے بعد حاصل ہو۔ جن پر ہم بطور فاتح حکومت کرتے ہیں حکومت کے لئے مفید ہے۔ انسانیت کے لئے سود مند ہے اور اس مخصوص مثال میں جس کا میں ذکر کررہا ہوں آپس کے اختلافات کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ اُس زنجیر کے بوجھ کو ہلکا کردیتا ہے جس سے مقامی باشندے اطاعت و فرمانبرداری کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے ہموطنوں کے دلوں پر ذمہ داری اور مہربانی کے گہرے نقش ثبت کرتا ہے۔ انگلستان میں ایسے تاثرات کی بے حد کمی ہے۔

بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس ملک کے باشندوں کو محض وحشیوں سے کچھ ذرا اوپر کا درجہ دیا جاتا تھا۔ میرے خیال میں یہ تعصب ابھی تک بالکل دُور تو نہیں ہُوا البتہ کم ضرور ہو گیا ہے۔ ہر ایک مثال جو اُن کے حقیقی کردار کی آئینہ دار ہو ہمیں اُن کے قدرتی حقوق کی حفاظت پر کشادہ دِلی کے ساتھ مجبور کریگی اور ہمیں اس کا موقع دیگی کہ ہم اپنے معیار کے مطابق اُن کا صحیح اندازہ لگا سکیں لیکن ایسی مثالیں اُنکی کتابوں ہی میں مل سکتی ہیں اور یہ کتابیں اُس وقت تک بھی قائم رہیں گی جب انگریزی حکومت کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور جب اس سرزمین کے زرخیز وسائل اور طاقت کے مظاہرے خواب و خیال ہو کر رہ جائیں گے۔"

ہندوستان میں حکومتِ انگلشیہ کی ناپائیداری کا ذکر جو مذکورہ بالا عبارت میں ہُوا ہے ہیسٹنگز نے بار بار دُہرایا ہے۔ ایک ایسی وسیع مملکت جو حکمرانوں کے اصلی وطن سے اتنے دُور دراز فاصلے پر واقع ہو جو خود اُن کے اپنے وطن سے کئی گُنا بڑی اور زیادہ آباد ہو اُس کے خیال کے مطابق نہ صرف غیر فطری بلکہ غیر مستحکم ہے۔ کئی موقعوں پر وہ تباہی کی حد تک پہنچ گئی اور گو وہ اُس تباہی سے بچ نکلی اور کئی سال اور قائم بھی رہے لیکن یہ بربادی سے بچنے کی مہلت ہی ہے۔ تاہم اگر یہ بات غلطی سے خالی نہیں لیکن اسے چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ اِس بات کا دریافت کرنا بے فائدہ تھا کہ آیا کمپنی یا بحیثیت مجموعی قوم کو اس کے حصول سے کوئی حقیقی فائدہ بھی پہنچا۔ کیونکہ اب اُن کے لئے یہ بات ناممکن ہو چکی تھی کہ وہ اِن خطرناک اور عجیب غریب راستوں سے پچھلے پاؤں واپس ہو کر اپنی موجودہ سرفرازی اور سربلندی کو خیرباد کہتے ہوئے اُس حقیر اور بے خوف منزل پر آ اُتریں جہاں وہ صرف تجارتی منچلوں

اور سٹہ بازوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

آج اس چلتی گاڑی کا چکر پورا ہو چکا ہے۔ اب انگریزوں کے لئے ہندوستان میں بطور حکمران اور بادشاہ کے رہنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ ہیسٹنگز کے زمانے میں اُن کا بحیثیتِ تاجر رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ پوری پوری ضمیر آگاہی اور رضامندی کے ساتھ انگریز قوم تاریخ کی اس اٹل منطق کی اطاعت میں اُس سیاسی اقتدار سے مستعفی ہو رہی ہے جو آج سے دو سو سال پہلے کمپنی نے پوری سوچ سمجھ اور رضامندی کے بغیر حاصل کیا تھا۔ ہمیں اس سوال کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ ہیسٹنگز کے زمانے میں بھی نہ تھی کہ آیا قوم کو اس تبدیلی سے کوئی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تبدیلی اب ناگزیر ہے۔ "تمام قوموں سے زیادہ آزاد اور روشن دماغ قوم" خود اپنی آزادروی کی غلام بن کر رہ گئی ہے۔ اب اُسے وہ ہمہ گیر اقتدار کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جس کو وہ خود ہی چھوڑ دینے کا عہد کر چکی ہے۔ ہیسٹنگز (کی روح کو) شاید اس کا افسوس نہ ہو۔ میر قاسم کے زمانے میں اُس نے لکھا تھا کہ "اگر ہمارے ہم وطن اپنے آپ کو اس ملک میں 'فرعونِ بے ساماں' بنانے کی بجائے اپنی جدوجہد دیانتدارانہ اور صحیح تجارت تک ہی محدود رکھیں تو اُن کو ہر جگہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جائے"۔ شاید اُس کی یہ پیشین گوئی اب صحیح ثابت ہو !+

منشی رحمت اللہ خوشنویس وزیر آباد

۱۵/۸/۴

ماخذ

کتاب وارن هیسٹنگز اینڈ برٹش انڈیا مصنفہ ای پی مون' او-بی-ای

مفصلہ ذیل کتب اسی مضمون پر مزید معلومات کے لئے مفید ثابت ہونگی -

1. A Mervyn Davies, *Warren Hastings : Ruler of Br. India.*
2. Sir Alfred Lyall. *Warren Hastings (English men of Action).*
3. The Rev G. R. Gleig, *Memoirs of Warren Hastings.*
4. Sir John Strachey, *Hastings and the Rohilla War.*
5. Sir James F. Stephen, *The story of Nuncomar and Impey.*
6. H. Beveridge, *Trial of Maharaja Nanda Kumar.*
7. Sophia Weitzman, *Warren Hastings and Philip Francis.*
8. Sydney C. Grier, *The letters of Warren Hastings.*
9. H. H. Dodwell, *Warren Hasting's letters to Sir John Macpherson.*

10. G. W. Forrest, *(ed) Selections from the Letters, Despatches, and other State papers preserved in the Foreign Dept. of the Govt. of India, 1772—1785.*

11. G. W. Forrest, (*ed*) *Selections from the State Papers of the Governor-General of India, Warren Hastings.*

12. R. B. Ramsbotham, *Studies in the Land Revenue History of Bengal, 1769—1787.*

13. H. E. Busteed, *Echoes from old Calcutta.*

14. Alfred Spencer (*ed*) *Memoirs of William Hickey.*

15. Edward Thompson and G T. Garrett, *The Rise and fulfilment of British Rule in India.*

16. P. E. Roberts, *India,* (Historical Geography of India vol. 7.)

17. Macaulay, *Historical Essays* : Warren Hastings.